مرتب

(حضرت مولانا مفتی) اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب

(شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا)

تفصیلات

نام کتاب : شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب
کے مواعظ احسانیہ حکمتِ شرعیہ، اسرار ورموز
اور مقاصد شریعت کے تناظر میں

مرتب : مولانا مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب
(شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم ماٹلی والا)

صفحات : ۲۳۷

سن طباعت : ۲۰۲۲ء = ۱۴۴۴ھ

قیمت :

ملنے کا پتہ

مکتبہ: ابوبکر ربیع بن صبیح بصری

دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا

عیدگاہ روڈ، بھروچ، گجرات، انڈیا۔۳۹۲۰۰۱

فہرست

نوٹ: مذکورہ فہرست میں حضرت شیخ المشایخ کی عبارت کے ذیلی عناوین کو بھی عبارت کی طرح واضح کرنے کے لئے دوسرا رسم الخط اپنایا گیا ہے۔

***

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وآله
وصحبه أجمعين أما بعد! فقد قال الله تبارك وتعالىٰ
اعوذ بالله من الشيطان الرجيم
بسم الله الرحمٰن الرحيم
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ (بقرہ:۲۶۹)

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم کے مواعظ احسانیہ کا سلسلہ کئی دہائیوں سے الحمدللہ تعالی جاری ہے، وبائی مرض ''کورونا'' کی وجہ سے سارے تعلیمی وتربیتی ادارے بند رہے، لیکن حضرت شیخ المشائخ دامت برکاتہم کے مواعظ کا سلسلہ جاری رہا اور مجلسی احباب کے علاوہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے آپ کے متعلقین اس سے مستفیض ہوتے رہے، بلکہ رمضان المبارک کے علاوہ بھی حضرت کی خصوصی مجلس کے مواعظ روزانہ آپ کے متعلقین ومنتسبین کے علاوہ سینکڑوں لوگوں تک پہنچے، بندہ نے بھی اپنے شاگرد مولوی عاطف بھروچی کی معرفت اس کو علماء وعوام تک پہنچانے کے لئے خصوصی انتظام کئے، تو کئی ملکوں سے اس سے مستفید ہونے کی اطلاعات موصول ہوئی، اور ان اہل علم وصلاح حضرات کی طرف سے شکریہ کے پیغامات بھی موصول ہوئے، یہ وہ حضرات ہیں جو''بزم قمر'' میں شریک نہیں ہیں، کسی دن وعظ بھیجنے میں تاخیر ہونے پر یاد دہانی کے پیغامات بھی آئے، یہ اللہ پاک کی طرف سے حضرت شیخ المشائخ دامت برکاتہم کی مقبولیت وہردل عزیزی اور آپ کے مواعظ کی اثر پذیری ہے۔

حضرت شیخ المشائخ دامت برکاتہم کے مواعظ احسانیہ میں وہ تمام باتیں آجاتی ہیں جس کی

ایک مسلمان مرد وعورت کو ضرورت ہوتی ہے، بلکہ ایک انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت کی مجلس کا اولین مقصد بندے کو رب سبحانہ وتعالی سے جوڑنا ہے، اس کی محبت ومعرفت اور اس کے احکامات کی بھی اس طرح تشریح وترغیب دینا ہے کہ بندوں کے دلوں میں محبت الٰہی کے ساتھ اس کے احکام کی بھی عظمت بیٹھ جاتی ہے، کہیں کہیں احکامات کی حکمت، مصلحت، شریعت کے اسرار ورموز اور مقاصد شریعت کو اس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں کہ سارے مجمع (اکثر بڑے علماء کرام ہی ہوتے ہیں) کے دل میں عجیب سرور وانبساط نظر آتا ہے، بلکہ عام مجلسی حضرات بھی اس کو سمجھ کر اشک بار ہو جاتے ہیں۔

الحمدللہ تعالی حضرت کے مواعظ کی تعداد سینکڑوں، بلکہ ہزاروں میں ہے، دارالعلوم کنتھاریہ، اور بیت الاذکار، وصی آباد، الٰہ آباد کے مواعظ کے علاوہ ہند وبیرون ہند کے کئی ممالک میں آپ کے دعوتی اسفار ہوئے- اور احباب کے پاس وہ ریکارڈ میں محفوظ ہے، اور ''الافاضات الاحسانیہ'' کی دو جلدیں چھپ کر آچکی ہیں- بندے نے حضرت کے پچاس مواعظ لکھ کر تیار کئے ہیں جو پروف ریڈنگ کے مرحلے سے گزر رہے ہیں، اور بھی دوسرے حضرات نے مواعظ کو لکھوا کر محفوظ کرنے کی کوششیں کی ہے۔

مواعظ لکھتے وقت بار بار یہ احساس ہوا کہ ان مواعظ کو تو ان شاء اللہ تعالی مکمل چھپوانا ہے، لیکن حضرت کے مواعظ میں قریب ۲۰ / فیصد باتیں شرعی حکمتوں، مصلحتوں، اسرار ورموز، محاسن اسلام، دین پر مکمل اعتماد اور شرعی احکامات کو آیت قرآنیہ ''**قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة انا ومن اتبعني**'' کے انداز میں پیش کرتے ہوئے حسی مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کا سادہ انداز ہوتا ہے، لیکن جب مصالح شرعیہ اور مقاصد شریعت کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں (چونکہ یہ میرا خصوصی تدریسی موضوع ہے) تب یہ احساس ہوتا ہے کہ حضرت جو باتیں سادہ انداز میں مثالوں کے ذریعہ بیان کرتے ہیں، وہ تو امام غزالیؒ نے ''**المستصفی**'' اور ''**شفاء الغليل**'' میں، علامہ عزالدین ابن عبدالسلامؒ نے ''**قواعد الاحکام**'' میں، علامہ

ابو اسحاق شاطبیؒ نے ''**الموافقات**'' اور ''**الاعتصام**''میں، امام رازیؒ نے ''**المحصول**'' میں، ملا محب اللہؒ نے ''**مسلم الثبوت**''میں، علامہ ابن تیمیہؒ نے ''**فتاوی**''اور ''**المسودہ**'' میں اور علامہ ابن قیمؒ نے ''**اعلام الموقعین**''میں، شاہ ولی اللہؒ نے ''**حجۃ اللہ البالغۃ**'' میں حضرت نانوتویؒ نے مختلف رسائل میں اور حضرت تھانویؒ کی مختلف تصنیفات ومواعظ خاص کر کے ''**المصالح العقلیۃ لاحکام النقلیۃ**'' وغیرہ میں مذکور ہیں۔

تو دل میں یہ بات آئی کہ حضرت کی حکمتِ شرعیہ والی باتوں کو علمائے مقاصد شریعت کے اصول وقواعد کی روشنی میں ذکر کیا جاوے، چنانچہ اس سلسلے میں دو سال پہلے ۲۹ / رمضان المبارک کو حضرت کے سامنے میں نے عرض کیا تو حضرت نے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے اس کی اجازت دی۔ محترم مولانا عبد اللہ بھائی سے بھی مشورہ ہوا۔

حضرت شیخ المشایخ کی حکمت شرعیہ والی باتیں مختلف بیانات میں پھیلی ہوئی ہیں، اس لئے جب تک ان کو تحریری شکل میں جمع نہ کیا جاوے یا مکمل سنا نہ جاوے ان کا پتہ ہی نہیں چلے گا، تو حضرت کے بچاس بیانات ضبط تحریر میں لائے گئے، ان میں سے کچھ چیزیں حکمت شرعیہ سے متعلق لی گئی، اسی عنوان کی باتیں ''**الافاضات الاحسانیہ**'' کی دو جلدوں سے اور خود بندے نے حضرت شیخ المشایخ کی مختلف مجالس میں جو باتیں سنی تھی اور اس کو موبائل میں ریکارڈ کر لیا تھا، اس کو سن کر اس میں سے بھی کچھ مضامین جمع کئے گئے ہیں۔

ضروری وضاحت

حضرت شیخ المشایخ کے مواعظ میں اصل بنیادی مضمون تو تعلق مع اللہ، تلاوت، ذکر اللہ، حصول تقویٰ، طلب معرفت، استغفار کی اہمیت، اصلاح نفس، اعتراف ذُنوب، ظاہر وباطن کی اصلاح، آداب محبت، رحمت خداوندی، اصلاح کے لئے بزرگوں کی صحبت کا ضروری ہونا، جنت وجہنم کے مضامین سے عبرت، اخلاق عالیہ کا کثرت سے ذکر، قرآن کریم کی عظمت، تزکیۂ نفس، تواضع وانکساری کی طرف توجہ اور کبر وغرور علوم معرفت سے محرومی کا ذریعہ،

صراط مستقیم کی راہ نمائی اور باطل نظریات کی بہترین انداز میں تردید، تصوف وسلوک میں داخل شدہ باطل چیزیں، بدعات وغیرہ اوران کی اصلاح کی طرف توجہ نہ ہونا، صاحب زادگی، خادمیت وغیرہ پر بہت وضاحت سے کلام (جو ہر ایک کا کام نہیں) داعیان حق کی خصلتیں، اضاعت صلوٰۃ واتباع شہوات، نفاق کی قباحت مختلف مواقع پر انبیائے کرام کی دعاؤں کا بار بار ذکر اوران سے عبرت وموعظت، حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام سے ذکر، موت ومابعد الموت کے مضامین کا تذکرہ؛ بلکہ دلائل سے اس کو شریعت محمدی کا خاصہ شمار کرنا، طاعات پر عمل اور معاصی سے اجتناب، آداب شرعیہ کا خصوصی لحاظ، استقامت وکرامت، اخلاق واعمال کی درستگی، معیت الٰہیہ کے اصول، اعمال صالحہ میں مسابقت، قرآن کریم کی تلاوت کی طرف کثرت سے رغبت بلکہ اہتمام، قرآن کریم کے فیوض و برکات اوراس کی اثر انگیزی کا کثرت سے ذکراور علمائے کرام کو قرآن کریم کے معانی میں غور وفکر کرنے کی دعوت وغیرہ مضامین ہی کا ذکر ہوتا ہے، حکمتِ شرعیہ اور مصلحت ومفسدہ کا ذکر تو ضمناً ہی آتا ہے۔

اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت کے مواعظ کے اصل بنیادی مقاصد تو احسان وتزکیہ ہی ہیں- جو سب کو معلوم ہی ہے- لیکن حضرت شیخ المشایخ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ علماء سلف وخلف کے اقوال واعمال کو خوب پڑھتے ہوئے اور حضرت شاہ وصی اللہؒ سے بہت کچھ سنے ہوئے ہیں، لہذا آپ کے مواعظ میں کثرت سے متقدمین ومتأخرین کے اقوال واحوال کا ذکر ہوتا ہے، اس کے ضمن میں علمائے مقاصد شریعت کا بھی کثرت سے ذکر ہوتا ہے، خاص کر کے علامہ ابواسحاقؒ ابراہیم بن موسیٰ لخمی غرناطی شاطبیؒ کی **''الموافقات''** اور **''الاعتصام''** کا ذکر ہوتا ہے، اس کے علاوہ علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے علوم کا بڑا حصہ حضرت کو خوب مستحضر رہتا ہے، جس کا اندازہ آپ کے مواعظ کے علاوہ مجھے مدرسۃ البنات ٹنکاریہ (بھروچ، گجرات) کے اس اجلاس میں خوب ہوا جس میں شیخ حرم آنے والے تھے وہ تو نہ آسکے؛ لیکن دہلی کے سعودی سفارت خانے کا ایک وفد آیا تھا، اور علمائے کرام وعوام الناس کا بہت بڑا مجمع حاضر تھا،

حضرت نے اس اجلاس میں حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ کی کتابوں کی عربی عبارتیں زبانی پیش فرمائی، میں خود حیرت میں تھا کہ یہ عبارتیں اتنی کثیر تعداد میں حضرت نے کئی سال پہلے دیکھی ہوگی اور اس مجلس میں اس کو سنانا اور خاص کر کے عرب علماء کو یہ بتانا کہ علمائے دیو بند جس احسان وتزکیہ کے امین ہیں، اس کو حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ بھی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

میں نے اس مقالے میں خاص طور پر علامہ شاطبیؒ کی کتاب ''**الموافقات**'' اور ضمناً دوسرے حضرات کے تحریر کردہ قواعد مقاصد کی روشنی میں حضرت شیخ المشائخ کے مواعظ کا موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے، حضرت نے عوام الناس کا خیال کرتے ہوئے بظاہر قواعدِ مقاصد یہ کا صراحۃ ذکر نہیں کیا ہے، لیکن کچھ مقامات پر صراحۃ بھی موافقات کے حوالے آئے ہیں، احسان وتزکیہ کے مواعظ میں خانقاہوں میں حکمت شرعیہ کا ذکر نہیں ہوتا ہے، اصلاحی باتیں ہی بیان کی جاتی ہے۔

لیکن شاہ ولی اللہؒ نے جیسے یہ سمجھا کہ آنے والا دور عقلی و منطقی ہوگا تو حجۃ اللہ البالغہ میں شریعت کے اسرار ورموز ذکر کئے، حضرت نے بھی یہ مناسب سمجھا کہ آج کے مادیت والحادوالے دور میں شریعتِ محمدیہ کو حکمت شرعیہ کی روشنی میں سمجھایا جاوے، کیونکہ حضرت کی مجلس میں آنے والا ایک بڑا طبقہ اہل علم کے ساتھ دنیوی تعلیم یافتہ ہوتا ہے، دوسری طرف دین وشریعت کے خلاف لکھنے والے اخبارات اور میڈیا کے بہت سے ذرائع کے ذریعہ امت کے نوجوان طبقے کو متأثر کیا جارہا ہے، تو ہمیں بھی شریعت مطہرہ کو حکمت کے ذریعہ ان کے قلوب ودماغوں تک پہنچانا ہے، ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ - وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا---

علمائے مقاصد شریعت نے جن اصول وقواعد کو مقاصد شریعت کے عنوان سے ذکر کیا ہے، ان کا اجمالی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

(۱) حکمت، مصلحت، مناسبت، مقاصد وغیرہ کی لغوی واصطلاحی تعریف اور ان سب کا آپس میں ربط۔

(۲) شرعی مصلحتوں کے مآخذ، عقل کا مقام، معلل بالاغراض کی بحث۔ امام رازی اور امام شاطبی کا اختلاف۔

(۳) مقاصد ومصالح کا قرآن وحدیث سے ربط، مقاصد کی اہمیت وفوائد، مصالح مرسلہ کی حقیقت وثبوت۔

(۴) مقاصدی قواعد کا مجموعہ امام شاطبی اور شیخ محمد ابن عاشور کے ذکر کردہ قواعد مقصدیہ۔

(۵) مقاصدی قواعد کی موضوع کے اعتبار سے مختلف تقسیمات، مقاصد خمسہ کا اجمالی تذکرہ۔

(۶) مقاصد ضروریہ، حاجیہ اور تحسینیہ کی تعریفات وقواعد اور مثالیں۔

(۷) نصوص کے ظاہری الفاظ اور معانی کی رعایت۔ ظاہریہ اور باطنیہ کے افراط وتفریط کے غلط اثرات۔

(۸) عبادات وعادات کے احکام ومقاصد میں فرق۔ عبادات کی جزئی حکمتوں کی بحث۔

(۹) مشقت معتادہ وغیر معتادہ کی مثالیں، احکام، مقاصد۔

(۱۰) قصد عبد وقصد شارع، نیتوں کی مختلف حیثیتیں اور فرق، ریاکاری کے عمل کے شروع میں، درمیان میں یا آخر میں ہونے کے اعتبار سے احکام میں فرق۔

(۱۱) افعال کے مآل کا اعتبار کرنے والے مقاصد کا ذکر دلائل وقواعد کی روشنی میں۔

(۱۲) عزیمت ورخصت، تتبع رخص وہوائے نفسانی کے مضر اثرات۔

حضرت شیخ المشائخ نے ان میں سے اکثر کے متعلق بحث اپنے مواعظ احسانیہ میں فرمائی ہے، لیکن عامۃ سادہ انداز میں ہی سمجھایا ہے، قواعد ومقاصد کی اصطلاحات کا کبھی کبھار ہی ذکر کرتے ہیں۔

(۱) چنانچہ حضرت شیخ المشائخ نے حکمت ومقصد کے بارے میں اپنے مختلف مواعظ ونجی مجلسوں میں بہت اچھے انداز سے کلام فرمایا ہے، میں نے ان میں سے اکثر کو ذکر کیا ہے؛

تاکہ علمائے مقاصد کے اصطلاحی مفاہیم کے مقابلے میں حضرت کے سادہ انداز میں اس کو سمجھا جاوے۔اسی طرح دین کے آسان وسہل ہونے اور مصالح ومقاصد کی رعایت کرنے والا ہونے کو بہت سے مقامات پر مواعظ میں ذکر کیا ہے، ایسے سولہ مقامات کو میں نے حضرت شیخ المشائخ کے مواعظ سے بطور مثال پیش کیا ہے۔

(۲) حضرت شیخ المشائخ نے ضرورت، حاجت اور تحسینیات کے سلسلے میں بھی بہت سے مواعظ میں ذکر کیا، لیکن ضروری امور کو مقدم کیا اور تحسینیات جو تصوف واحسان کی روح ہے، اس کو بھی بہت اچھی طرح ذکر فرمایا ہے اور اس کا بھی اہتمام کرنے کی طرف رغبت دلائی، لیکن اس کو ضرورت کے درجے سے کم رکھا، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کو فجر کی سنتوں میں پڑھنے کا ذکر کرتے ہوئے بہت ہی جچا تلا جملہ فرمایا کہ اس کا اہتمام ہونا چاہئے، التزام تو نہ ہو، یہ ایک فقیہ النفس، ماہر شریعت کی زبان سے ہی نکل سکتا ہے۔

(۳) تعبدی امور (عبادات وغیرہ کے جزئیات) میں حکمت ومصلحت تلاش کی جائے یا نہیں اس میں علماء کے مختلف نظریات ہیں، آگے اس پر تفصیلی کلام آرہا ہے، اور یہ بات بھی ذکر کی جائے گی کہ تعبدی امور میں تعبد کا پہلو ہی غالب ہوگا، حضرت شیخ المشائخ نے بھی ''اولہ رحمۃ'' کے ضمن میں اسی کو واضح کیا ہے، اگرچہ تیمم کی حکمت کے ضمن میں امام شاطبی، ابن عاشور اور حضرت تھانویؒ نے حکمت ذکر کرتے ہوئے کچھ وضاحت فرمائی ہے، اور حضرت شیخ المشائخ نے بھی تیمم کی بحث ذکر کرتے ہوئے تعبدی امور ہوتے ہوئے بھی حکمت کو ذکر فرمایا۔

(۴) حضرت شیخ المشائخ کے مختلف بیانات میں ان تمام مقاصد (مقاصد خمسہ) پر گفتگو ہوئی ہے، نکاح وحج پر مستقل رسالہ اور مالیات پر مستقل ایک وعظ اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ کا رسالہ بھی مجلس میں پڑھا جاتا ہے۔

(۵) نصوص کی عبارات کے صرف الفاظ کی رعایت کرنے سے ظاہریہ مطعون ہوا، تو ہر لفظ کی صرف باطنی معنیٰ مراد لینے سے باطنیہ موردالزام ٹھہرے، جب کہ اہل سنت والجماعت کے

علماء نے نصوص کے حقیقی ومجازی معانی کالحاظ کیا تو جادۂ استقامت پر برقرار رہے۔

حضرت شیخ المشائخ علمائے ظاہر و باطن دونوں کو اعتدال کی تعلیم دے رہے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنے کی ترغیب فرما رہے ہیں۔

(۶) مشقت کے سلسلے میں حضرت شیخ المشائخ نے بہت تفصیل سے مواعظ میں ذکر کیا ہے، اور مشقت معتادہ کو مثالوں سے سمجھایا ہے اور خود وظائف میں بھی اس کا لحاظ کرتے ہوئے لوگوں کو مختصر وظائف بتائے اور بھی دوسرے احکام میں مشقت اور سستی کا فرق بیان کرتے ہوئے بزرگوں کے واقعات بھی ذکر فرمائے۔

(۷) حضرت شیخ المشائخ نے نیت کی درستگی کے سلسلے میں کئی بیانات میں اخلاص کی تلقین کی ہے، اور ریاکاری، نام ونمود سے بچنے کی تلقین کی ہے، اسی طرح نجی مجلسوں میں جب لوگ نیتوں کے متعلق سوالات کرتے ہیں تو آپ مختلف اعتبارات کا لحاظ فرما کر جواب دیتے ہیں، مقاصد شرعیہ کی اس بحث (قصد عبد کا قصد شارع کے مطابق ہونا) کا تعلق تصوف واحسان سے بہت زیادہ ہے۔

(۸) رخصت وعزیمت اور تتبع رخص واتباع ہویٰ پر کلام کرتے ہوئے شیخ المشائخ نے حضرت داود علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے، مفسرین کے نزدیک یہ مشکل مقامات میں سے ہے، اسی لئے حضرت تھانویؒ نے بہت وضاحت کے ساتھ اس بحث کو ذکر کیا، حضرت شیخ المشائخ نے اس بحث کو انتہائی آسان انداز میں ذکر فرما کر عوام کو اس میں الجھنے سے بچا لیا۔ میں نے اس مضمون کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی وضاحت اور دلائل کو بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی صاحب نے بیان القرآن کے مقدمہ میں اس مقام کی تشریح کرتے ہوئے دیگر مفسرین کے مقابلے حضرت تھانویؒ کی عبارت کو اقرب الی النص قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ المشائخ نے بھی ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾ کے لفظ کو بنیاد بنا کر نص سے ہی استدلال فرمایا اور ﴿وَظَنَّ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ﴾ کی ایسی تفسیر فرمائی کہ کوئی اشکال باقی نہیں رہا، اور ﴿وَلَا تَتَّبِعِ

الْھَوٰی﴾ سے حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں غلط اسرائیلی روایات کا بھی سدباب فرمایا۔

نوٹ:

(۱) حضرت کے جو مضامین میں بطور حکمت ومصلحت نقل کروں گا وہ آپ کے مواعظ کا ایک درمیان کا حصہ ہوگا، اس کا سیاق وسباق چھوڑ کر میں نے وہ مضمون لیا ہے، لہذا کسی کو اگر کوئی خلجان ہوتو وہ مکمل بیان پڑھنے پر دور ہوجائے گا؛ ان شاء اللہ تعالی۔

(۲) یہ بھی یاد رکھا جائے کہ حضرت شیخ المشائخ کی عبارت کو واضح کرنے کے لئے بندہ نے دوسرا رسم الخط اپنایا ہے؛ تاکہ خلط مبحث نہ ہو۔

(۳) حضرت کے ہزاروں مواعظ میں سے صرف ۱۵۰ کے قریب بیانات کا مطالعہ کر کے یہ مقالہ تحریر کیا ہے۔ مقاصد کے بہت سے قواعد واصول اور ان کی مثالیں دوسرے بیانات میں مل جائے گی، ان سب کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے مقاصد شرعیہ کو تفصیل سے لکھا ہے جو ان شاء اللہ بعد کی طباعت میں بڑھایا جاسکتا ہے۔

تھانوی علوم کو گجرات میں پہنچانے کی دعوت:

حضرت شیخ المشائخ فرماتے ہیں کہ......

میں جب گجرات میں گیا ہوں، ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا تھا، مولانا ابرار صاحب دھلیویؒ نے کہا تھا کہ گجرات کے لوگ بزرگوں کو لائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، حضرت مولانا تھانویؒ کے علوم گجرات میں پہنچانے کے لئے تم کو تجویز کیا، باقاعدہ انہوں نے سفر کیا بمبئی گئے اور کہا مجھ سے، کیا تم کو گجرات والوں نے خانقاہ میں بلایا؟ میں نے کہا: ہاں! کہا کیا ہوا؟ میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا، اس کے بعد فوراً یہ کہا کہ اللہ کی طرف سے تم تجویز ہوئے ہو کہ تم حضرت تھانویؒ کے علوم کو گجرات میں پہنچاؤ، تو میں پہنچاتا ہوں کہ نہیں؟ میں آیا تو مولانا ابرار الحق صاحب نے کہا: خانقاہ کیسے چلاتے ہیں؟ فوراً پوچھا، میں

نے کہا جس طرح آپ چلاتے ہیں، اسی طرح ہم بھی چلاتے ہیں، اب خلاصہ کے طور پر بیان کیا کہ کثرت ذکر مع حسن خلق یہ بنیاد ہے، ذکر کی کثرت ہو اللہ کے ذکر کی یا اخلاق اچھے ہوں، اس کے اندر عجب پیدا نہ ہو، ریاکاری نہ ہو، کبر نہ پیدا ہو۔ بہت خوش ہوئے مولانا اور کہا لکھ دیجئے یہ سب خانقاہ اس کے لئے ہے کہ قلوب کی اصلاح ہو، رسوم سے نکلو، حضرت شاہ وصی اللہؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے رسوم کی کوئی وقعت نہیں، حقائق پیدا کرو، اللہ سے نسبت تعلق ہو، یہ ہے خانقاہ اور یہ ہمارے بزرگوں کا مسلک ہے۔

اب تو ہمارے بزرگوں کی تعلیمات کا تو خاص طور سے وجود بھی نہیں ہے، نام بھی نہیں ہے، علماء کو کوئی توجہ نہیں مشائخ کو کوئی توجہ نہیں، حضرت تھانویؒ نے کہا، میں نے آداب المعاشرت اس لئے لکھا ہے کہ اخلاق کی طرف کوئی توجہ ہے بھی، آداب کی طرف تو مشائخ کی بھی توجہ نہیں ہے، اب وہی کہہ سکتے ہیں کچھ نہیں ہے، جس کو چاہے کہہ دیا، جو چاہے کر دیا۔

ابھی تھانہ بھون میں گیا تھا، وہاں مجھ کو سرپرست بنا لیا مولانا تھانوی کے مدرسہ کا، میں نے وہاں بھی کہا کہ مدرسوں کو درست کرو اور ان جلسوں کو درست کرو، جلسوں کو صحیح طریقہ سے ادا کرو، صرف رسمی طور سے، جھنڈی اور بنڈی سے کام نہیں چلے گا، مدرسوں کو درست کرو، سمجھو کہ یہ طالب علم کی تربیت کی جگہ ہے، صرف یہ نہیں کہ تعلیم کے لئے بقول مولانا ابرار الحق صاحب کہ دار العلوم خالی دار العلوم نہیں بلکہ دار الاعمال بھی ہے۔

مشائخ لفظ پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کی لغوی تحقیق……

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ اپنے دور کے بے نظیر محقق تھے انہوں نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ بعض معروف ومروج غلط الفاظ کی اصلاح فرمائی ہے، انہوں نے جن غلط الفاظ کی اصلاح فرمائی

ہے ان میں ایک لفظ ''مشایخ'' ہے، یہ لفظ عام طور پر ہمزہ کے ساتھ ''مشائخ'' لکھنے کا رواج ہو گیا ہے، شیخ نے بلادِ ہند کی قدیم مطبوعہ کتب اور بعض عرب ممالک کی مطبوعات میں لفظ مشایخ ہمزہ کے ساتھ طبع شدہ ملاحظہ کیا تو اس لفظ کی تصحیح و تحقیق کے لیے اپنی کتاب ''الرفع والتکمیل'' کے حاشیے میں دو صفحے وقف کر دیے۔

اخیر میں بطور لطیفہ رقم فرمایا:

ومن اللطائف ما قلته لبعض العلماء في الهند حين زرتها: اذا قيل لي: لما ذا جئت إلى الهند؟ فالجواب: جئت لأقول: لا تهمزوا (المشايخ) فإن (همز) المشايخ لا يجوز. (الرفع والتکمیل، ص:۴۸)

یعنی من جملہ لطائف کے ایک لطیفہ جو میں نے سفر ہند کے دوران بعض علما کے سامنے بیان کیا، وہ یہ ہے:

اگر مجھ سے کہا جائے کہ آپ ہندوستان کیوں تشریف لائیں؟ تو میں اس کا جواب دوں گا: ''میں اس لیے ہندوستان حاضر ہوا تا کہ یہ بتلاؤں کہ آپ حضرات لفظ مشایخ کو 'یاء' کی جگہ ہمزہ سے نہ لکھو (یعنی مشائخ لکھنا غلط ہے) اس لیے کہ مشایخ کو مہموز کرنا (عیب لگانا اور ہمزہ لگانا) جائز نہیں''۔

چنانچہ شیخ ابوغدہ کی اسی تحقیق پر عمل کرتے ہوئے ہم نے اس لفظ کو زیر نظر کتاب میں اسی طرح لکھنے کی کوشش کی ہے۔

(شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی، شامی، حنفیؒ حیات-خدمات، ص:۲۸۰، ۲۸۱)

امتنان وتشکر:

سب سے پہلے میں حضرت شیخ المشایخ مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس موضوع پر لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مولانا ذاکر صاحب پارکھیتی کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے تدریس اور مطالعہ کے

ساتھ ساتھ بہت سے صفحات کی کتابت کے مراحل آسان کر دیئے، وہ کمپیوٹر کے مختلف پروگرام اور کتابت سے متعلق مختلف ایپ کی جستجو میں رہتے ہیں، اور کمپیوٹر کے ضروری پروگرام سے اپ ڈیٹ رہتے ہیں، ان میں تلاش وجستجو کا عمدہ ملکہ ہے، اللہ تعالی انہیں مزید ترقیات سے نوازے اور علم وعمل میں برکت نصیب فرمائے۔

مولانا عبدالرشید صاحب منوبری بھی میرا علمی تعاون کرتے ہی رہتے ہیں، اس وقت ادارے میں اساتذۂ کرام آن لائن تدریس میں مصروف ہیں، مولانا سے بھی کچھ کتابیں متعلق ہے، اس کی تدریس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس رسالہ کے پروف ریڈنگ کا مرحلہ آسان کر دیا، اللہ پاک انہیں علم نافع نصیب فرمائیں اور عمل کی توفیق بخشے۔

مولانا یوسف صاحب سندراوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ ہر اردو عربی کتاب کے کمپوز میں معاونت فرماتے ہیں، اور وقت مقررہ پر کام پورا کرنے کی سعی کرتے ہیں، انہوں نے بھی اس رسالہ کے بہت سے صفحات کم وقت میں تحریر کئے اور کام آسان کر دیا، اللہ پاک انہیں علم وعمل میں برکت دے۔

از: (حضرت، مولانا) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (حفظہ اللہ)
شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا،
بھروچ، گجرات، پن: ۳۹۲۰۰۱

حکمت کے معنی

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾اس میں کتاب سے مراد کتاب اللہ ہے، اورالحکمۃ کا لفظ عربی لغت میں کئی معنی کے لئے آتا ہے،حق بات پر پہنچنا، عدل وانصاف، علم وحلم وغیرہ۔ (قاموس) امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ لفظ جب اللہ تعالی کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جائے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لئے جاتے ہیں، اور لفظ حکمت عربی زبان میں کئی معنی کے لئے بولا جاتا ہے، علم صحیح، نیک عمل، عدل وانصاف، قول صادق وغیرہ۔

(قاموس وراغب)

اس لئے دیکھنا ہے کہ اس آیت میں لفظ حکمت سے کیا مراد ہے، مفسرین صحابہ وتابعین جو معانی قرآن کی تشریح آنحضرت ﷺ سے سیکھ کر کرتے ہیں ، اس جگہ لفظ حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگر چہ ان کے الفاظ مختلف ہیں، لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے، یعنی سنت رسول اللہ ﷺ ، امام تفسیر ابن کثیرؒ وابن جریرؒ نے حضرت قتادہؒ سے یہی تفسیر نقل کی ہے، کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے اور کسی نے علم احکام شرعیہ کہا اور کسی نے کہا کہ ایسے احکامِ الٰہیہ کا علم جو رسول اللہ ﷺ کے ہی بیان سے معلوم ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان سب کا حاصل وہی حدیث وسنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۲۷۲)

الحکمة: حصول مصلحت اور اس کی تکمیل یا دفع فساد اور اس کی تقلیل کے لئے قانون سازی پر مرتب ہونے والے امر کو حکمت کہا جاتا ہے، اور کبھی حکمت کا اطلاق جزئی مقصد پر بھی ہوتا ہے، جیسے حیض والی عورت سے کنارہ کش ہو کر گندگی سے اجتناب کی حکمت، شئی معدوم کی

بیع سے منع کرنے کی حکمت، جہالت کی نفی اور مشتری سے دھوکہ ونقصان کو دور کرنا ہے، مخطوبہ (جس عورت کو پیغام نکاح دیا گیا ہو) کے چہرہ کو دیکھنے کی حکمت الفت کا پیدا ہونا اور معاشرتی زندگی میں استحکام، نیز نجاح وفلاح کے حصول وضمانت کے لئے راحت حاصل ہونا ہے۔

جس طرح حکمت کا اطلاق کلی مقصد یا اجمالی مصلحت کے لئے ہوتا ہے جیسے حفاظتِ نفس کی مصلحت، آسانی کا حصول، دشواری کا ازالہ، اللہ کی عبادت کو دل میں جمانا اور اس کے حکم کی تعمیل کرنا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے اور شریعتوں کو نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور شیاطین کے مکر سے بچا جائے اور ہم اس حکمت سے تمام عام مصالح اور کلی مقاصد مراد لیتے ہیں۔

جو کچھ ذکر ہوا اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکمت اور مقاصد اکثر حالات میں اپنے اطلاق اور تعبیر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مترادف اور مماثل ہیں۔ (مقاصد شریعت کے قواعد:۷۶-۷۷)

معنی حکمت اور خوش فہمی کا سلیقہ یہ ہے کہ بات میں سے بات نکال لیں، اصل سے فرع کا حکم سمجھ لیں، ایک نظیر کو دوسری نظیر پر برعایتِ اصولِ صحیحہ قیاس کرلیں، جس کو اصطلاح میں اجتہاد اور تفقہ کہتے ہیں، چنانچہ اتباع محمدیہ میں بہت سے اکابر اس صفت سے ممتاز ہوئے اور ان کی برکت سے آج عامۂ مسلمین دین میں منتفع ہورہے ہیں۔ (بیان القرآن:ص:۸۲)

علامہ آلوسیؒ ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ﴾ أخرج ابن جرير، وغيره عن ابن عباس أنها المعرفة بالقرن؛ ناسخه ومنسوخه، ومتشابهه ومحكمه، ومقدمه ومؤخره، وحلاله وحرامه، وأمثاله، وفي رواية عنه: الفقه في القرآن، ومثله عن قتادة، والضحاك، وخلق كثير، وما روى ابن المنذر عن ابن عباس: أنها النبوة يمكن أن يحمل على هذا، لما أخرج البيهقي عن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ''مَن قَرأَ ثُلُثَ القُرآنِ أُعطِيَ ثُلُثَ النبوةِ، ومَنْ قَرَأَ نِصفَ القُرآنِ أُعطِيَ نِصفَ

النبوة، ومَنْ قرأَ ثُلُثَيهِ أُعطِيَ ثُلُثَيْ النبوةِ، ومَنْ قرأَ القُرآن كلّ أُعطِيَ كلّه النّبوةِ، ويُقالُ لَهُ يومَ القِيامَة اقرأ وارقَ بكلِّ آيةٍ درجةً حتَى يُنجزَ ما مَعَهُ مِنَ القُرآنِ، فيُقَال لَهُ اقبِضْ فيقبضَ، فيقالُ له: هَلْ تدري ما في يديك؟ فإذا في يدهِ اليُمْنَى الخُلْدُ، وفي الأخرى النعيم". وليس المراد من القراءة في هذا الخبر مجردها، إذ ذلك مما يشترك فيه البر والفاجر، ولكن المراد قراءة بفقه، ويؤيد ذلک ما أخرجه ابن أبي حاتم عن أبي حاتم عن أبي الدرداء: الحكمة قراءة القرآن والفكرة فيه. وعن مجاهد أنها الإصابة في القول والعمل، وفي رواية عنه أنها القرآن والعلم والفقه، وفي أخرى العلم الذي تعظم منفعته وتجل فائدته، وعن عطاء أنها المعرفة بالله تعالى، وقال أبو عثمان: هي نور يفرق به بين الوسواس والإلهام، وقيل: غير ذلك، وفي البحر أن فيها تسعة وعشرين قولاً لأهل العلم؛ قريب بعضها من بعض، وعد بعضهم الأكثر منها اصطلاحاً واقتصاراً على ما رآه القائل فردًا مهماً من الحكمة وإلا فهي في الأصل مصدر من الأحكام، وهو الإتقان في علم أو عمل أو قول أو فيها كلها، وعن مقاتل أنها فسرت في القرآن بأربعة أوجه فتارة بمواعظ القرآن، وأخرى بما فيه من عجائب الأسرار، ومرة بالعلم والفهم وأخرى بالنبوة.

أخرج الطبراني عن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: "إنّ لُقْمَانَ قَالَ لابنهِ: يا بُنيَ عَلَيْك بمجالسةِ العُلماءِ واسمَعْ كلَامَ الحُكَمَاءِ، فإنَ الله تعالى يُحييَ القَلْبَ الميتَ بنورِ الحِكْمَةِ كَمَا يُحييَ الأَرْضَ الميتة بِوَابِلِ المَطَرِ"۔ وأخرج البخاري، ومسلم عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لَا حَسَدَ إلا في اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتاهُ الله تعالى مَالًا فسلَطَهُ علَى هَلَكتهِ في الحقِّ، ورجُلٌ آتاهُ الله تعالى الحكمة فهو يَقْضَي بهَا ويُعَلِّمها". وأخرج الطبراني عن أبي موسى قال: قال رسول الله ﷺ: "يَبْعَثُ الله تعالى العبادَ يومَ القِيَامةِ ثمّ يميزُ العلماءَ، فيقولُ: يا مَعْشَرَ

العلماءِ إني لَمْ أَضَعْ فيكم عِلمي لأعذّبكُم، إذْهَبُوا فقَدْ غَفَرْتُ لكُمْ''. وفي رواية عن ثعلبة بن الحكم أنه سبحانه يقول: ''إني لم أجعل علمي وحكمي فيكم إلا وأنا أريد أن أغفر لكم على ما كان منكم ولا أبالي''. وهذا بالنسبة إلى حملة العلم الشرعي الذي جاء به حكيم الأنبياء ونبي الحكماء حضرة خاتم الرسالة، ومحدد جهات العدالة والبسالة ﷺ. لا ما ذهب إليه جالينوس، وديمقراطيس، وأفلاطون، وإرسطاليس ومن مشى على آثارهم، واعتكف في رواق أفكارهم، فإن الجهل أولى بكثير مما ذهبوا إليه، وأسلم بمراتب مما عولوا عليه حتى إن كثيراً من العلماء نهوا عن النظر في كتبهم.

﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (سورة البقرة:۲۶۹): أي ما يتعظ أو ما يتفكر في الآيات إلا ذوو العقول الخالصة عن شوائب الوهم، وظلم اتباع الهوى، وهؤلاء هم الذين أوتوا الحكمة، ولإظهار الأعتناء بمدحهم بهذه الصفة أقيم الظاهر مقام المضمر، والجملة إما حال أو اعتراض تذييلي. (روح المعاني: البقرة: ۲۶۹، ص: ۶۸-۶۶، ج: ۲)

معلل بالاغراض کی بحث:

باری تعالی کے افعال معلل بالاغراض ہیں یا نہیں، اوران مقاصد ومصالح پر زور دینے میں خداوند قدوس کی ذاتِ عالی کی طرف نقص کا انتساب تولازم نہیں آئے گا؟ تو یہ بحث اصول فقہ کی نہیں؛ علم کلام کی ہے۔ امام رازیؒ نے گوکہ یہ دعوی کیا ہے کہ باری تعالی کے احکام بھی اسی طرح ''معلل بالعلۃ'' نہیں ہیں جس طرح کہ اس کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں؟ لیکن ان کی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے اور جیسا کہ محقق ابن الہمامؒ نے لکھا ہے کہ اکثر فقہاء متأخرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالی کے احکام میں بندوں کے مصالح کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ (التحریر: ۳/۳۰۶)

اشاعرہ اور ارباب ظواہر اگرچہ اس کے قائل ہیں کہ باری تعالی ایسا حکم دے سکتا ہے جس کی کوئی مصلحت نہ ہو، لیکن وہ بھی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عملاً جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں مصلحت پائی جاتی ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ میں سے جو لوگ مصالح کو ہی احکام کی علت قرار دیتے ہیں، وہ اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ علت سے مراد حکم کی علامت ہے، ایسی علت نہیں جو خدا کو اس پر ابھارنے والی ہو کہ وہ یہی حکم دے، دوسرا نہ دے۔

جن حضرات نے مصالح کو ہی علت قرار دیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے حق میں رحیم ہے، وہ شر و فساد کو دور کرتا اور بندوں کی راحت کے لئے حرج اور تنگی کے اسباب کو ختم کرتا ہے، اس لئے اس کا حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ بات زیبا نہیں ہے کہ خدا کے اوپر کوئی بات لازم و واجب کی جائے، اسی طرح یہ بات بھی نامناسب ہے کہ اس کے فعل کو بے مقصد اور عبث قرار دیا جائے، چنانچہ معتزلہ اور ارباب ظواہر دونوں ہی افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں اور صحیح نقطۂ نظر وہی ہے جس کی تائید محقق ابن الہمامؒ اور دوسرے فقہاء نے کی ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ باری تعالی کے افعال کو معلل بالاغراض کے بجائے معلل بالغایات کہنا چاہیئے۔ (فیض الباری کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کی ترجمانی ان لفظوں میں کی گئی ہے): **"ذكر الشيخ ابن الهمام في التحرير: ان الفقهاء والمحدثين اجمعوا على أن أفعاله تعالى معللة بالاغراض ولا دخل فيه للإستكمال فان كماليته هي التي إستوجبت أن ترتب على أفعاله تلك الأغراض، فذاته تعالى لا تخلو في مرتبة من المراتب على الكمال، والصفات من فروع الذات، كما يقول ابن الهمام، وهو تعبير بديع، والانسب عندى ان تترك لفظ الأغراض، وان أفعاله تعالى معللة بالغايات"**. (فیض الباری: ۱/ ۵۶)۔ اور یہاں ہماری گفتگو کا محور تکوینی افعال نہیں، بلکہ تشریعی احکام ہیں۔

بہر صورت لفظی نزاع خواہ جو بھی قائم کیا جائے، لیکن نصوص کی تعلیل ایک امر واقع ہے اور قیاس کے تمام تر مباحث اسی پر قائم ہیں، اسی لئے علماء متاخرین نے تعلیل الاحکام کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شلبی کی کتاب **''تعلیل الاحکام''** قابل ذکر ہے۔ انہوں نے بھی ماتریدیہ کی رائے کو اس بارے میں معتدل اور افراط وتفریط سے پاک قرار دیا ہے۔ (مقاصد شریعت تعارف وتطبیق: ص/ ۱۳۲)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنی کتاب **''المصالح العقلیه للاحکام النقلیه''** (نقلی احکام کی عقلی مصلحتیں) میں لکھتے ہیں:

بعد الحمد والصلوٰہ یہ احقر مدعا نگار ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں، جن کے بعد اُن کے امتثال اور قبول کرنے میں اُن میں کسی مصلحت وحکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا (کہ بغیر حکمت معلوم ہوئے نہ عمل ہو نہ قبول کیا جائے) بالیقین حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے، جس طرح دنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ واسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اس معلوم نہ ہونے کے سبب اُن قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کردے کہ بدون وجہ معلوم کئے ہوئے میں اس کو نہیں مان سکتا، تو کیا اس کے باغی ہونے میں کوئی عاقل شبہ کرسکتا ہے؟ تو کیا احکام شرعیہ کا مالک ان سلاطین دنیا سے بھی کم ہوگیا؟ غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں؛ لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی اُن احکام میں بہت سے مصالح (کیونکہ خدا تعالیٰ حکیم بھی ہیں اور شفقت والے بھی، اس لیے حکمت ومصلحت کا ہی حکم ہوگا) اور اسرار بھی ہیں اور گو مدار ثبوت احکام کا اُن پر نہ ہو جیسا اوپر مذکور ہوا، لیکن ان میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لئے ان کا معلوم ہوجانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لیے ایک درجہ معین ضرور ہے، گو اہل یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں؛ لیکن بعض ضعفاء کے لیے تسلی بخش وقوت بخش بھی ہے۔ (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے) اسی راز کے سبب بہت سے اکابر

وعلماء مثل امام غزالی، وخطابی اور ابن عبد السلام وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے لطائف ومعانیٔ مذکور بھی پائے جاتے ہیں، چونکہ ہمارے زمانہ میں تعلیم جدید کے اثر سے جوآزادی طبائع میں آگئی ہے، اس سے بہت سے لوگوں میں ان مصالح کی تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہوگیا ہے اور گو اس کا اصل علاج تو یہی تھا کہ اُن کو اس سے روکا جائے (چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مُضر بھی ہوتا ہے) لیکن تجربہ سے اس میں باستثناء طالبین صادقین کے عام لوگوں کو اس سے روکنے کے مشورے دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی؛ اس لیے تسہیلا للطامہ وتیسرًا علی العام بعض اہل علم بھی جستہ جستہ اس میں تحریر وتقریر کرنے لگے ہیں اور اگر ان تقریرات وتحریرات میں حدودِ شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی تو ان کو کافی سمجھ کر کسی نے مجموعہ کی ضرورت نہ ہوتی، مگر علوم حقہ واتباع علوم حقہ کی قلت اور آراء فاسدہ اور اتباع ہَوائے مختلفہ کی کثرت کے سبب بکثرت ان میں تجاوز عن الحدود سے کام لیا گیا ہے، چنانچہ اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب - جس کو صاحبِ قلم نے لکھا ہے مگر علم وعمل کی کمی کے سبب تمام تر رطب ویابس وغث وسمین سے پُر ہے، ایک دوست کی بھیجی ہوئی - میرے پاس دیکھنے کی غرض سے آئی ہوئی رکھی ہے، اُس کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا تو عامہ کو مُضر ہے، مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدون اس کے کہ اس کا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جاوے؛ اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن القدرة ہے، اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا جو ان مفاسد سے مبرّا ہو، ایسے لوگوں کے لیے مہیا کیا جاوے؛ تاکہ اگر کسی کو ایسا شوق ہو تو وہ اس کو دیکھ لیا کریں کہ اگر مورث منافع نہ ہوگا تو دافع مضار تو ہوگا، البتہ جس طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہی کی عظمت ووقعت کم ہوجائے یا وہ ان کو مدار احکام سمجھنے لگے کہ ان کے انتفاء سے احکام کو منتفی اعتقاد کرے یا اُن کو مقصود بالذات سمجھ کر دوسرے طریق سے اُن کی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرار دے دے، جیسا کہ اوپر بھی ان مضار کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی گیا ہے "چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مُضر بھی ہوتا ہے"، سو ایسے

طبائع والوں کو ہرگز اس کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہے۔

بہرحال وہ ذخیرہ یہی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے، احقر نے غایت بے تعصّبی سے اس میں بہت سے مضامین کتاب مذکور بالا بھی - جو کہ موصوف بصحت تھے - لے لیے ہیں اور اس میں احکام مشہورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں، مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں، نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے، محض ایک نمونہ ہے، اس مبحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں، سُنا ہے کہ ترجمہ اُس کا بھی ہو چکا ہے، مگر عوام کو اس کا مطالعہ مناسب نہیں کہ غامض زیادہ ہے اور اس ہمارے زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی علی المدرس بالمدرسۃ الخذیویہ نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ''اسرار الشریعہ'' ہے اور جو ۱۳۲۸ھ میں مصر کے مطبع الواعظ میں چھپی ہے اور اس کے قبل ایک رسالہ حمیدیہ شائع ہو چکا ہے، مگر یہ دونوں نئی کتابیں عربی زبان میں ہیں، جن میں سے حمیدیہ کا ترجمہ اُردو کئی سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور اس دوسری کتاب اسرار الشریعہ کا ترجمہ کاندھلہ میں مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب کر رہے ہیں، میرے اس مجموعہ کے ساتھ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا معلومات میں ترقی دے گا اور چونکہ طرز ہر ایک کا جدا ہے اس لئے ایک کو دوسرے سے مغنی نہ سمجھا گیا میں نے ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مصلحت سے بھی کیا ہے اور اس لیے بھی کہ میرے اس عمل کو تفرد نہ سمجھا جاوے اور اس تفرد کے شُبہ کو صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے بھی خطبہ میں اس کی اصل کو کتاب وسنت کے اشارات واضحہ سے نکال کر رفع فرمایا ہے اور بطور مثال کے اس کے بعض بعض ماخذ کو بھی بیان فرمایا ہے، اور نام اس کا **المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ** رکھتا ہوں؛ حق تعالی اس کو اس کے موضوع میں نافع اور ترددات وشکوک فی الاحکام کا دافع فرما دے۔ والسلام۔۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ، یکم رجب یوم الخمیس ۱۳۲۴ھ

عقل کا مقام

تمام فقہی مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کا مقصد مصالح کو بروئے کار لانا ہے، لیکن مذاہب میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ مصلحت کی تعیین کا حق کس کو ہے؛ شریعت کو یا عقل کو؟

۱- معتزلہ صراحتاً عقل کو یہ اختیار دیتے ہیں۔

۲- ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ تنہا شارع مصالح کی تحدید کرتے ہیں، لیکن شارع کی طرف سے مصالح کی تحدید اجمالی ہے، تفصیلی نہیں ہے۔

۳- جمہور کے باقی مذاہب کا نظریہ یہ ہے کہ شریعت اجمالی اور تفصیلی دونوں طریقہ مصالح پر مبنی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ان مصالح کا علم کیسے ہو؟

شیخ عزالدین بن عبد السلام لکھتے ہیں کہ دارین کے مصالح شریعت ہی کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں، اگر ان مصالح میں سے کوئی چیز مخفی ہو تو شریعت کے ادلہ سے اسے تلاش کیا جائے گا، شریعت کے ادلہ یہ ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس معتبر، استدلال صحیح۔

جہاں تک دنیا کے ان مصالح واسباب اور مفاسد کا تعلق ہے تو یہ سب ضرورت، تجربہ، عادت، ظن معتبر سے معلوم ہیں، اگر ان میں سے کوئی چیز مخفی ہو تو اس کے ادلہ سے اسے تلاش کیا جائے گا۔

جو شخص مصالح ومفاسد اور ان میں راجح ومرجوح کو جاننا چاہے وہ اس مسئلہ کو اپنی عقل کے سامنے یہ فرض کر کے پیش کرے کہ اس کے بارے میں شریعت کا کوئی حکم وارد نہیں ہے، پھر عقل کی روشنی میں اس پر احکام کی بنیاد رکھے، تو اس میں سے کوئی حکم عقل کے دائرہ سے خارج نہیں ہوگا، سوائے ان مخصوص احکام کے جن کا اللہ تعالی نے تعبداً اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے اور ان کی مصلحت یا مفسدہ پر مطلع نہیں کیا ہے، اس طرح اعمال کا اچھا یا برا ہونا معلوم ہو جائے گا۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ انسانی طبیعتیں حکم شرعی کے مطابق ڈھالی گئی ہیں، اس طور سے کہ حکم شریعت سے یا تو وہ شخص باہر ہوسکتا ہے جو جاہل ہو اور بدبختی اس پر غالب ہو، یا وہ احمق باہر ہوسکتا ہے جس کی غباوت روز افزوں ہو، یہ بات جان لینی چاہئے کہ زیادہ مصلحت والی چیز کو مقدم کرنا اور زیادہ فساد والی چیز کو دور کرنا بندوں کی طبیعتوں میں مرکوز ہے، رب الارباب نے بندوں پر شفقت کرتے ہوئے ایسا کیا ہے۔

امام شاطبی یہ کہتے ہیں کہ شارع کا مقصد چند سمتوں سے معلوم ہوتا ہے:

(۱) محض ابتدائی تصریحی امر اور نہی: اس لئے کہ امر فعل کا اقتضاء کرنے ہی کی وجہ سے امر ہوتا ہے؛ لہٰذا فعل کا واقع ہونا ہی شارع کا مقصود ہے، ترک کا تقاضا کرنے میں یہی حال نہی کا ہے۔

(۲) امر اور نہی کی علتوں کا اعتبار کرنا: مثلاً نکاح بقاء نسل انسانی کی مصلحت کے لیے ہے اور بیع مبیع سے نفع اٹھانے کی مصلحت کے لیے ہے۔

(۳) احکام مشروع کرنے میں شارع کے کچھ اصلی مقاصد ہیں، کچھ ضمنی مقاصد ہیں، پھر ان میں سے کچھ مقاصد کا صراحتًا ذکر آ گیا ہے اور کچھ مقاصد کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے اور کچھ مقاصد منصوصات کا استقراء کرنے سے معلوم ہوتے ہیں، اس سے ہم استدلال کرتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کے مقصد کی صراحت نہیں آئی ہے لیکن وہ منصوص کے مثل ہے، اس سے بھی شارع کا وہی مقصود ہے۔

نور وحی اور نور نبوت کے بغیر عقل گمراہی کا سبب ہے:

حضرت شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ دیکھو! تمہاری آنکھ میں روشنی ہے لیکن ابھی یہ ظاہری روشنی ختم کر دی جائے تو آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا، معلوم ہوا کہ اس آنکھ کی روشنی کے لئے باہر کی روشنی کی بھی ضرورت ہے، جب تک اس آنکھ کی روشنی کے لئے چراغ کی روشنی نہیں ہوگی، آفتاب کی روشنی نہیں ہوگی اس

وقت تک آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا، اسی طرح اللہ تعالی نے عقل کے اندر نور رکھا ہے، عقل کے اندر روشنی رکھی ہے لیکن وہ عقل کی روشنی محتاج ہے نور نبوت اور نور وحی کی، جب تک نور نبوت اور نور وحی اس کے ساتھ نہیں ہوگا اس کو کوئی حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی، صرف عقل سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں سمجھتی، حقائق کے انکشاف کے لئے عقل کافی نہیں ہے بلکہ نور وحی کی ضرورت پڑا کرتی ہے، سبحان اللہ! کیا خوب بات فرمائی ہے۔ نوراللہ مرقدہ

حضرت شیخ المشائخ کے کلام میں حکمت شرعیہ کی چند مثالیں

مصیبت و پریشانیوں کی حکمت:

میں کہا کرتا ہوں کہ یہ لوگ نہ ہم کو اپنے پاس آنے دیتے ہیں اور نہ خود ہمارے پاس آتے ہیں لیکن اللہ تعالی نے ان پر اس طرح رحم کیا کہ ان پر دنیوی مصیبت ڈال دی تا کہ وہ ہمارے پاس دعا کے لئے آئیں، اس طرح انہوں نے دعا کا اعتراف کیا اور اللہ تعالی کی ذات کو مانا کہ وہ ذات ہماری مصیبت کو دور کرسکتی ہے، یہ بھی بہت بڑی بات ہے، اللہ تعالی کے تکوینی امور چلتے رہتے ہیں، جس چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کو تباہی کی طرف لے جارہی ہے مگر درحقیقت وہی اس کو نجات کی طرف لے جارہی ہے، اس لئے کہ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو زنجیروں میں باندھ کر جنت کی طرف لے جایا جائے، اس کی صورت یہی ہوگی کہ مصیبتوں میں مبتلا کئے جائیں گے، وہ مصیبتوں کو کب چاہیں گے لیکن وہی مصیبتیں جنت میں لے جانے کا سبب بن جائیں گی، اس بنا پر میرے دوستو بزرگو! اللہ تعالی کا ذکر، اللہ تعالی کی عبادت،

کلام اللہ کی تلاوت ، یہ بڑی نعمت اور بہت بڑی دولت ہے، اس کو اختیار کروتا کہ اللہ کے فضل سے جنت میں جانا میسر ہو۔

حج کیا ہے؟ بیت اللہ کی زیارت ، ظاہری حج تو اتنا ہی ہے اور باطنی حج یہ ہے کہ رب البیت سے ملاقات کرکے آؤ، اسی بنا پر حاجی بیت اللہ کا طواف کرتا ہے کہ ابھی ہم بیت تک پہنچے ہیں ،رب البیت تک نہیں پہنچے ،بیت والے کے پاس نہیں پہنچے، حقیقی حج یہی ہے کہ دل سے غیر اللہ کی محبت اور اس سے تعلق کو ختم کرے، صرف زیارت مقصود نہیں ، زیارت تو ہوگی ہی، فریضہ بھی ادا ہو جائے گا، لیکن حقیقی حج اسی صورت میں حاصل ہوگا جب کہ اللہ تعالی سے تعلق پیدا ہو جائے ، قلب میں اللہ کی محبت آجائے ، اللہ سے قوی نسبت پیدا ہو جائے۔

تشریع وتکوین کا فرق:

تشریعی امور میں تو اللہ تعالی نے بندوں کو اختیار دیا ہے کہ کریں یا نہ کریں لیکن تکوینی امور میں بالکل اختیار نہیں ہے، جو امر ہوگا اس کو کرنا ہوگا۔

روزہ کی اہمیت:

چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے قولی طور پر تو رمضان کی فضیلت بیان فرمائی ہی ہے، عملی طور پر اس کی فضیلت یوں ظاہر فرمائی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ " ما رأيته في شهر اكثر منه صياماً فی شعبان" (مشکوٰۃ:۱۷۸) یعنی آپ ﷺ کو شعبان کے مہینہ میں بکثرت روزہ رکھتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ اس لئے کہ رمضان کا روزہ اتنا مہتم بالشان ہے کہ اس کے اکرام واستقبال میں اس سے پہلے ہی سے روزہ شروع فرماتے تھے، یہ اس کی اہمیت کی خاطر تھا۔

ہر مشقت کے پیچھے راحت چھپی ہے:

اور حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس میں کیا کیا حکمتیں

تھیں یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے؛ لیکن ہمارا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہو گیا کہ ہمیں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾(انبیاء:۸۷) والی آیت مل گئی، نہایت مفید و موثر بلکہ نجات دینے والی تسبیح مل گئی، اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں نہ گئے ہوتے تو یہ آیت کیسے نازل ہوتی، یہ تسبیح پڑھنے کا کیسے امر ہوتا، اسی طرح ہر مشقت کے پیچھے کوئی نہ کوئی راحت چھپی ہوتی ہے۔ دیکھئے! تیمّم کی آیت کب نازل ہوئی؟ اس وقت بظاہر حالات کیسے نااستوار تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار ایک میدان میں گم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وضومیں دقتیں پیش آرہی تھیں، پانی کی وہ جگہ نہیں تھی، اس مشقت میں یہ آسانی ہو گئی کہ قیامت تک کے لئے امت کو ایک آسانی کی راہ بتلائی گئی کہ ایسے وقت تیمّم کرلیا کرو، کسی نے کہا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد سے مسلمانوں کو کبھی ضرر نہیں پہنچا، نفع ہی نفع پہنچا ہے، اگر ان کا یہ ہار گم نہ ہوا ہوتا تو یہ صورت نہ پیدا ہوئی ہوتی اور نہ آیت تیمّم نازل ہوئی ہوتی، کتنی بڑی سہولت اور رخصت کی بات ہے، جو اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد حاصل ہوئی۔

روزے کی حکمتیں:

میرے دوستو! یہ ماہ مبارک ہے اور روزے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمیں متقی بنانا چاہتا ہے، متقی آدمی ہی اللہ کا قرب وقبول حاصل کر سکتا ہے، متقی بننے کے لئے روزہ رکھنے کی ضرورت ہے، ولایت و بزرگی کے لئے تقویٰ ضروری ہے اور حصول تقویٰ کے لئے روزہ ضروری ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ روزہ رکھو، اس سے فرشتوں کے ساتھ ایک گونہ مناسبت پیدا ہوجاتی ہے، فرشتے نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ انہیں بیوی سے سروکار، ایسی صورت میں فرشتوں سے مشابہت پیدا ہوگی، اور اس روزہ کی وجہ سے تمہارے چہروں پر جو زردی اور خشکی آئے گی،

ہونٹ خشک ہو جائیں گے، جوایک قسم کی بد بو آئے گی، وہ سب اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں اور حوروں کو پسند ہیں، کیونکہ عشاق کے اندر یہی چیزیں ہوتی ہیں جن سے محبوب و معشوق خوش ہوتا ہے کہ دیکھو میرا عاشق دوڑ رہا ہے، کعبہ کا چکر لگا رہا ہے، کپڑے کا بھی اس کو خیال نہیں، نا تمام کپڑے پہنے ہوئے ہے، کھانے کا بھی اس کو دھیان نہیں جیسا کہ جب باپ دیکھتا ہے کہ ہمارا بیٹا ہمارے لئے بیتاب ہے، پریشان ہے اپنی کسی چیز کی اس کو فکر نہیں، کسی چیز کی اس کو پرواہ نہیں، نہ اس کو پرواہ ہے سردی کی اور نہ گرمی کی، جہاں بلایا دوڑ کر چلا آیا، باپ اس سے بیحد خوش ہوتا ہے، اسی طرح شیخ بھی اپنے ایسے مرید سے خوش ہوتا ہے، استاد بھی اپنے ایسے شاگرد سے خوش ہوتا ہے، یہ روزہ اس لئے ہے تا کہ عشق کا ظاہری طور سے اظہار ہو، اللہ تعالیٰ کو یہ چیز بہت پسند ہے، اس کی ہر ادا سے خوش ہوتا ہے، اس کی ہر صفت سے خوش ہوتا ہے، اس کی صورت کے اعتبار سے بھی اس کی سیرت کے اعتبار سے بھی، گویا فرشتوں سے اس کی خاص مشابہت ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے، بہر حال یہ روزہ معمولی چیز نہیں ہے، اس بناپر روزہ کے متعلق بیان ہوتا ہی رہے گا۔ان شاء اللہ العزیز

مرض کی حکمت و مصلحت الٰہیہ:

دنیا دارالابتلاء ہے، اس ابتلاء میں ترقیات ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں، ان مصلحتوں اور حکمتوں کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے؟ پریشانیاں آتی ہیں اس میں بھی حکمتیں ہیں، مصائب آتے ہیں اس میں بھی حکمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بہت سے مقامات طے کرادیتے ہیں، روایتوں میں آتا ہے، فرمایا نبی کریم ﷺ نے ''ان العبد اذا سبقت له من الله منزلة لم

یبلغها بعمله ابتلاه الله في جسده أو ماله" (مشکوٰۃ ۷ ۱۳) یعنی آدمی اپنے مجاہدہ اور ریاضت سے اس مقام پر نہیں پہنچ پاتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے مقرر ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جسمانی مرض یا کسی مالی مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں، اس کے ذریعہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ مرض سے عاجزی پیدا ہوتی ہے، مرض سے اپنی کمزوری کا استحضار ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

رمضان اور قرآن میں ربط:

کل بھی بیان کیا تھا کہ ان دونوں میں بہت زیادہ ربط ہے، علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کریم اور رمضان میں بہت زیادہ ربط ہے، ایک تو یہی ہے کہ قرآن پاک کا نزول رمضان میں ہوا ہے؛ لیکن برکات و فیوض کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ مربوط ہے، قرآن کا فیض جیسے عام ہے اسی طرح رمضان کا فیض بھی عام ہے، قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک الگ فیض ہے، اسی طرح رمضان کی ہر گھڑی کا ایک الگ فیض ہے، رات کا فیض الگ ہے، دن کا فیض الگ ہے، لکھا ہے کہ دن کا فیض رات کے فیض سے مختلف ہے۔

وجہ تاخیر سحور و تعجیل افطار:

اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ افطار میں جلدی کرو؛ تاکہ دن والا فیض تم کو حاصل ہو جائے اور سحری کے متعلق کہا گیا ہے کہ ذرا تاخیر سے کرو تاکہ رات کا فیض زیادہ مل جائے، دونوں کا فیض الگ الگ ہے اور دونوں کے فیوض کو اللہ تعالیٰ نے دینا چاہا ہے۔ افطار میں جلدی کراکے اور سحری میں دیر کراکے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لا تزال امتي بخير ما عجلوا الافطار و أخروا السحر**" (مسند احمد: ۵ /۷ ۱۴) جب تک افطار میں جلدی کروگے اور سحور میں تاخیر کروگے تب تک میری امت خیر پر رہے گی۔ اس کی وجہ (واللہ اعلم بالصواب) یہ معلوم ہوتی ہے

کہ اس میں حضور اکرم ﷺ نے عبدیت و بندگی کی تعلیم دی ہے تا کہ افطار میں تاخیر کر کے اور سحری بہت پہلے کر کے عجب میں مبتلا ہو کر اپنے تقویٰ کا مدعی نہ بن جائے۔ اس لئے اپنی ناتوانی اور کمزوری کا استحضار کر کے افطار میں جلدی کرنا چاہئے اور سحری میں دیر کرنی چاہئے تا کہ روزے کا وقت کم سے کم ہو جائے، اس لئے کہ روزے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر دشواری و سختی نہیں ڈالنا چاہتے، بلکہ یسر وسہولت کا ارادہ فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (بقرہ: ۱۸۵) یعنی اللہ پاک تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں نہ کہ تنگی کا۔

دعائیں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے:

میں تو کہتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کی یہ دعائیں مستقل معجزہ ہیں، کوئی دوسرا یہ دعائیں کر ہی نہیں سکتا تھا، یہ دعا تو نبی ہی کر سکتا تھا، اتنی باریکی اور اتنی دقت نظر تو نبی کو ہی مل سکتی ہے۔

خانہ کعبہ کو دیکھنا موجب اجر وثواب ہے:

ہمارے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جس کی نسبت کمزور ہو وہ خانہ کعبہ کو دیکھے تو اس کی نسبت میں قوت پیدا ہو جائے گی، اب بیت اللہ میں پہنچ کر بجائے ادھر ادھر دیکھنے کے خانہ کعبہ ہی کو دیکھو تو کیا مضائقہ ہے، لیکن وہاں بھی لوگ فضولیات میں مشغول رہتے ہیں، بہت سے آدمی ایسے ہیں جو خانہ کعبہ کی طرف پیر کر کے سوتے ہیں، خانہ کعبہ ہی رہ گیا ہے کہ اس کی طرف پیر کر کے سویا جائے۔ جب اس کا تم احترام کرو گے تو وہ تمہاری طرف توجہ کرے گا، وہ تم کو اپنے فیوض سے مالا مال کرے گا، اور تم اس کی بے ادبی کرو گے تو کیا نتیجہ ہوگا خود سمجھ لو۔

بہر حال میرے دوستو! میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس کا دیکھنا بھی موجب اجر

وثواب ہے، یہی ایک عمارت ہے جس کا دیکھنا موجب اجر وثواب ہے، کسی اور عمارت کے دیکھنے سے اجر وثواب نہیں ملے گا، وہی ایک پتھر ہے جس کا چومنا بھی اجر وثواب ہے، وہی ایک گھر ہے جس کے ارد گرد گھومنا موجب اجر وثواب ہے۔ کسی وزیر اعظم کے گھر کا چکر لگائیے تب بھی ثواب نہیں ملے گا۔ تاج محل کا چکر لگائیے ثواب نہیں ملے گا بلکہ مسجد نبوی کا بھی چکر لگائیے ثواب نہیں ملے گا، یہ ثواب کا عمل نہیں ہے، ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کے طواف کے ساتھ خاص رکھا ہے، اس کا طواف بھی موجب اجر وثواب، اس کو دیکھنا بھی موجب ثواب، اس سے چمٹنا بھی موجب اجر وثواب، اس کا چومنا بھی موجب اجر وثواب، کتنی بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ ورفرمائے۔ آمین

قرآن پاک دیکھنے سے نسبت میں قوت آتی ہے:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ کعبہ کے دیکھنے سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی ہے، جب دیکھنے سے نسبت قوی ہوتی ہے تو اگر کوئی تسبیح پڑھ رہا ہو، ذکر کر رہا ہو، تلاوت کرر ہا ہو تو کیا یہ موجب اجر وثواب نہیں ہوگا؟ اس پر ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ بھائی نسبت میں قوت پیدا کرنے کے لئے خانہ کعبہ کے دیکھنے کو اگر شرط قرار دیا جائے تو سب تو دیکھ نہیں سکتے ،اس لئے کہ ہر ایک وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتا اور جو جاتے بھی ہیں تو کچھ عرصہ کے لئے جاتے ہیں ، تو میں کہتا ہوں کہ قرآن پاک کو دیکھواس کو پڑھو ،اس سے تمہاری نسبت میں قوت پیدا ہو جائے گی ،فرمایا کہ بیت کی نسبت اللہ کی طرف ہے تو اس نسبت کا فائدہ یہ ہے کہ ہماری باطنی نسبت اس کی رؤیت سے قوی ہوتی ہے، اسی طرح قرآن کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہے ، یہ اللہ کا کلام ہے ،تو جب کلام اللہ کو دیکھوگے تو کیا تمہاری نسبت میں قوت نہیں آئے گی؟

حکمت نماز:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا.﴾ یہ تصوف ہے، یہی سلوک ہے، یہی شریعت ہے، یہی دین ہے۔ عقائد پر، اعمال پر اور اخلاق پر استقامت اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ تم سے کبھی نہیں پوچھے گا کہ تم سے کرامت کیوں صادر نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہی کرامت دینے والا ہے، کرامت ولی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا فعل ظاہر ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے کرامت نہیں دیا تو پھر تم سے مطالبہ کیوں کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا: فاستقم کما امرت. جیسا حکم دیا گیا ہے اس پر ثابت قدم رہئے، اس لئے کہ یہ اللہ کا مطلوب ہے، اللہ کا مامور ہے، اللہ کا محبوب ہے، اس بنا پر ہمیں اس پر عمل کرنا پڑے گا۔ پس جس قدر عمل کی توفیق ہو جائے اس پر اللہ کا شکر ادا کیجئے اور اس پر قائم اور دائم رہنے کی کوشش کیجئے۔

نماز کے لئے تکبیر میں "قد قامت الصلوۃ" کہا جاتا ہے تو اس کے جواب میں "اقامھا اللہ و ادامھا" کہا جاتا ہے، اللہ اس نماز کو قائم ودائم رکھے۔ اس لئے نماز کے ساتھ لگے لپٹے رہوگے تو لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی دعائیں تمہارے ساتھ لگی رہیں گی، اور جو نماز کے ساتھ متعلق ہوگا وہ بھی قائم ودائم رہے گا، اس کے اندر بھی دوام آئے گا یعنی نماز کے ساتھ نمازی کو بھی دوام نصیب ہوگا۔

نماز تہجد کی حکمت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فان صلی انحلت عقدۃ فاصبح نشیطاً طیب النفس" (مشکوۃ:۱۰۸) جو شخص تہجد کی نماز پڑھتا ہے (تو شیطان کی لگائی ہوئی) گرہ کھل جاتی ہے تو وہ نشیط القلب اور پاک نفس والا ہو کر اٹھتا ہے۔ نشاط تو تہجد

کی نماز میں ہے، تہجد پڑھ کر دیکھئے کہ آپ کو نشاط حاصل ہوتا ہے کہ نہیں، ذکر کر کے دیکھئے آپ کو سرور حاصل ہوتا ہے کہ نہیں، اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ نہیں، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وضو سے پہلے اور وضو کے بعد کی حالت کا موازنہ کر کے دیکھ لو، دونوں میں بین فرق محسوس کروگے، وضو سے پہلے والی حالت میں بے کیفی، بے اطمینانی محسوس ہوگی، وضو کے بعد سرور محسوس ہوگا، اطمینان محسوس ہوگا سکون محسوس ہوگا۔

فجر کی سنت میں تقدیم اور عشاء کی سنت میں تاخیر کیوں؟

دوستو! ان احکام میں بڑی حکمتیں اور رعایتیں ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ فجر سے پہلے دو رکعت سنت پڑھنے کا حکم ہے، کیونکہ آدمی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو نیند کے کچھ اثرات رہتے ہیں، لہٰذا سنت پہلے پڑھنے سے نیند کا خمار سنتوں میں ختم ہو جائے گا اور فرض اطمینان سے پڑھ سکے گا اور عشاء کی نماز میں کہا گیا کہ فرض نماز پہلے پڑھی جائے، اس کے بعد سنت مؤکدہ پڑھی جائے تاکہ فرض نماز باطمینان ادا ہو جائے، اس کے بعد سنت کی ادائیگی میں اگر کسی قدر اثر آجائے تو حرج نہیں چونکہ فرض نماز ادا ہو چکی ہے۔ سبحان اللہ کیا خوب نکتے ہیں۔

دوستو! یہ احکام کے علل اور حِکَم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں حکمتیں رکھی ہیں، ان چیزوں میں کتنی حکمتیں ہیں کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ بہر حال رمضان شریف کے فیوض و برکات ہر آن الگ الگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے مستفیض فرمائے۔ آمین

زکوٰۃ کی حکمت: آگ سے دکان کی حفاظت کا واقعہ:

فرماتے ہیں نبیٔ کریم ﷺ: حصنوا اموالکم بالزکوٰۃ. الحدیث۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے یہاں گیا تھا، تو جمعہ میں انہوں نے کہا کہ تم ہی بیان

کرو تو اسی حدیث پر میں نے بیان کیا، تو سب لوگ خوش ہوئے، حدیث ہے **حصّنوا اموالکم بالزکاۃ۔** (المراسیل لأبي داود: ص/۱۲۸، رقم: ۱۰۵) اپنے اموال کی حفاظت کرو زکوۃ دے کرکے، یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک ایمانی بات ہے، اللہ تعالیٰ ضرور ہماری حفاظت فرمائے گا، ہمارے یہاں فساد ہوا الٰہ باد میں بہت زبردست، سب دکانیں جلادی گئی تھیں، ایک دکان ''خدا بخش'' بہت مشہور دکان تھی، وہ بچ گئی، لوگوں نے کہا: بھائی! آخر آپ کی دکان کیسے بچ گئی؟ اب دیکھئے یقین کی بات، ان کے لڑکے تھے وہ قاری عبداللطیف صاحب، جو جواہر لال نہرو وغیرہ کے ساتھیوں میں سے تھے، بہت بڑی دکان تھی، وہاں آپ کی دکان کیسے بچ گئی؟ کہا ہم بھی زکوۃ دیتے ہیں اس وجہ سے بچ گئی، اتنا یقین کے ساتھ کہا، سب دکانیں جل گئیں اور جلتے جلتے آگ ان کی دکان تک بھی پہونچ گئی اور سب سے قریب دیاسلائی کے ڈبے رکھے ہوئے تھے، اس کے باوجود بچ گئی۔**حصنوا اموالکم بالزکوۃ.** زکوۃ دے کر اپنے اموال کی حفاظت کرو، نبیٔ اکرم ﷺ نے طریقے بھی ایسے بتلائے ہیں کہ اگر اس کا یقین ہو تو ان شاء اللہ ضرور اس کے ثمرات ظاہر ہوں گے۔

صدقات سے مریضوں کا علاج:

بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ سب طریقے ہم کو بتلائے اصلاح کے لئے۔ زکوۃ کیا ہے؟ **حصنوا أموالکم بالزکاۃ ، وداووا مرضاکم بالصدقة واستقبلوا أمواج البلاء بالدعاء.** (المراسیل لأبي داود: ص/۱۲۸، رقم: ۱۰۵) اپنے مریضوں کا علاج کرو صدقات دے کر، یہ بھی عمل کی کوئی چیز ہوئی کہ نہیں۔ زکوۃ کے بعد صدقات آگیا، **و داووا مرضاکم بالصدقة.** صدقات دے کرکے ہمارے لڑکے وغیرہ اگر بیمار ہوتے تھے، فوراً حضرت کہتے تھے دس روپیہ صدقہ کردو، بوڑھی عورتیں

صدقہ کرتی تھیں، تو صدقہ کردو کہ اتنا عمل بھی تھا اس پر اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر ہم کو اطمینان اور سکون اور اعتقاد عطا فرماوے۔

دعا دفع بلاء کا ذریعہ:

اور تیسری چیز یہ ہے، واستقبلوا أمواج البلاء بالدعاء. دفع کرو انواع بلاء کو دعا کے ذریعہ سے، اللہ ہم سب کو توفیق دے دعا کرنے کی، دعا پر اعتماد ہو، دعا پر بھروسہ ہو کہ دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؕ (غافر:٦٠)

بہر حال میرے ذہن میں یہ بات آئی، حصّنوا اموالکم بالزکاۃ. اموال کو زکوۃ کے ذریعہ محفوظ کرو، داووا امرضاکم بالصدقة. معلوم ہوا کہ یہ نہیں کہ تم علاج چھوڑ دو، مرضی کے علاج کا حکم ہو رہا ہے۔ میں دلیل دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مرضی کا علاج کرو تو مرضیٰ کا علاج مسنون ہوا کہ نہیں ! اسی پر میں نے پڑھا تھا، استحضار نہیں تھا؛ لیکن آپ لوگوں کی برکت سے استحضار ہوگیا، وداووا امرضاکم بالصدقة. صدقات دے کر کے۔

اقامت صلوٰۃ اور اضاعت صلوٰۃ میں فرق:

میں ابھی بمبئی گیا تھا بہت بڑا مجمع تھا، وہاں کوئی جلسہ تھا۔ اخیر میں ہم لوگ پہنچے پانچ منٹ یا دس منٹ پہلے، مجھے جب وقت دیا گیا تو میں نے کہا فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ (مریم:٥٩) یہاں اضاعت صلوۃ کا لفظ استعمال کیا اللہ تعالیٰ نے۔ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ اضاعت صلوۃ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مقدم کیا کہ تمام شہوات میں اضاعت صلوۃ سب سے بڑی شہوت ہے اور سب سے بڑی طاعت اقامت صلوۃ ہے اور سب سے بڑی شقاوت اور خرابی اضاعت صلوۃ میں ہے۔ بہت پسند کیا انہوں نے، میں نے کہا کہ اضاعت صلوۃ یہ ہے کہ پورے شرائط کے ساتھ

نماز ادا نہ کرو۔ اگر پورے شرائط کے ساتھ ادا نہیں کروگے تو اضاعت صلوۃ میں تمہارا شمار ہوگا، اقامت صلوٰۃ میں نہیں۔

سلام کا فلسفہ؛ امت کی اصلاح سلام میں مضمر ہے:

ہمارے حضرت بہت فرماتے تھے کہ کسی سے کوئی دشمنی ہو تو اس کو ضرور سلام کر دو، یہ دعا ہے ایک مرتبہ سلام کروگے تو جواب شاید نہیں دے گا اور جب دوسری بار سلام کروگے تو اب کچھ نرم ہو جائے گا، اب تیسری مرتبہ وہ بھی جواب دے دے گا، فرماتے تھے امت کی اصلاح کے لئے سلام کا رواج ہے، اس کی اشاعت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لئے نماز کی درستگی ضروری ہے، نبی اکرم ﷺ سے تعلق کے لئے درود شریف کی کثرت ضروری ہے اور عام لوگوں سے خوشگواری کے لئے سلام کی کثرت ضروری ہے، دینی تعلق ہمارے ہیں اللہ سے، اللہ کے رسول سے، اور امت سے ہے، بھائیوں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا عمل؛ نماز:

اللہ کو خوش کرنے کے لئے سب سے اہم عمل کیا ہے؟ نماز، نماز پڑھنے والا گویا کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے، سرگوشی کرتا ہے، سب سے زیادہ قرب بندہ کو نماز میں حاصل ہوتا ہے، اس پر میں نے بیان بھی کیا تھا وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۚ (توبہ:۱۱۸) جو تین صحابہ جن کا بائیکاٹ کیا تھا حضور کی طرف سے، کوئی ان سے بولے نہیں، ارے غزوۂ تبوک میں وہ کسی طریقہ سے پیچھے ہو گئے تھے، ان میں سے ایک صحابی حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو میں سلام کرتا تھا جواب نہیں دیتے تھے، میں اکثر دیکھتا رہتا تھا کہ ہونٹ ہلا کہ نہیں ہلا اور لوگ تو جواب دیتے ہی نہ تھے، لیکن نبی اکرم ﷺ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کو دیکھتے تھے، عام حالات میں تو نہیں دیکھتے تھے، سلام کا جواب بھی ٹھیک سے نہیں

دیتے تھے؛ لیکن نماز جب پڑھتے تھے تو نبی اکرم ﷺ ان کو دیکھتے تھے۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک) علماء نے لکھا ہے کہ اس بنا پر دیکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نمازیوں کی طرف خاص نگاہ کرتا ہے چوں کہ نبی متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے اس بنا پر نبی اللہ کے اخلاق کی اتباع میں آپ کو دیکھنا شروع کر دیتے تھے، جب اللہ اس بندہ کو دیکھ رہا ہے نماز پڑھتے ہوئے تو پھر میں کیوں نہ دیکھوں! یہ بہت عمدہ بات ہے کیونکہ نبی م تخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا معمول دیکھا کہ بندہ نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کو دیکھتا ہے، پھر نبی کی کیا مجال ہے کہ اس کی طرف نہ دیکھے، تو نماز میں سب سے زیادہ قرب ہوتا ہے، نماز میں سجدہ جب کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کے قدموں میں سجدہ کرتا ہے، (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱/ ۱۴۴، رقم:۷۸۷) حدیث ہے قدموں پر گرجاتا ہے قدموں پر گرنا بہت قرب کی بات ہے، اللہ تعالیٰ اس کو رسوا اور محروم واپس نہیں کرے گا۔

ہمارے حضرت کو بہت تعلق تھا حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے، ان کے بارے میں بیان کرتے ہی رہتے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے خود حضرت سے سنا ہے کہ وہ یہ فرماتے تھے کہ جب میں سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھ کو پیار کر لیا، یہ حال تھا ان کا، بہت متأثر ہوئے، جب میں سجدہ میں جاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھ کو پیار کر لیا، قرآن سے اتنا تعلق تھا ان کو کہتے ہیں کہ جب جنت میں حوریں آئے گی تو میں کہوں گا کہ تم کو قرآن سنانا ہے تو سناؤ! ورنہ جاؤ، اس جیسی بہت سی باتیں شاہ فضل الرحمٰن صاحب کی ہیں۔

اسلام کا دوسرا رکن ؛ نماز:

دوسرا رکن اقامت صلاۃ ہے، نماز کو قائم کرو، اقامت کا لفظ ہے ادا کا نہیں، ادائے صلاۃ نہیں ہے، اقامت صلاۃ نماز کو قائم کرو، یہ کبھی معاف نہیں ہے، حج کی کتابوں

میں میں نے دیکھا ہے، کسی عالم نے بہت زیادہ ترغیب دیا ہے کہ حج کے موقع پر نماز کبھی ضائع نہ ہو، آپ کو اختیار نہیں کہ نماز کو ضائع کریں حج فریضہ ہے ،ایک فریضہ کے لئے دوسرے فریضہ کو ضائع نہیں کر سکتے۔

نماز کے احکام سے ہماری غفلت:

اس بنا پر اس کا اہتمام مردوں کو بھی چاہیے عورتوں کو بھی چاہیے، حج میں جاتی ہیں عورتیں ، اس ہیں نماز کا اہتمام بہت ضروری ہے، اس کے احکام بھی معلوم کرو، حج میں گئی نماز کیسے ادا کروگی ؟ایک مرتبہ عورتیں آرہی تھیں ظہر میں نماز پڑھنے حرم میں ،ہماری لڑکیاں عالمہ ہیں انہوں نے پوچھا خالہ ،اگر آپ مسبوق ہو گئی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو کیسے پڑھوگی ؟وہ جانتی بھی نہیں تھی، کیا چھوٹا بوٹا جانتی بھی نہیں تھی، اب چپ، تو میں نے اپنی کتاب میں باقاعدہ مسئلہ لکھا مسبوق عورتوں کے لئے بھی ، بہر حال نماز مہتم بالشان چیز ہے، نماز سے آدمی کو عزت ملتی ہے، نماز سے اللہ تعالی کا قرب ملتا ہے، قبولیت ملتی ہے۔

اس بنا پر نماز کی اقامت کا بھی بہت اہتمام ہونا چاہیے، مجھے اس عالم کی بات بہت پسند آئی کہ انہوں نے نماز کی طرف بہت متوجہ کیا کہ حج کے موقع پر آپ نماز کو ترک کر دیتے ہیں مناسب نہیں ہے، نماز کا اہتمام کرنا چاہیے، اللہ ہم سب کو توفیق دے، ہم لوگ جاتے ہیں مولانا صاحب کئی کئی گھنٹے لگتے ہیں جہاز پر، ہم لوگ تو وضوء بھی نہیں کر سکتے ، بہت مرتبہ یہ ہوتا ہے کیسے پڑھے ؟کیسے ادا کرے ؟سب سے اہم مسئلہ ہمارے لئے وضوء کرنا ہے،کیسے وضوء کریں گے ؟کیا کریں گے ؟

نماز جامع الفرائض ہے:

مولانا نماز ارکان اسلام ہے اور چیزوں کی کوتاہی معاف ذکر وغیرہ چھوٹ جائے گا کچھ نہیں، اللہ تعالی معاف کرنے والا ہے لیکن فرض نماز کا چھوڑنا کسی

طریقہ سے جائز نہیں ہے، روزہ کی فرضیت اپنی جگہ پر، نماز جامع الفرائض ہے، نماز میں حج بھی ہے جیسے اس میں احرام باندھتا ہے اس میں تحریمہ باندھتا ہے، اس احرام کے بعد تو بولتا بھی ہے کبھی حج میں، اس نماز کی تحریمہ کے بعد تو بولتا بھی نہیں، روزہ ہو گیا نماز میں کھانا پینا بھی چھوڑتا ہے، بولنا بھی چھوڑتا ہے، اس سے بڑھ کر روزہ کیا ہوگا؟ روزہ میں تو بول رہے ہیں ہم لوگ؛ لیکن نماز میں جب آگئے تو کھانا پینا بھی چھوڑنا ہے اور بولنا بھی چھوڑنا ہے، تو صوم کی پوری روحانیت نماز کے اندر موجود ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

کسی نے اشکال کیا شاہ عبد العزیز صاحب نے غالباً لکھا ہے کہ زکوۃ کہاں ہے نماز میں ؟ حج تو ثابت کر دیا آپ نے، روزہ بھی ثابت کر دیا، زکوۃ کہاں ہے؟ تو جواب دیا کہ نماز میں یہاں سے یہاں تک کپڑا پہننا ضروری ہے، ستر ضروری ہے، یہ کپڑا بغیر روپیہ کے ملے گا؟ روپیہ بھی خرچ ہو گیا اس کے اندر، فریضہ ادا ہو گیا نماز میں ستر عورت ضروری ہے، عورت کے لئے بھی مرد کے لئے، تو ظاہر ہے کہ وہ کپڑا مفت میں تو ملے گا نہیں، پیسہ لگاؤ گے تو زکوۃ بھی شریک ہو گئی نماز میں۔

نماز بندے اور رب کے درمیان کا وسیلہ:

نماز بہت بڑی چیز ہے، **جسرة بين العبد والرب**. عبد اور رب کے درمیان میں وسیلہ ہے، اللہ تعالی ہم سب لوگوں کو توفیق دے، عربی کی عبارت ہے **الطهارة الانقطاع عن الخلق**. طہارت یعنی وضوء یہ اللہ کی مخلوق سے انقطاع کا نام ہے، جب وضوء کیا منقطع ہو گیا۔

حضرت سیدنا زین العابدینؒ جب وضوء کرتے تھے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا، کسی نے کہا حضرت آپ وضوء کرتے ہیں تو چہرہ کیوں زرد ہو جاتا ہے؟ کہا: تم کو

نہیں معلوم کس کے سامنے کھڑے ہونے جا رہا ہوں؟ اس کا استحضار ہمارے بزرگوں کو رہتا تھا، وضوء میں بھی رہتا تھا، نماز میں بھی رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقامات بہت بلند کئے، بلند مقامات سے نوازا ہے نماز کی وجہ سے۔

کلمۂ طیبہ کی قوت:

حضرت مجدد صاحب نے کہا ہے کہ اس کلمۂ طیبہ میں اتنی قوت ہے کہ ایک مرتبہ کہنے سے لاکھوں سال کی مسافت طے کرلیتا ہے، کوئی ہے ہیلی کاپٹر وغیرہ اتنا تیز چلنے والا؟ وہاں کی سواری اور ہے، یہاں کی سواری کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں ہے، دیکھیے مجدد صاحب نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کلمہ طیبہ کہنے سے آدمی اتنا ترقی کرتا ہے جتنا تصور بھی نہیں کرتا، لاکھو لاکھ کی مسافت طے کرلیتا ہے۔

فرماتے ہیں اور خوف اور حزن سے ان کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لئے دنیوی زندگانی میں بھی اور آخرت میں بھی من جانب اللہ خوف اور حزن سے بچنے کی خوشخبری ہے، لیکن یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں، پریشانیاں آرہی ہیں لیکن ان شاء اللہ ہم کو عوض بھی دے گا، بدلہ بھی دے گا تو کچھ تسلی ہو جائے گی ، مؤمن میں اور غیر مؤمن میں بہت فرق ہے، جو فاسق فاجر مؤمن ہے اس کو اتنی دہشت سوار نہیں ہوتی کسی معصیت سے جتنا کافر کو ہوتی ہے، بشارت میں ان سے وعدہ کیا گیا اور وعدہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے، اس لئے عدم خوف و عدم حزن لازم ہے، عدم خوف اور عدم حزن ہے اور یہ بشارت جو مذکور ہوئی بڑی کامیابی ہے، پوری بحث کیا ہے حضرت نے۔

ایمان کے حصول کی طرح تکمیل ایمان بھی ضروری:

اس بنا پر جس طرح ایمان کا حصول ضروری ہے، اسی طرح تکمیل ایمان بھی ضروری ہے، ہمارے حضرت بہت وعظ کرتے تھے، ایک عالم نے لکھا ہے اس

کو کہ بزرگوں کے یہاں جایا جاتا ہے ایمان کی تکمیل کے لئے، نفس ایمان ہونے کے باوجود ایمان میں زیادتی ہوتی ہے، اس کے اندر کمال آتا ہے، اس کمال کے لئے بزرگوں کی خدمت میں جایا جاتا ہے، حضرت تھانویؒ مولانا گنگوہیؒ کا کیا ایمان نہیں تھا؟ لیکن اسی ایمان کے اندر پختگی لانے کے لئے مضبوطی لانے کے لئے بزرگوں کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔

خوش خلق ہونا اتمام عقل کی دلیل:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸(مزمل:۸) ارے! یہ چھوڑو ان سب کو، یہ تو کہتے ہی رہیں گے، یہ سب تو خود پاگل ہے۔ایک دفعہ ہم لوگ بریلی میں کھڑے تھے۔ہم لوگ ایک طرف تھے اور دوسری طرف ایک آدمی کھڑا تھا، کہہ رہا تھا کہ یہ سب پاگل ہیں، لوگ ہنسنے لگے کہ یہ تو خود پاگل ہے، سب کو پاگل بنا رہا ہے یہی حال ہے۔نبی بھی تو صحیح الدماغ ہوتا ہے، وہی خوش اخلاق ہوتا ہے۔جو صحیح الدماغ ہوگا وہی خوش اخلاق ہو سکتا ہے۔وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴(قلم:۴) آپ تو خلق عظیم پر ہیں،آپ کو یہ مجنون کہتے ہیں۔مجنون تو ڈھیلا، اینٹیں مارتا ہے گالی دیتا ہے، یہ نبی جو ہے یہ تو خلق عظیم پر ہے،ایسے خلق پر ہے جس کی ہوا بھی ان لوگوں کو نہیں لگی ہے، ایسے خلق عظیم پر ہوگا وہ مجنون ہو سکتا ہے؟سب سے بڑا عاقل وہی ہے۔

لکھا ہے علماء نے کہ خوش خلق ہونا یہ عقل کے اتمام کی دلیل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ چاہے کتنا بڑا آدمی ہو اگر اس کے اندر اخلاق نہیں ہے تو اس کو بد خلق بھی کہیں گے اور بے عقل بھی کہیں گے۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ کہ کون کہتا ہے آپ کو مجنون؟جو مجنون رہتے ہیں اس کے یہ اخلاق ہوتے ہیں؟معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ جیسے احسن الخلق تھے ویسے

کمال العقل بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک دشوار عمل کو آسان کرنا:

دوستو، بزرگو، اور عزیزو! چونکہ یہ میرا پہلا بیان ہے، اس لئے دل میں تقاضہ ہوا کہ رمضان شریف کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اس کی مختصر توضیح کر دی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے نہ سنا ہوا ہو، اگر سنا ہوگا تو مزید توضیح ہو جائے گی، نہیں سنا ہوگا تو آپ حضرات کو خوشی ہوگی، معلومات حاصل ہو جائے گی، اللہ تعالی کی یہ آیتیں کہیں قرآن کے متعلق ہیں، کہیں رمضان کے متعلق ہیں، کہیں نماز کے متعلق ہیں۔ اللہ تعالی نے پوری پوری وضاحت سے ہر عمل کے متعلق بیان فرما دیا ہے، قرآن کی آیات کو جمع کر رہے ہیں، تو ان شاء اللہ قرآن کی آیات سے ہر عمل کی پوری تشریح حاصل ہو سکتی ہے، اسی میں سے ایک آیت یہ ہے، جو اللہ تعالی نے رمضان کے روزے کے متعلق بیان فرمایا ہے، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خطاب فرما رہے ہیں اللہ تعالی، ایک عمل کی فرضیت کو بیان کرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ عمل جب فرض ہے تو اس کا ادا کرنا کوئی آسان نہیں ہے، مشکل ہے، اللہ تعالی کس انداز سے اس کی دشواری کو ختم کر رہے ہیں، اس کے اندر جو دقت آسکتی ہے، اس کو ختم فرما رہے ہیں، وہ اللہ تعالی ہی کر سکتا ہے، دوسر کوئی نہیں کر سکتا۔

ایمان کا مطلب:

چنانچہ فرماتے ہیں: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ. اے ایمان والو! ظاہر ہے کہ اس عنوان سے بیان کرنا یہ اللہ ہی بیان کر سکتا تھا، یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنوا، اے ایمان والو! جو ہم پر ایمان لائے ہو، ہمارے اوپر مرنے مٹنے کے لئے تیار ہو گئے ہو، ایمان کا مطلب یہی ہے، کہ جتنی چیزیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی

ہیں، ایمان والا سب کی تصدیق بھی کرتا ہے،اور عمل کا داعیہ اور جذبہ بھی پیدا کرتا ہے، یہ نہیں کہ ہو گیا،یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو ! اب ایمان والوں کو متنبہ فرما دیا کہ جب تم ایمان والے ہو،تو ہماری بات سنو،دل سے سنو،عمل کے لئے سنو، آمنوا سے کہا، پوری عظمت، محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا اللہ کے نزدیک، ہمارے نزدیک کچھ ایمان والوں کی قدر نہیں، نہ ایمان کی قدر، نہ ایمان والوں کی قدر، مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آمنوا سے ایمان والوں سے خطاب فرمارہے ہیں، یہ ہم لوگوں کے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے، انہوں نے مان لیا،ہمارے ایمان کو انہوں نے تسلیم کر لیا،اس بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو کوئی شخص محبت کرتا ہے کسی سے،اور کوئی کہہ دیتا ہے کہ اے ہمارے محبت کرنے والو! خوش ہوگا کہ نہیں؟ کوئی کسی سے محبت کرتا ہے کہہ دیتا ہے اے وہ لوگ جس سے میں محبت کرتا ہوں،اے لوگو! بھی کہہ سکتا ہے، مگر اتنا بڑھا دینے سے اس کے شوق اور ذوق میں اضافہ ہو جاتا ہے، محبت کے تعلق سے دوستو! عجیب استواری پیدا ہو جاتی ہے۔

عمل میں حسن اتباعِ سنت سے آتا ہے:

إِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴿۵۶﴾ (اعراف:۵۶) محسنین کے معنی یہی ہے کہ اپنے عمل میں حسن پیدا کرو،ہمارے عمل میں حسن پیدا ہوگا سنت کی اتباع سے،ہماری شادی بیاہ سب سنت سے دور ہوتی چلی جارہی ہے، بہر حال سلم کے معنی بیان کیا ہم نے، بہت لوگوں نے پسند کیا، اور ایک اور تقریر بیان کردوں، مولانا تقی الدین صاحب ہی کے یہاں سمینار تھا حضرت شیخ الحدیث صاحب پر،بہت علماء آئے ہوئے تھے،شاید آپ میں سے کوئی گیا ہوگا،ہم کو پانچ منٹ کا وقت دیا گیا اخیر میں،ہم گئے ہم نے کہا صبح سے لے کر اب تک حدیث پر بیان ہو رہا

ہے، حدیث کے اندر کیا ہے؟ جیسے قرآن کے اندر ظہر ہے اور بطن ہے،اور حدیث ترجمان ہے کس کی؟ قرآن کی تو ظاہر بات ہے کہ متن میں جب ظہر اور بطن ہے تو اس کی شرح میں بھی ظہر اور بطن آئے گا، اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کے لئے ظہر اور بطن ہے، حدیث کے لئے بھی ایک ظاہر اور باطن ہے، اب تک ظہر کے متعلق بات ہو رہی تھی اب بطن کے متعلق بات شروع کیجئے، اتنا سننا تھا کہ مولانا ضیاء الدین صاحب اچھل کر آگے اسٹیج پر آگئے، اللہ کا شکر ہے کیا بتاؤں، اب اس بناء پر اس کی بھی ضرورت ہے۔

میرے دوستو! قرآن کے لئے بطن ہے کیسے معانی ہیں؟ کتنے معارف ہیں؟ اب تک کوئی سمجھ نہیں سکتا، کتنے علوم ہیں، کتنے معارف ہیں قرآن میں، اسی طرح حدیث کے بھی مفہوم ہیں، کیسی کیسی حدیث کی کتابیں لکھی جاتی ہیں، بطن ہی کی تشریح ہو رہی ہے، خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ میں بیان کروں تو گردن ہماری مار دی جائے، (بخاری: کتاب العلم، باب حفظ العلم)، وہی بطن ہے۔ بہر حال میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ہمارے درمیان رکھا ہے، حدیث کو ہمارے سامنے رکھا ہے، بہت بڑی نعمت، بہت بڑی دولت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ اس کے علم میں بھی لگیں، اور اس کی تدوین اس کی تشریح میں بھی لگیں، اور اس پر عمل کرنے میں بھی لگیں، ان شاء اللہ العزیز اس کی وجہ سے اللہ کی رحمت نازل ہوگی ہمارے اوپر۔

اسلام کا معاشی نظام

حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب کی جامع و مانع عبارت:

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ باب سیرۃ النبی میں تحریر فرماتے ہیں: **وكان الزمهم بإصلاح تدبير المنزل ورعاية أصحاب وسياسة المدينة بحيث لا يتصور فوقه يعرف لكل شيئ قدره،** یعنی حضور ﷺ تدبیر منزل یعنی گھر کی چیزیں گھر کی درستگی اور اصحاب کی رعایت اپنے ساتھیوں کی رعایت جو لوگ آتے تھے جو لوگ گھروں میں رہتے تھے ان کی رعایت یعنی حضور ﷺ تدبیر منزل اصحاب کی رعایت اور سیاست مدینہ کا سب سے زیادہ التزام فرماتے تھے اتنا زیادہ التزام فرماتے تھے کہ اس سے بڑھ کر کوئی متصور نہیں ہو سکتا، آپ کیوں کرتے تھے؟ دلیل ہے اس لئے کہ آپ ہر چیز کی قدر و قیمت پہچانتے تھے، سمجھتے تھے گھروں کی اصلاح، شہروں کی اصلاح کتنی اہمیت ہے کیوں کہ قدر جانتے تھے اس بنا پر اس کی رعایت بھی جانتے تھے آج جو کمی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی قدر ہی نہیں جانتے بہت عمدہ لکھا ہے۔

حدیث سے کس قدر اہتمام نکلتا ہے معاش کے درست کرنے کا، نیز اس حدیث سے کس قدر مذمت ثابت ہوتی ہے سوال کرنے کی، اس سوال کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن سائل کے چہرے پر بد نما داغ ہوگا یہ تو سوال ہے اب چوری چماری کا کتنا بڑا داغ ہوگا؛ ہاں جن مواقع پر از روئے شرع سوال کی اجازت ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ کہ اہل و عیال پر انفاق و احسان سے اس کو اجر ملتا ہے یہ بتلا دیا کے صرف آخرت کے صدقے کرنا اصل نہیں ہے بلکہ بال بچوں پر جو

خرچ ہوتا ہے اس پر بھی ثواب ملتا ہے تو یہ دنیا کی تعلیم سکھائی کہ بال بچوں پر خرچ کرنا یہ دین کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ بھی دین ہے، یہ مفہوم ہوا کہ اولاد کے لئے مال کا ذخیرہ کرنا اور ان کی معیشت کا انتظام کرنا یہ شرعا مطلوب ہے، نیز اس ارشاد نبوی میں معاش کے متعلق نہایت حلم و احتیاط کی تاکید بھی فرمائی ؛ چنانچہ صحابۂ کرام تجارت بھی کرتے تھے، زراعت بھی کرتے تھے، کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے تو اجرت ہی پر کام کرکے رزق حلال طیب حاصل کرتے تھے، مزدوری تک کرتے تھے صحابہ۔

روایتوں سے ضرورت کسب حلال کی انتہائی فضیلت اور اہمیت ثابت ہوئی ہمارے اکابر نے اس پر ذرا بھی تکلف نہیں فرمایا اور بے جھجک **کسب الحلال فریضة** پر عامل ہوئے، دیکھو کسب الحلال فریضة ہے کہ نہیں؟ پھر ہم لوگ ان اکابر کا اتباع کیوں نہیں کرتے ؟ ان چند احادیث مذکورہ سے آپ لوگوں کو اندازہ ہوا ہوگا کہ حضور کے نزدیک معاش کا کس قدر اہتمام تھا اور امت کے تدبیر معاش میں کس قدر سعیٔ بلیغ فرمائی، نیز کسب حلال و حرام ہی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ دنیاوی زندگی میں جو تجارت نافع ہے اس کے کرنے کی تلقین کی ہے اور غیر نافع تجارت سے منع فرمایا، نیز جس بیع میں برکت ہوتی ہے اور جس میں برکت نہیں ہوتی ہے اس سے بھی آگاہ کر دیا، اس سے اس منصب کے لئے جو شفقت ہے وہ لازم و ثابت ہوتی ہے کہ اپنی امت پر کتنی شفقت تھی ایسی ایسی باتوں سے آگاہ کیا؛ (یہ سب سنو! ہم لوگوں سے کوئی سمجھنے والا نہیں ہے اور کوئی پڑھنے والا بھی نہیں ہے اس کو؛) اس طرح یہ معاش بھی معاد کی طرح عبادت بن جاتا ہے جیسے معاد آخرت کی تیاری ہے، عبادت ہے اسی طرح معاش کا انتظام کرنا یہ بھی کیا ہے ؟ عبادت ہے، یہ درس ہے مولوی صاحب ہمارا درس ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی عمل و سعی جس درجہ کی ہوگی اسی کے بقدر دنیا و آخرت میں اجر اور کامیابی ہوگی ،اگر سعی و عمل اچھا ہے تو نتیجہ بھی اچھا ہوگا،اور اگر برا ہے تو نتیجہ بھی برا ہوگا،اور اگر کم ہے تو کم اور زیادہ ہے تو زیادہ جیسا کہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے شوق و ہمت کے بقدر عطاء فرماتے ہیں، حدیث شریف میں عمل کے اہتمام کے سلسلے میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرات صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ لوگوں کی نظر ایک جوان پر پڑی جو ہاتھ پاؤں کا قوی اور مضبوط تھا، صبح ہی صبح کام کے لئے نکل پڑا تھا سب لوگ کہنے لگے اس کا ناس ہو کاش کہ یہ اپنی جوانی اور قوت کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا، یعنی طاعات بدنیہ کرتا نماز پڑھتا روزہ رکھتا جہاد کرتا تو حضور نے فرمایا ایسا نہ کہو اس لیے کہ اگر یہ اپنے بوڑھے والدین اور بیوی بچوں کے خاطر کسب کے لئے نکلا ہے تو اس کا نکلنا فی سبیل اللہ ہے، کون جانتا ہے ان چیزوں کو ؟ یہ علوم ہی مستور ہو رہے ہیں اس طرح اپنے نفس پر صرف کرنے کے لئے نکلا ہے تاکہ اس کی عفت قائم رکھ سکے اپنی پاکیزگی کو باقی رکھنے کے لئے سوال نہ کرنا پڑے ذلیل نہ ہو تو یہ نکلنا بھی اللہ ہی کے راستے میں نکلنا ہے، اگر محض ریاء اور فخر کے لئے جارہا ہے تو یہ فی سبیل الشیطان ہوگا، عیاشی اور فحاشی کے لئے جارہا ہے تو یہ برا ہے اس حدیث سے ہمارا مدعا جو ہم اوپر سے بیان کرکے آئے ہیں ثابت ہوا کہ کسب اپنے بچوں کے لئے اپنے والدین کے لئے اپنی ذات کے لئے سب فی سبیل اللہ ہے البتہ شرط یہ ہے کہ یہ صحیح حسن نیت، کسب صالح پر مبنی ہو، اور تفاخر کا سبب نہ ہو اور ایسا بھی نہ ہو کہ امور معاش میں ایسا انہماک ہو جائے کہ امور معاد بالکل نسیا منسیا ہو جائے، آخرت کو بھول ہی جائے ایسا بھی نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ یہ چیزیں علامات نفاق اور ضعف ایمان کی ہیں، پس چاہیے کہ شرع کے

مطابق راہ اعتدال کو اختیار کرے اور اپنے ارادوں کو ہر عمل میں خیر رکھیں اگر ایسا ہوگا تو امر دنیوی میں بھی اس کو ثواب ملے گا اور اس کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال ہو جائے گی۔

کچھ اصول:

اصل اول: آمدنی اگرچہ قلیل ہو مگر اس سے کچھ پس انداز کرنا چاہیے، جو شخص آمدنی زیادہ خرچ کرتا ہے، وہ احمق ہے، ضرورت کی اشیاء نقد لو کسی کے مقروض نہ رہو، آئندہ کی آمدنی کے توقع سے سب مال خرچ نہ کر ڈالو، اس لئے کہ جو چیز حاصل نہیں اس پر کیا بھروسہ ملے یا نہ ملے؟ جو شخص آئندہ کی امید پر خرچ کرے گا وہ قرض اور فقر میں مبتلا ہو جائے گا، اپنے مال کو ہلاک کرنے سے بچاؤ اس لئے کہ نہ تو تم کو اس سے نفع ہوگا اور نہ کسی اور کو، اپنے اعمال کی خود نگرانی کرو، اگر عمل خود کر سکتے ہو تو خود کرو اس لئے کہ مثل ہے لا یھتم فی العمل یعنی جس کا جو کام ہوتا ہے وہی اس کا بخوبی اہتمام کر سکتا ہے، کسی شئی کی حفاظت اور نگرانی اس کے مالک کی ہی آنکھ کر سکتی ہے، اگر کسی چیز کی ضرورت نہ ہو اس کو نہ خریدو اگرچہ وہ سستی ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ اگر تم کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو مفت میں ملے تو گراں ہے، اپنے مستقبل پر نظر رکھو، اور ایسا حساب رکھو کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو مالی پریشانی نہ ہو پس اگر ان اصول اقتصاد پر عمل پیرا ہو جائیں، اور خرچ کرنے والے اہل حقوق سبھی لوگ ان کی رعایت کریں، افراط و تفریط سے بچیں، اہل حقوق بھی بے جا خرچ سے احتراز کریں، آج ہماری گھریلوں زندگی سنور جائے تو اطمنان اور سکون میسر آجائے۔

اقتصاد کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات صحابہ کرام کے اقوال سے اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ حضرات امور معاش اور خانہ داری میں کس قدر مہارت اور بصیرت

رکھتے تھے ؛ بے شک ایسی تعلیمات اللہ کا رسول ہی کر سکتا ہے، یعنی وہ شخص جو مشکوۃ نبوت سے نور اخذ کئے ہو بغیر اس کے کوئی ایسی باتیں سکھائی ہی نہیں سکتا، مگر ان تمام ارشادات عالیہ اور اقوال سلف ہم لوگ بالکل بھولے ہوئے ہیں ،اغیار نے ان تعلیمات کو لے لیا اس کے مطابق کام کیا تو دنیا سے کیسی کیسی ترقی حاصل ہوئی ، اور ہم لوگ ایسے خواب میں مدہوش ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارے اکابر کی ہدایات امور معاش کے متعلق کچھ ہے بھی کہ نہیں؟ اس مختصر مضمون سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ شریعت میں معاد کی طرح معاش کا بھی کامل انتظام ہے ،اور یہ غلط فہمی بھی رفع ہوئی کہ نبی نے فقط نماز روزے ہی کی تعلیم نہیں فرمائی ؛ بلکہ مال کی بھی تعلیم فرمائی، نیز آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ اکابر صحابہ سے جہاں تک اس مسئلے پر استدلال کیا اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام سب امت سے افضل ہیں تو ان کا معاش کے بارے میں یہ اہتمام عین رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، پس ہمارا دعوی الحمد للہ ثابت ہوگیا،فللہ الحمد و المنۃ وصي اللہ غفر لہ ،اب دعا کر لو ،اللہ تعالی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطافرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

غایت عنایت کا بدلہ غایت طاعت:

جامع الاضداد ﴿ اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ۝۳﴾ (کوثر) ہم نے آپ کو خیر کثیر دیا ہے، آپ کو ہم نے قرآن دیا ہے، اسلام دیا ہے، دین دیا ہے، اور تمام ایسے کرامات سے مرصع کیا ہے جو پہلے لوگوں کو نہیں دیا ، کوثر میں سب داخل ہیں، جتنی عنایات ہیں سب کوثر کے اندر داخل ہیں، سب کچھ ہم نے آپ کو دیا ہے، لیکن اس کا فریضہ کیا ہے؟ اس کا بدلہ کیا ہے؟ نماز پڑھیے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ۝۲﴾ وہ جو ہم نے دیا ہے آپ کو غایت عنایت کی بنا پر دیا ہے، اس وجہ سے آپ کو غایت طاعت اختیار کرنا چاہیے اور غایت طاعت نماز میں ہے

اور کسی میں اتنا نہیں ہے غایت طاعت، ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ (رحمٰن: ٦٠) اس کا ترجمہ کیا کیا ہے مولانا تھانویؒ نے؟ غایت طاعت کا بدلہ غایت عنایت کے علاوہ اور کچھ ہو سکتا ہے؟

ری یونین کی دعوت:

یہ میں نے پڑھا ظہر بعد کی مجلس میں وہاں پر ایک ری یونین کے آدمی تھے، تو میں نے ﴿انا اعطینالك﴾ پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ غایت طاعت کا بدلہ غایت عنایت کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے، میں نے الٹا کہا، اصل یہ ہے کہ غایت عنایت کا بدلہ غایت طاعت کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ ہم نے تم پر عنایت کیا ہے، تم اس کو غایت طاعت نماز سے ادا کرو، اس کو الٹا دیا ہے کہ نہیں؟ اسی پر انہوں نے کہا، آپ کو میں ری یونین کی دعوت دیتا ہوں، آپ چلیے وہاں، انہوں نے کہا، یہ بات میں نے کبھی سنی ہی نہیں تھی آج تک، وہاں غایت طاعت کا بدلہ غایت عنایت کے علاوہ اور کچھ بھی ہو سکتا ہے؟ اور یہاں غایت عنایت کا بدلہ غایت طاعت کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے وہ نماز ہے، ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ آپ نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے، بدنی عبادت کیجیے اور مالی عبادت کیجیے، وانحر قربانی کیجیے، قربانی میں مال ہی تو خرچ ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایات جو ہے اس کا ہم بدلہ کیا چکا سکتے ہے؟ جہاں تک ہو سکے اپنے بدن کو ان کی عبادت میں صرف کرو، اپنے مال کو ان کے راستہ میں خرچ کرو۔

امور تعبدیہ کی حکمت میں الجھنے کی ضرورت نہیں:

بہرحال اخلاق کی بات میں نے کی، نبی اکرم ﷺ نے رمضان کے متعلق فرمایا: اولھا رحمة اس کا اول رحمت ہے اور درمیانی مغفرت ہے اور اخیر کیا ہے عتق من النار، ابھی ترتیب بہ ترتیب میں بہت سے علماء نے کہا، کچھ کہا، ترتیب

سے زیادہ بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، یہ سب بحث چھوڑو، بس یہ سمجھو کہ اللہ کی خاص رحمت اس عشرہ میں نازل ہوتی ہے اور خوب دعا کرو، میری تقریر بھی یہی ہے مختصر، علماء کے سامنے بھی بیان کردیتا ہوں یہ بات کہ میں نے کہا، بہت زیادہ اقوال میں نہ پڑو، یہ سمجھو کہ اللہ میاں نے اور اللہ کے رسول نے جب کہا رمضان کا پہلا عشرہ کیا ہے؟ رحمت ہے تو رحمت کی دعا کرو، بس کیا چکر میں پڑے ہو کہ مغفرت کا پہلے کیوں کہا اور اس کو بعد میں کیوں کہا، خوب دعا کرو۔

موت اور مابعدالموت کی تکمیل شریعت محمدی کا خاصہ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی بحث کو مکمل کیا ہے، شرک کی بحث کو مکمل کیا ہے۔آیات اللہ، آلاء اللہ کی بحث کو مکمل کیا ہے۔یہ جو حوادث پیدا ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے بیان کیا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا ہے۔یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے، یہ عذاب آئے، سب بیان کیا ہے۔لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان بحثوں کو تو مکمل کیا ہی ہے لیکن موت اور مابعدالموت کی بحث کو بھی مکمل کیا ہے، کسی نبی نے ان بحثوں کو مکمل نہیں کیا تھا۔توحید اور شرک کی بحث کو مکمل کیا حضرت موسیٰؑ نے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، حضرت عیسیٰؑ نے۔اس میں نبی اکرم ﷺ شریک ہے، مگر موت کی بحث میں صرف تنہا نبی اکرم ﷺ ہے، اور آخری نبی ہے، اس بنا پر اس سلسلہ کو گویا ختم کردیا۔

صحت سے کام میں انشراح ہوتا ہے:

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے خود فرمایا: قمر الزمان! دعا کرو اللہ تعالیٰ مجھ کو صحت دے، تو میں نے کہہ دیا کہ حضرت الحمد للہ

حضرت والا سے خوب کام ہو رہا ہے، تو فرمایا کہ بھائی ! صحت جب رہتی ہے تو کام میں انشراح رہتا ہے، سبحان اللہ ! کتنی عمدہ بات فرمائی۔

حضرت حکیم الامتؒ کی حکمت بھری بات:

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عمدہ بات لکھی ہے، عام طور پر علماء کہتے ہیں اور آپ لوگ بھی یہی سنتے ہوں گے کہ کھانا کھانا تقوی للعبادت یعنی عبادت کے لئے قوت حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہئے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے، مگر حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے نکتہ کی بات تحریر فرمائی، بڑی باریک بات فرمائی، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بھائی ! میں تو اپنی بھوک مٹانے کے لئے کھانا کھاتا ہوں، اے اللہ ! میں عاجز ہوں جب تک آپ کھانا نہیں دیں گے میری عاجزی دور نہیں ہوگی۔

چنانچہ معلوم ہونا چاہئے کہ کھانے کے بعد دعا میں بھی یہی پڑھا جاتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے : **الحمدللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ غیر مکفی و لا مودع و لا مستغنی عنہ ربنا** .(بخاری) تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور پاکیزہ و بابرکت شکر ہے، نہ اس کھانے سے کفایت کی جاسکتی ہے اور نہ خیر باد کیا جاسکتا ہے، اے ہمارے پروردگار! اس کھانے سے مستغنی نہیں ہوا جاسکتا ہے، یعنی پھر ضرورت پڑے گی تو پھر مانگوں گا، یہ عبدیت کی بات ہے۔

شرح صدر:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝ ہم نے آپ کے سینے کو علم اور حلم سے کشادہ نہیں کر دیا ؟ معلوم ہوا کہ شرح صدر کے لیے سینہ کا علم اور حلم سے بھرا ہوا ہونا ضروری ہے۔ علم تو ایک نور ہے، علم جہالت نہیں ہے۔ ہمارے حضرت بہت فرماتے تھے کہ

ایک عام مقابلہ جو لوگ کرتے ہیں کس سے؟ایمان اور کفر کا، اور میں مقابلہ کرتا ہوں علم اور جہل کا۔ وہ جو لڑتے تھے حضور ﷺ سے۔ حضور ﷺ علم پیش کرتے تھے، ان کی جہالت اس کو قبول نہیں کر رہی تھی۔تو ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اصل مقابلہ یہاں کفر اور ایمان کا نہیں تھا؛ بلکہ مقابلہ علم اور جہل کا تھا۔ علم اصل ہے، علم ہی سے ایمان ہے اور جہل سے کفر ہے۔ابو جہل کو ابو جہل کہا گیا، ابو الکفر نہیں کہا گیا، معلوم ہوا کہ کفر کی وجہ جہل ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالی نے کیا دیا؟ صدق دیا، تصدیق دیا، وہ علم کی وجہ سے دیا۔

علم صحیح تو نتیجہ بھی صحیح:

علم صحیح جو ہے اس کا نتیجہ بھی صحیح ہی نکلتا ہے،اور علم صحیح نہیں ہے تو اس کا نتیجہ بھی غلط ہی نکلتا ہے،اس بناء پر مولانا تھانویؒ نے ترجمہ کیا ہے،﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝۱﴾، ہم نے آپ کے سینے کو علم سے اور حلم سے کشادہ نہیں کر دیا؟علم صحیح نہیں ہے تو اس کا نتیجہ بھی غلط نکلتا ہے۔ علم کیا ہے ؟ اللہ تعالی کی محبت، اللہ تعالیٰ کی معرفت، نبی اکرم ﷺ کی محبت ، یہ سب کیا ہے ؟ یہ سب علم سے تعلق رکھتے ہے۔جو علم رہبری نہ کرے دین کی طرف ،ایمان کی طرف وہ علم ہی نہیں ہے۔ جو علم رہبری نہ کرے حق کی طرف وہ جہالت ہی ہے۔

شرعیات سے ہی شرعی مثال سمجھانا:

چنانچہ اگر کوئی چلتے پھرتے بھی اپنا وظیفہ پورا کرے گا تو اس کے فیوض و برکات سے ضرور مالا مال ہوگا، جیسے حج کی سعی میں دوڑا بھی جاتا ہے اور دعا بھی پڑھی جاتی ہے ، طواف میں چکر لگائے جاتے ہیں اور دعا بھی پڑھی جاتی ہے، ذکر بھی کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوڑنا مانع ذکر نہیں ہے، اور چکر لگانا بھی مانع ذکر نہیں ہے ، ہر حال میں آدمی ذکر کر سکتا ہے، دکان پر رہ کر بھی کر سکتا

ہے اور اسپتال میں رہ کر اور بازاروں میں چلتے ہوئے بھی ذکر کر سکتا ہے، پس ذکر ایسی چیز ہے کہ ہر حال میں آدمی کر سکتا ہے، اس کے لئے وضو کی بھی قید نہیں ہے، اس کے لئے مکان کی بھی قید نہیں ہے، اس کے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔

محبت خداوندی کو حسی مثالوں سے سمجھانا

حضرت شیخ المشائخ نے شرعی احکام کو حسی مثالوں سے واضح کیا ہے اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہے:

میرے دوستو بزرگو! ہم سب کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے، ہم کو اپنے حالات میں غور کرنا چاہئے، جو جہاں پر ہے اس سے ترقی کرنا چاہئے، جس حال پر ہم سولہ سال کی عمر میں رہیں اسی حال پر ہم ساٹھ سال کی عمر میں رہیں، کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے؟ باطنی ترقی ہونی چاہئے، ظاہری سے زیادہ باطنی ترقی کی ضرورت ہے، اللہ کا قرب وقبول یہ بہت بڑی نعمت ہے، حضرت خواجہ معصوم فرماتے ہیں: مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جن کے دلوں میں اللہ کی محبت نہیں ہے، وہ کیسے زندہ ہیں، جہاں رہ رہے ہو، جس کا کھاپی رہے ہو اسی سے محبت نہیں۔ افسوس کی بات ہے۔

میرے دوستو! ایک شخص لندن میں تھے، وہ بہت زیادہ حکومت کے خلاف تحریک چلاتے تھے، حکومت کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہاں کے وزیر نے انہیں بلایا اور کہا کہ بتلاؤ تم کھانا کہاں سے کھاتے ہو؟ تو آپ لوگوں کو تو معلوم ہی ہے کہ حکومت کی طرف سے وہاں عامۃ لوگوں کو وظیفہ ملتا ہے اور اس پر ان کی معاش کا دارومدار ہوتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا

ہے جس سے ہمارا کام چلتا ہے، تو اس وزیر نے کہا کہ جس کا کھار ہے ہو اسی کو گالی دے رہے ہو؟ تم کو شرم معلوم نہیں ہو رہی ہے؟

دنیوی سفر سے آخرت کے سفر کو قیاس کرنا:

یہ سب سفر تو آسان ہے لیکن ہم کو یاد رکھنا ہے کہ ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کے جانا ہے، تب ہمارا سفر تمام ہوگا، اس سفر کی تیاری کرو، رب کی طرف جانا ہے، یہ سب سفر سورت ، بھروچ ، بروڈہ اور پھر بروڈہ سے گھر، یہ بھی سفر ہے لیکن اصل سفر آخرت کا سفر ہے اور ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ﴾ (زخرف: ١٣) میں اس طرف اشارہ ہے، یہ سب تمہارے عارضی اور مجازی اسفار ہیں، اصلی سفر تو وہی ہے جب ہم اللہ کی طرف جائیں گے، لہٰذا اس اصلی سفر کی تیاری کرو، دیکھو! ان عارضی سفروں میں کتنی دشواریاں پیش آتی ہیں، تم اس سے عبرت حاصل کرو اور سوچو کہ جب یہ دنیوی اسفار اتنے مشکل ہیں تو کیا اللہ کی طرف یونہی پہنچ جاؤ گے؟ سوچئے کہ اس کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں گے، اس لئے اللہ تبارک و تعالی کے راستہ پر چلنے کے لئے آدمی کو تیار و مستعد رہنا چاہئے، جو مستعد ہوگا وہ شیر مرد اور طالب خدا کہلائے گا۔

مؤمن ومنافق کا لطیف فرق:

اب یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ جھوٹ بولتے ہیں، بہت سے لوگ وعدہ خلافی کرتے ہیں اور بہت سے لوگ خیانت کرتے ہیں تو کیا یہ سب منافق ہو جائیں گے؟ تو حضرت نے بہت ہی تحقیق کے بعد اس کا جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اس کی عادت بن جائے، جب بھی وہ بات کرے تو جھوٹ کہے۔ اور اگر کبھی شاذ و نادر اس سے جھوٹ کا صدور ہو جائے تو وہ منافق کے زمرہ میں نہیں آئے گا، بلکہ منافق وہ شخص کہلائے گا جس کی یہ عادت لازمہ بن جائے کہ جب

بھی بات کرتا ہو وہ جھوٹ بولتا ہو، گویا جھوٹ بولنے کا عادی ہو چکا ہو۔ اسی طرح جب بھی اس کے پاس امانت رکھی جائے وہ خیانت کیا کرے اور جب بھی وعدہ کرے تو اس کے خلاف کیا کرے ایسی صورت میں وہ منافق ہوگا۔ حضرت نے بہت تحقیق کے بعد یہ جواب مرحمت فرمایا تھا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

ظاہری بیماری پر باطنی بیماری کو قیاس کرنا:

ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ مرض کا علاج ہم کو مل جائے، اور کوئی سہل دوا مل جائے تاکہ ان امراض سے نجات حاصل ہو جائے، تو میرے دوستو! اس طریقہ سے جو اہل اللہ ہیں وہ ہر وقت اسی سوچ میں رہتے ہیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہم نجات پا جائیں، اللہ کی ناخوشی سے کیسے ہم چھٹکارا پا جائیں، پس صحابۂ کرامؓ کو تو ہر وقت اس کا استحضار رہتا تھا، آخرت میں کیا ہونے والا ہے، اللہ کے یہاں پیشی ہونے والی ہے، اللہ سوال کرے گا، ہم کو جواب دینا ہوگا۔

نحو کی غلطی اور تصوف کی غلطی:

میں نے مہتمم صاحب سے کہا کہ نحو کی غلطی سے خطا لفظی ہوتی ہے اور تصوف کی غلطی سے خطا قلبی ہوتی ہے۔ نحو کی غلطی کیا ہے کہ **ضرب زیداً عمرٌ.** کہہ دے اور کیا کہہ دے گا؟ رفع کو نصب دیا میں نے یہ ایک مثال دی، اس لیے میں نے کہا جس کو بہت سے لوگوں نے پسند کیا کہ نحو کی غلطی سے خطا لفظی ہوگی اور تصوف کی غلطی سے خطا قلبی ہوگی، اس کو دل میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔ جیسے خطا لفظی سے بچنے کی ضرورت ہے ویسے ہی خطا قلبی سے بھی بچنے کی ضرورت ہے۔ اس بناء پر ان چیزوں کا استحضار رہنا چاہیے اور ہمارے دین میں یہ چیزیں ہیں تو ان چیزوں پر بھی ہمیں نظر رکھنا ہے تاکہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔

مقاصد شرعیہ اسلامیہ کی اصطلاحی تعریف

علمائے متقدمین کے یہاں مقاصد الشریعہ کی کوئی واضح، متعین اور دقیق تعریف نہیں ملتی، البتہ کچھ مخصوص جملے اور کلمات ضرور ملتے ہیں جو مقاصد الشریعہ کی بعض انواع واقسام اور اس کی خاص تعبیرات ومترادفات اور اس کی بعض مثالوں اور ان کی تطبیق نیز اس کی حجت وحقیقت سے متعلق ہیں۔

علمائے متقدمین نے اس ضمن میں مقاصد کے پانچ بنیادی اصول (کلیات خمسہ) کا ذکر کیا ہے:

(١) دین کی حفاظت۔

(٢) نفس کی حفاظت۔

(٣) عقل کی حفاظت۔

(٤) نسل ونسب کی حفاظت۔

(٥) مال کی حفاظت۔

اس کے علاوہ بعض ضروری ومستحسن مصالح کا ذکر بھی کیا ہے۔

نیز بعض حِکَم واسرار کے ذکر کے ساتھ اس کے احکام سے متعلق علتوں اور دلائل کا تذکرہ بھی کیا ہے اور ان عقلی ونقلی دلائل کو بھی بیان کیا ہے جو مقاصد الشریعہ کے حق اور حجت ہونے کا ثبوت اور دلیل ہیں، انہوں نے ان نقلی اور عقلی دلائل کا ذکر کیا جو مقاصد اور اس کی حجیت پر دلالت کرتے ہیں، نیز اس کی مراعات اور اس پر اعتماد کو چند متعین شرائط اور مقررہ اصول وضوابط کے ساتھ واجب کرتے ہیں، شریعت سے خروج، اس کے دلائل سے ٹکراؤ اور اس کے اصول وقواعد اور تعلیمات سے متصادم ہوئے بغیر۔

جیسا کہ علمائے متقدمین نے ان مقاصد کو بہت سی تعبیروں کے ذریعہ بیان کیا ہے جو پوری صراحت وقطعیت اور تلمیح واشارہ کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان ماہرین فن علماء نے مقاصد کی رعایت کی طرف پوری توجہ دی ہے اور نصوص واحکام کو سمجھنے اور ان میں اجتہاد کرنے اور راجح قول کی تعیین وتطبیق کرنے کا کام بھی بجاطور پر انجام دیا ہے۔

چند تعبیرات واشتقاقات:

یہ مصلحت وحکمت، علت ومنفعت، مفاسد اور اغراض ومقاصد، اسرار، معانی ومراد اور ضرر ونقصان وغیرہ ہیں جو اس کے مصادر ومراجع میں پائے جاتے ہیں۔

الموافقات میں ان قواعد کے استقراء، تحقیق اور تجزیہ کے بعد ''قاعدۂ مقصدیہ'' کی تعریف کی جاسکتی ہے کہ:

''قاعدہ مقصدیہ ان عام معانی کو کہتے ہیں جو مختلف دلائل شرعیہ سے اخذ کئے گئے ہوں اور شارع نے اپنے احکام میں ان کے حصول کا قصد کیا ہو''۔

معاصر علماء کے نزدیک مقاصد کی تعریف:

عصر حاضر میں بھی علماء ومحققین نے مقاصد الشریعہ کے موضوع کو اپنی خاص توجہات کا مرکز بنایا ہے؛ کیونکہ مقاصد الشریعہ کی اہمیت وضرورت، فقہی اجتہاد میں اس کا کردار اور شرعی قواعد وضوابط اور دلائل کی روشنی میں موجودہ زندگی کے مسائل کے حل میں اس کا رول نمایاں ہے اور اس توجہ وعنایت ہی کا نتیجہ ہے کہ علمی وفکری اور اصولی فنون میں مقاصد الشریعہ کی تدوین وتالیف کا وہی اعتبار ومقام ہے جو تمام علوم وفنون کی تعریفات واصطلاحات اور خصوصیات کا ہے۔

اس علم کی متعدد ومندرجہ ذیل تعریفات کی جاتی ہیں:

(۱) شیخ محمد طاہر بن عاشور فرماتے ہیں کہ المقاصد الشرعیہ ان معانی وحکم کا نام ہے جن کا لحاظ شارع علیہ السلام نے قانون سازی کے تمام یا اکثر احوال میں کیا ہے، اس طور پر کہ اس کا

لحاظ احکام شریعت کی کسی خاص نوع کے لئے مخصوص نہیں ہے، لہذا اس کے تحت وہ تمام شرعی اوصاف اور اس کی عمومی مقاصد وحدود اور وہ معانی داخل ہیں جن کی رعایت کئے بغیر اسلامی قانون سازی ممکن نہیں اور اسی طرح اس کے تحت حکمت ومصلحت کے وہ اصول بھی آجائیں گے جن کی رعایت احکام شریعت کی تمام انواع میں تو نہیں ہوتی؛ مگر بہت سارے مسائل واحکام میں ان کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ (مقاصد الشریعۃ لابن عاشور: ۵۱)

(۲) علامہ فاسی مقاصد الشریعہ کی تعریف اس انداز میں کرتے ہیں: مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ کی مراد اس کی غایت تک پہنچنا اور ان رموز واسرار کا علم ہے جن کو شارع علیہ السلام اور اللہ تعالی نے شریعت کے ہر حکم میں رکھا ہے۔ (مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ ومکارمہا: ۳)

(۳) ڈاکٹر ریسونی فرماتے ہیں کہ مقاصد الشریعہ وہ اصول وغایات ہیں جن کو شریعت نے بندوں کی مصلحت کو پورا کرنے کے لئے وضع کیا ہے۔

(نظریۃ المقاصد عند الشاطبی: أحمد الریسونی/ ۷)

(۴) دکتور محمد بن سعد بن احمد بن سعود الیوبی فرماتے ہیں: مقاصد شریعہ ان معانی وحکم وغیرہ کا نام ہے جن کی رعایت شارع نے بندوں کی ضروریات اور مصلحتوں کے پیش نظر عمومی وخصوصی حالات میں قانون ودستور بناتے وقت کی ہے۔

(مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ وعلاقتها بالأدلۃ الشرعیہ: ۳۷)

(۵) علامہ فتحی الدرینی تعریف کرتے ہیں: مقاصد الشریعہ ایسی قسم ہے جو صیغوں اور نصوص کے پردہ میں پوشیدہ ہوتی ہے اور قانون سازی کے وقت اسے کلیات وجزئیات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ (مقاصد المکلفین عند الأصولیین: ۱/ ۳۵)

(٦) دکتور مصطفٰی بن کرامت اللہ مخدوم کے نزدیک مقاصد وہ مصالح ہیں جن کا قصد شارع نے احکام کی تشریع کے وقت فرمایا ہے۔ (قواعد الوسائل فی الشریعۃ الإسلامیۃ: ۳۴)

(۷) دکتور نور الدین الخادمی فرماتے ہیں کہ مقاصد الشریعہ ان معانی ومراد کو کہا جاتا ہے

جن کا لحاظ شرعی احکام میں کیا جاتا ہے اور جن پر احکام مرتب ہوتے ہیں، خواہ ان کا تعلق جزئی حکمتوں سے ہو یا کلی مصلحتوں سے، یا پھر اجمالی خصوصیات سے ہو، یہ سب معانی ایک مقصد کے ضمن میں جمع ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ کی بندگی پر دل کو جمانا اور دنیا وآخرت میں انسان کی مصلحت وضرورت کی رعایت کرنا ہے۔

(الاجتهاد المقاصدی حجیته ضوابطه مجالاته: د: نور الدین الخادمی: ۱/ ۵۲-۵۳)

خلاصہ بحث:

یقینی طور پر ان تمام مصلحتوں کو مقاصد شرعیہ کہا جائے گا جن کا ارادہ حکیم شارع نے اپنے بندوں کی فلاح وصلاح کے لئے کیا ہے، جیسے روزہ کی مصلحت تقویٰ کے اعلیٰ مقام تک پہنچانا ہے، جہاد کی حکمت ظلم وزیادتی کا قلع قمع کر کے امت کو فتنہ وشر سے بچانا ہے، نکاح کی مصلحت نگاہ وشرمگاہ کی حفاظت اور نسل واولاد میں اضافہ کر کے دنیا کو آباد رکھنا ہے۔
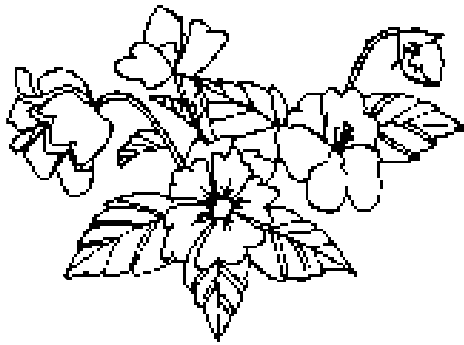
مقاصد شریعہ کی اہمیت

کتاب وسنت میں جو احکام آئے ہیں وہ کسی نہ کسی مصلحت اور مقصد پر مبنی ہیں، شریعت کا کوئی حکم مقصدیت سے خالی اور مصلحت سے عاری نہیں ہوسکتا۔ کچھ مقاصد عمومی نوعیت کے ہیں، جو پوری شریعت اسلامی کے لئے اساس وبنیاد کا درجہ رکھتے ہیں، اور غور کیجئے تو یہ انسانی زندگی کی تمام ضرورتوں اور مصلحتوں کو جامع بھی ہیں، یعنی دین کی حفاظت، جان کی حفاظت، نسل کی حفاظت، مال اور عقل کی حفاظت۔ انسان اپنی زندگی میں جو بھی بہتر کام کرتا ہے وہ اسی دائرہ کے اندر ہوتا ہے، اسی لئے اسلامی قانون کے ماہرین نے ان ''مقاصد خمسہ'' کو شریعت کے احکام کی اصل قرار دیا ہے، پھر اگر غور کیا جائے تو ہر حکم کے ساتھ جزئی مقاصد اور مصالح بھی وابستہ ہیں، نماز خدا کی یاد کو تازہ رکھتی ہے، روزہ سے ضبطِ نفس کی قوت پیدا ہوتی ہے، زکوۃ سے غریبوں کی مدد ہوتی ہے، نکاح قلب ونگاہ کو عفیف وپاکدامن بناتا ہے، تجارت ضروریات زندگی کی فراہمی کا ذریعہ ہے، سود کی حرمت کا مقصد غریبوں کے استحصال کو روکنا ہے، زنا کی ممانعت کا مقصد معاشرہ کو بے حیائی، بداطواری اور امراض خبیثہ سے محفوظ رکھنا ہے، یہی حال دوسرے احکام کا ہے، فقہاء نے اجتہاد واستنباط میں ان بنیادی اور جزوی مقاصد ومصالح کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔

ان مقاصد و مدارج کا فہم تفقہ فی الدین کے لئے روح اور اساس کا درجہ رکھتا ہے، اس کو پیش نظر رکھے بغیر جو رائے قائم کی جائے گی وہ یا تو افراط پر مبنی ہوگی یا تفریط پر، اور اس میں اباحیت کا رنگ ہوگا یا حرج وتنگی کا، اور یہ دونوں ہی باتیں شریعت کے مزاج ومذاق اور اس کے مقصد ومنشاء کے خلاف ہیں، اس لئے ہر دور میں جو نئے مسائل پیدا ہوں، ان پر غور کرنے، ان کے بارے میں حکم شرعی کو جاننے اور مزاج شریعت سے ہم آہنگ رائے قائم کرنے کے

لئے مقاصد احکام اور مدارج احکام پر عمیق نظر اور بصیرت ضروری ہے، کیونکہ فقہی جزئیات ہو سکتا ہے کہ ایک خاص عہد کے تقاضوں پر مبنی ہوں، لیکن شریعت کے مقاصد اور مصالح کی حیثیت دائمی اور ابدی ہے۔

مقاصد شریعت کا موضوع ایک مستقل فن کے طور پر معروف نہیں رہا، لیکن یہ حقیقت بھی اسی طرح اٹل مانی جائے گی کہ احکام شریعت کے استنباط اور قانون سازی کے عمل میں مقاصد شریعت ایک روح بن کر جاری وساری ہے، علامہ شاطبی نے کہا ہے کہ اجتہاد کے لئے دوشرطیں ہیں: پہلی شرط مقاصد شریعت سے واقفیت ہے اور دوسری شرط تمام متعلقہ علوم اسلامیہ سے واقفیت۔

مقاصد شریعت کی وجہ سے شریعت کے احکام اپنے فطری مزاج یعنی یسر وسہولت پر باقی رہتے ہیں۔ مقاصد شریعت کی وجہ سے ہی بدلے ہوئے حالات میں بھی شریعت کے احکام اپنی روح اور مقصود سے وابستہ رہتے ہیں، مقاصد شریعت ہی ہے جس کی بنیاد پر متعارض مصالح میں اور احکام کے مدارج ومراتب میں صحیح درجہ بندی قائم ہو پاتی ہے، اور اس پر یہ بھی اضافہ کیجئے کہ یہ مقاصد شریعت ہی ہے جس کی وجہ سے شریعت کے احکام سے اس کے مطلوبہ نتائج تک رسائی ہو پاتی ہے، مقاصد شریعت فقہی اختلاف آراء سے استفادہ کا ماحول فراہم کرتے ہیں، اور مقاصد شریعت کے ذریعہ ہی شریعت اسلامی زمینی حقیقتوں سے جڑ کر سب کے لئے قابل عمل بنی رہتی ہے، اور یہ بھی کہ مقاصد شریعت کے ذریعہ اسلامی شریعت کی عظمت وہمہ گیری، حسن وخوش نمائی اور ثبات وتغیر پذیری نمایاں ہوتی ہے، اور آخر میں یہ کہ مقاصد شریعت صرف قانون سازی میں نہیں بلکہ حیات اجتماعی کے مختلف معاملات کے اندر سلوک وکردار، اقدامات اور فیصلوں میں رہنما رول ادا کرتے ہیں۔

اسلامی شریعت کے عمومی نظریات، امتیازات، آفاقی اصول وکلیات اور قانون سازی کے بنیادی اصول وغیرہ عنوانات پر بھی علمائے کرام اور ماہرین قانون نے مستقل کتابیں لکھیں

ہیں اور اس میں انسانی قانون کے بالمقابل اسلامی قانون کا اصولی موازنہ کرتے ہوئے اسلامی قانون کی قانونی حیثیت، تقدیس کا پہلو، قانونی معنویت، قانونی وحدت، نفاذ کی قوت، انسانی نفسیات ومصالح کی رعایت، اور دونوں میں مقاصد کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے اسلامی قانون کے آفاقی اصول وکلیات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جس میں اسلام کا نظریۂ مساوات، نظریۂ آزادی، فکر وضمیر کی آزادی، مذہبی آزادی، زبان وبیان کی آزادی، اسلام کا نظریۂ شوریٰ، جمہوریت اور آمریت کی ناکامی کے اسباب، تحدید اختیارات کا نظریہ اور حکمران کے لیے حدودِ اختیارات کو بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی شریعت کا عمومی نظریہ پیش کرتے ہوئے اللہ تعالی کی حاکمیت، شریعت کی بالا دستی اور حکمرانی، شریعت کی عقلیت اور تجرباتی منہج، عمل اور نیت، اجتماعی اور منظّم شریعت، انسان کی سرگرمیوں میں شریعت کی مداخلت کے حدود، ثبات اور لچک میں توازن، اسلامی شریعت کی ہمہ گیری، توسط واعتدال، عدالت، شریعت اور تاریخ سازی، شریعت اسلامی میں درجات احکام کی ترتیب کے تدریجی اصول، اجمال وتفصیل، حکیمانہ قوانین، اعلیٰ اخلاق پر مبنی وسیع قانونی نظام وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

مصالح مرسلہ:

چونکہ شریعت کے تمام احکام انسانی مصالح کے لیے دیئے گئے ہیں اور انسانی مصالح کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہر زمانہ میں نئے نئے انسانی مصالح پیش آتے رہتے ہیں، لہذا اگر شریعت نے ان مصالح کو لغو نہیں قرار دیا ہے تو خواہ ان مصالح کے اعتبار کی کوئی دلیل شریعت میں موجود نہ ہو وہ مرسل مصالح ہیں اور شرعی احکام میں ان کی تکمیل پیش نظر رکھی جائے گی، کیونکہ اگر ان مصالح مرسلہ کی رعایت پیش نظر نہیں رکھی گئی اور محض ان کی بنیاد پر شرعی احکام نہیں دیئے گئے تو شریعت زندگی کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور ائمۂ مجتہدین نے ایسے مصالح مرسلہ کی بنیاد پر بہت سے فیصلے کیے اور شرعی احکام

دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے منتشر قرآنی اوراق اور تحریر قرآنی کو ایک مصحف کی شکل میں جمع کیا، زکوۃ نہ دینے والوں سے جنگ کی۔ حضرت عمرؓ نے قید خانے بنوائے، قحط سالی کے زمانہ میں چوری کی سزا نافذ نہیں کی۔ حضرت عثمانؓ نے قرآن کے ایک لہجہ (رسم الخط) پر پوری امت کو جمع کیا، ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔

صحابۂ کرام نے حضور ﷺ کے بعد شراب خور کو اسّی کوڑوں کی سزا دینے پر اتفاق کرلیا، یہ فیصلہ بھی مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے کیا گیا تھا، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ شراب خوری فضول بکواس پر ابھارتی اور بالآخر افترا پردازی اور پاکیزہ شریف عورتوں پر تہمت طرازی پر منتج ہوتی ہے۔

خلفاء راشدینؓ نے متفقہ طور پر صنّاعوں پر ضمان عاید کرنے کا فیصلہ کیا، اگرچہ جو اشیاء ان کاریگروں کو کام کے لیے دی جاتی تھیں وہ اصولاً امانت کی حیثیت رکھتی تھیں (اور امانت میں نقصان واقع ہوجانے یا اس کے ضائع ہوجانے کی شکل میں امانت دار سے تاوان نہیں وصول کیا جاسکتا) لیکن عملا صورت حال یہ تھی کہ لوگوں میں صنّاعوں کی بڑی طلب تھی، اگر ان صنّاعوں کو لوگوں کے سامان ضائع ہوجانے یا ان میں نقص واقع ہوجانے پر قابل تاوان نہ قرار دیا جاتا تو یہ لا پروائی برتتے اور عوام کا نقصان ہوتا۔ ایسی شکل میں مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان پر ضمان عاید کیا جائے، اسی بنا پر حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو ان سامانوں کا ذمہ دار قرار دینے کی بابت یہ فرمایا ہے کہ: ''اس کے بغیر لوگوں کے مفادات کا تحفظ نہیں ہوسکتا''۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے ملاوٹ کرنے کی سزا کے طور پر ایک بار پانی ملا ہوا دودھ زمین پر بہا دیا تھا، یہ اقدام بھی مصلحتِ عامہ کے تحفظ کے لیے تھا؛ تاکہ تاجر عوام کو دھوکہ دینے سے باز آجائیں۔

آپ کے بارے میں منقول ہے کہ اگر کسی آدمی کے قتل میں ایک پورا گروہ شریک ہوتو آپ پورے گروہ کے قتل کا فیصلہ کرتے تھے؛ کیوں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔

مقاصد شرعیہ کے فوائد

مقصدی قاعدہ کے مندرجہ ذیل فائدوں کے سامنے آنے سے اس کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے۔

(۱) یہ مقاصدی قواعد، مجتہد کے ذہن میں شارع کے مقاصد کا ایک مکمل خاکہ مہیا کردیتے ہیں، اگر یہ خاکہ اس کے ذہن میں خوب اچھی طرح رچ بس جائے تو وہ اپنے ہر اجتہاد میں شارع کے مقاصد کا خیال بخوبی رکھ سکتا ہے، اس طرح یہ مقاصد (جو در حقیقت شرعی کلیات ہیں) اجتہادی فکر کو افراط وتفریط اور ہر طرح کی لغزش سے محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

بطور مثال امام شاطبیؒ کے ذکر کردہ اس مقصدی قاعدہ کو لے لیجئے:

''نصوص پر عمل کرنے کے سلسلے میں ''حرفیت'' کا رویہ مقصود شارع سے متصادم ہے، اور نصوص کے ظاہر کا مکمل اہمال بھی ایسا ہی ہے''۔ (شاطبی: الموافقات: ۳/ ۱۵۴)

اس قاعدہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ صرف نصوص کے ظاہر کا اعتبار کرنا شارع کے مقصود سے مطابقت نہیں رکھتا؛ بلکہ یہ تشریع کی حقیقت کے منافی ہے، اس لئے کہ تشریع محض ایسے معانی نہیں ہوا کرتی جو زبان کے قواعد کی مدد سے حاصل کر لئے جائیں؛ بلکہ اس میں حکم کی علت وحکمت، مصلحت وغایت پر مشتمل متعدد دلائل وقواعد کا دخل ہوتا ہے؛ لہذا کسی بھی طرح یہ رویہ صحیح نہیں ٹھہرایا جاسکتا کہ مجتہد کسی حکم شرعی کو اس کی علت، حکمت اور مقصد سے بے تعلق کردے اور صرف نصوص کے ظاہر کا اعتبار کرے۔

اسی طرح یہ طریقۂ کار بھی صحیح نہیں ہے کہ زبان کے قواعد کا مطلقاً اعتبار نہ کیا جائے، اس لئے کہ نص کو سمجھنے اور اس کی حقیقت کے ادراک میں زبان کے ان قواعد کا بھی بڑا کردار ہوتا ہے۔

یعنی مجتہد پر یہ لازم ہے کہ وہ معتدل راہ اختیار کرتے ہوئے حکم کو نہ اس کے ان مقاصد ومصالح سے بے تعلق کرے جن کی وجہ سے ہی حکم مشروع ہوا ہے، اور نہ زبان کے قواعد اور الفاظ کے مدلولات سے صرف نظر کرے۔(اس سلسلے میں تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

درج بالا کلام سے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ قاعدہ اجتہاد کا رخ صحیح رکھنے کا ایک وسیلہ وذریعہ ہے۔

(۲) اسی طرح یہ ''مقاصدی قواعد'' فقہ اسلامی کے عام مبادی کے ضابطے بناتے ہیں، جیسے رفع حرج اور فعل کے انجام کا خیال رکھنا وغیرہ، مثلاً امام شاطبیؒ نے شریعت کی نگاہ میں معتبر مشقت پر بحث کرتے ہوئے یہ ''مقصدی قاعدہ'' ذکر کیا ہے: ''اگر مشقت معمول کی نہ ہو، اور اس کے نتیجے میں مکلف کو دینی یا دنیاوی فساد کا سامنا کرنا پڑے تو پھر ایسی مشقت کو دور کرنا شارع کو مقصود ہے''۔(شاطبی:الموافقات:۲/ ۱۵۶)

اس قاعدے نے اس مشقت کی تحدید کر دی جس کے نتیجے میں تیسیر لازم ہوتی ہے، اس قاعدہ کے مطابق یہ وہ مشقت ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں (انجام کار) دینی یا دنیاوی فساد لازم آئے۔

یہ اور اس جیسے دیگر قواعد کی شروط وتفصیلات کا یہ مقام نہیں ہے، اس لئے یہاں ان چیزوں سے بحث نہیں کی جارہی ہے۔

(۳) ان ''مقاصدی قواعد'' سے وہ راہ بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے جس پر چلتے ہوئے شریعت کے جزوی احکام کلیات سے مربوط ہوتے ہیں، اور یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ جزئیات کلیات کے قیام وحصول میں مدومعاون ہوتے ہیں۔

امام شاطبیؒ کے یہاں یہ حقیقت اس وقت خوب اچھی طرح واضح ہوئی ہے جب انہوں نے ضروریات، حاجیات اور تحسینیات پر بحث کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ شارع کے مکلفین سے تمام مطالبے ان تینوں (ضروریات، حاجیات اور تحسینیات) کی حفاظت سے ہی متعلق ہیں، فرماتے ہیں: ''تکلیفات شرعیہ کا تعلق مقاصد شریعت سے ہے، یہ مقاصد تین

طرح کے ہوتے ہیں: (۱) ضروریات (۲) حاجیات اور (۳) تحسینیات''۔ (ایضا: ۲/ ۸)

انہوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ تینوں ہم مرتبہ نہیں ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے بعض قواعد بھی ذکر کئے ہیں: مثلا'' مقاصد ضروریہ شریعت میں مقاصد حاجیہ اور تحسینیہ کے لئے اصل کا درجہ رکھتے ہیں''۔ (شاطبی: الموافقات: ۲/ ۱۶) اور'' امور ضروریہ سے متعلق احکام امور حاجیہ اور امور تحسینیہ سے متعلق احکام جیسے نہیں ہوتے ہیں''۔ (ایضا: ۳/ ۲۰۹)

ان قواعد سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شرعی احکامات اگر چہ مختلف موضوعات اور حیثیت کے ہوتے ہیں، لیکن یہ باہم دیگر مربوط ہوکر احکام کا ایک مجموعہ بناتے ہیں، پس ضروریات حاجیات کی اصل ہیں اور حاجیات تحسینیات کی اصل ہیں، لہذا حکم ضروری سے اور حکم تحسینی حکم حاجی سے مقدم نہیں ہوسکتا۔

اس طرح یہ قواعد اس تشریعی منہج کو واضح کرتے ہیں جس کو شارع نے اپنی تشریعات میں برتا ہے۔

(۴) ان قواعد کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے ہر ایک مستقل دلیل شرعی کی حیثیت رکھتا ہے، بہت سے دلائل شرعیہ کے استقراء سے ماخوذ ہونے کی بنا پر یہ قواعد ایسی دلیل کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں جن کو بلا جھجھک دلیل مان کر کوئی مجتہد نئے مسائل کے شرعی حل دریافت کرسکتا ہے، اسی طرح تعارض ظاہری کو دور کرنے میں بھی ان سے مدد لی جاسکتی ہے۔

(۵) یہ قواعد شریعت اسلامی کے بے سمت وبے راہ ہونے کی پرزور نفی کرتے ہیں، ہر مقصدی قاعدہ جن معانی پر مشتمل ہوتا ہے وہ اس بات کی واضح دلیل ہوتے ہیں کہ شریعت اسلامی کوئی بے سمت شریعت نہیں؛ بلکہ وہ نہایت بلند مقاصد کے حصول کی کوشاں ہے، ان معانی کی توضیح وتشریح لازمی ہے، تاکہ ارشاد ربانی ﴿**افحسبتم أنما خلقنا کم عبثا**﴾ (مؤمنون: ۲۳) (ترجمہ: کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے) کی حقانیت لوگوں پر عیاں ہوسکے۔

(۶) یہ قواعد مجتہد کے لئے فہم نصوص کا ایک واضح طریقہ کارفراہم کر کے اجتہاد یا رائے

کی حد بندی کرتے ہیں، اسی طرح یہ مکلفین کے تصرفات کی بھی تحدید کرتے ہیں؛ تاکہ ان کے تصرفات احکام شریعت کے مقاصد سے موافق ہوسکیں۔ مثال کے طور پر ایک مقصدی قاعدہ ہے: ''مکلف کو کسی مشقت کو اجر کا سبب مانتے ہوئے اس کا قصد نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ اس کو اس عمل کی نیت کرنی چاہئے جس میں بڑی مشقت ہونے کی وجہ سے اجر زیادہ ہے''۔ یہ قاعدہ مکلفین کے تصرفات، ان کے قصد اور ان کی نیتوں کی تحدید کرتا ہے، تاکہ ان کے اعمال شارع کے مقاصد سے بہر طور موافق ہوں۔

(۷) ان قواعد کے ذریعہ ''علم المقاصد'' بھی منضبط ہوتا ہے، اور کسی بھی علم کو منضبط قواعد کی شکل دینے کی اہمیت اہل علم کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، امام زرکشیؒ نے تحریر فرمایا ہے: ''کسی فن کے منتشر مشتملات کو قواعد کی شکل دینے سے اس کی حفاظت اور انضباط میں بڑی مدد ملتی ہے''۔ (زرکشیؒ: المنثور فی القواعد: ۱/ ۶۵-۶۶)

یہی وجہ ہے کہ ان قواعد کے ذریعہ سے علم المقاصد ایک واضح اور سہل الحصول علم ہوجاتا ہے، مجتہد ان قواعد کلیہ سے واقف ہوکر ان میں مذکور مقاصد شریعت سے بآسانی آشنا ہوسکتا ہے۔

ان قواعد کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام مقاصد شریعت کا علم اجتہاد کی بنیادی شرطوں میں سے ہے۔ یہاں تک امام جوینیؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے: ''جو شخص شریعت کے اوامر و منہیات میں مقاصد کا پتہ نہ چلا سکے اسے اجتہاد کی اہلیت حاصل نہیں ہے''۔ (جوینیؒ: برہان: ۲/ ۹۱۳)

اسی لئے امام شاطبیؒ نے کسی شخص کے مجتہد ہونے کے لئے پہلے شرط یہ ذکر کی ہے کہ وہ مقاصد شریعت سے واقف ہو۔ (موافقات: ۴/ ۱۰۵-۱۰۶)

ان ہی سب اسباب کی بنا پر یہ لازم ہے کہ مقاصد شریعت کو مخصوص قواعد میں منضبط کیا جائے، اگلے صفحات میں اللہ کی توفیق سے یہی کوشش کی جائے گی۔

(مقاصد شریعت کے قواعد: ۱۴۲ تا ۱۴۵)

مقاصد کا قرآن و حدیث سے ربط

قرآن کریم قانون سازی کا اولین مآخذ، اصل الاصول اور خیر و برکات کا منبع ہے اور احکام، مقاصد، حکمتوں اور اسرار شریعت کی بنیاد ہے، اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(ا) قرآن کریم میں مقاصد کی بہت سی انواع کا ذکر ہے، مثلاً:

(الف) عبودیت: (بندگی) اللہ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورۃ الذاریات: ۵۶)

(اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں)۔

(ب) رسولوں کو مبعوث کر کے اور کتابوں کو نازل کر کے بشارت دینا اور (عذاب سے) ڈرانا: ارشاد ربانی ہے: ﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ﴾ (سورۃ النساء: ۱۶۵) (اور پیمبروں کو (ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر)۔

(ج) لوگوں کو آسانی اور راحت پہنچانا: ارشاد باری ہے: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ (سورۃ النساء: ۲۸) (اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے)۔

(د) تنگی اور ضرر کو دور کرنا: ارشاد ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (سورۃ الحج: ۷۸) (اور اس نے تم پر دین کے بارہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی)۔

(ھ) اصلاح و بھلائی کی بات بتانا، فتنہ و فساد، زیادتی اور برے کاموں سے روکنا، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ (سورۃ الھود: ۸۸) (میں تو بس اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کرسکوں)۔

(و) اتحاد واتفاق اور طاقت وقوت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۰۳) (اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو)۔﴿ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّ کُمْ ﴾ (سورۃ الانفال: ۶۰) (اوران سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب رکھتے ہو، اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے مقاصد شرعیہ کی بہت سی صورتیں ذکر کی ہیں، کہیں صراحتاً، کہیں اشارتاً اور کہیں اجمال اور کہیں تفصیل کے ساتھ۔

(۲) قرآن کریم نے حکمتوں، علتوں، اموراحکام سے متعلق فوائد کی بہت سی جزئی مثالوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے بعض کو ہم ذیل میں بیان کررہے ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ کا ارشاد:﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی﴾(طہ:۱۴) (اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو) تو نماز کا حکم ذکر الٰہی اور احوالِ آخرت کے استحضار کے لئے دیا گیا ہے۔

(ب) دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَ کِّیْھِمْ بِھَا ﴾ (توبۃ:۱۰۳) (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کردیں) تو مال کی زکوٰۃ کا حکم مال کی طہارت اور تزکیہ کے لئے دیا گیا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿لِّیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ ﴾(حج:۲۸) (تاکہ فوائد کے لئے آموجود ہوں) حج کی مشروعیت، بہت سے دینی، اجتماعی اور تربیتی فوائد کے لئے ہے۔

(د) ارشاد ربانی ہے:﴿ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾(بقرہ: ۱۸۳) (اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ) تو روزہ نفس کو خودسری اور دنیا کی محبت میں غرق ہونے سے بچانے کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔

(ھ) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ (بقرہ: ۱۷۹)(اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے)، تو قصاص کی مشروعیت زندگی کی حفاظت اور اس کی سلامتی کے لئے ہے۔

(و) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ (بقرہ: ۱۹۳)(اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے) تو قتال و جہاد کا حکم فتنہ کی بیخ کنی اور امن و سلامتی کو وجود میں لانے کے لئے کیا گیا ہے۔

(ز) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۹۰﴾ (مائدہ: ۹۰) (شراب، جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں، شیطان کے کام، سو اس سے بچے رہو تا کہ فلاح پاؤ) نیز اللہ تعالی کا ارشاد: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ (مائدہ: ۹۱) (تو اس آیت میں شراب اور جوئے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ دونوں عموماً باہمی دشمنی، عداوت، کینہ اور جھگڑے کا سبب بنتے ہیں۔

مقاصد کا سنت سے ربط:

احادیث نبویہ، شریعت کے اغراض و مقاصد کے بیان کے لئے قانون سازی کا دوسرا بنیادی ماخذ ہیں، بایں طور کہ احادیث، قرآن کریم میں مذکور اور مشار الیہا مقاصد کی تائید و توثیق کرتی ہیں اور کبھی احادیث ان مقاصد کو مستقل بالذات بیان کرتی ہیں، نیز قرآن کریم میں جن کا ذکر و اشارہ نہیں ہوتا ہے یعنی قرآن کریم میں غیر مذکور بعض احکام کی کچھ حکمتوں اور باریکیوں کو احادیث واضح کرتی ہیں، یا وہ احکام قرآن کریم میں تو ہوتے ہیں لیکن ان کے مقاصد اور باریکیوں کا ذکر نہیں ہوتا ہے، ایسے احکام کے مقاصد کا بھی احادیث میں تذکرہ ملتا ہے، اس کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

(ا) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "**یا معاشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ**

فليتزوج فإنه أغضّ للبصر وأحصن للفرج" (بخاری: کتاب النکاح، باب قول النبی صلعم: "من استطاع منکم"۔ ومسلم: کتاب النکاح باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه إليه) (اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو مجامعت اور اس کے لوازمات کی استطاعت رکھتا ہے، تو چاہئے کہ وہ نکاح کرلے؛ کیوں کہ یہ نگاہ کو زیادہ نیچی رکھنے والی اور شرم گاہ کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہے۔)

(۲) ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: "إنما جعل الاستئذان من أجل البصر" (بخاری: کتاب الاستئذان، باب: الاستئذان من اجل البصر، ومسلم: کتاب الأداب باب: تحريم النظر فی بيت غيره) (گھر میں داخل ہونے کے وقت اجازت لینے کا حکم نگاہ کی وجہ سے ہی ہے۔)

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إنكم إن فعلتم ذلك قطعتم أرحامكم" (الطبراني في الكبير للطبرانی: ۱۱/ ۱۹۳۱، وصحيح ابن حبان: ۹/ ۴۱۱۹) (اگر تم نے ایسا کیا تو گویا تم نے رشتوں کو پامال کیا۔)

احادیث میں گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنے کی ترغیب اس لئے دی گئی ہے تا کہ نگاہ کی حفاظت ہو سکے اور داخل ہونے والے کی نگاہ گھر کے اندر کے لوگوں کی قابل ستر جگہوں پر نہ پڑے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت اور اس کی پھوپی یا خالہ کے درمیان جمع کرنے سے منع کیا تا کہ انساب کی حفاظت وسلامتی، ان کے درمیان ربط وتعلق قائم ودائم رہے۔

اسی طرح احادیث میں شریعت کے بعض معتبر، یقینی اور قطعی مقاصد کا تذکرہ صراحۃً ملتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "لا ضرر ولا ضرار" (ابن ماجہ: کتاب الاحکام، باب: من بنى فى حقه ما يضر بجاره، وموطا امام مالک: کتاب الاقضيه، باب: القضاء فی المرفق) (نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا ہے۔) نیز ارشاد ہے: "إن هذا الدين يسر" (نسائی: کتاب الایمان وشرائعه، باب: الدين يسر، مفصل حدیث کا ٹکڑا ہے) (بیشک یہ دین آسان ہے)۔

حضرت شیخ المشائخ نے حکمت ومقصد کے بارے میں اپنے مختلف مواعظ ونجی مجلسوں

میں بہت اچھے انداز سے کلام فرمایا ہے، میں نے ان میں سے اکثر کو ذکر کیا ہے؛ تا کہ علمائے مقاصد کے اصطلاحی مفاہیم کے مقابلے میں حضرت کے سادہ انداز میں اس کو سمجھا جاوے۔

یہ دین روکھا سوکھا نہیں ہے؛ بلکہ عجیب حکمتوں کا مجموعہ ہے:

بہر حال میرے دوستو بزرگو ! ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بہت فرماتے تھے کہ یہ دین صرف روکھا سوکھا نہیں ہے بلکہ اس کے اندر تری بھی ہے، اور محبت الٰہی ، نسبت الٰہی ، خشوع ، خضوع ، مسکنت ، یہ سب چیزیں دین کے اندر تری پیدا کرنے والی ہیں ، اور اگر کوئی شخص دین پر خوب عمل کرتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اپنی امتیازی شان سمجھتا ہے، اپنے کو بڑا عابد سمجھتا ہے ، دوسروں کو ذلیل سمجھتا ہے تو یہ سب چیزیں دین سے ہٹ کر ہیں ، دین وطریق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ، بلکہ آدمی دین میں جتنا بڑھے گا اتنا ہی اس کے اندر تواضع پیدا ہوگا ، جتنا علم میں بڑھے گا اس کے اندر اتنا ہی انکسار آئے گا، اس کے اندر جھکاؤ پیدا ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں الہ آباد علماء دیوبند آتے تھے، چنانچہ متعدد بار ان حضرات سے بیان فرمایا کہ علم کے نافع ہونے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس کے اندر جھکاؤ پیدا ہو جائے، جس طرح کوئی درخت ہے اور اس کی ٹہنیاں ہیں ، جس ٹہنی پر زیادہ پھل ہوں گے اس کے اندر اتنا ہی جھکاؤ ہوگا ، جس عالم کے اندر جھکاؤ ہو تو سمجھ لو کہ اس کو علم نافع حاصل ہے، اور اگر جھکاؤ نہیں ہے تو سمجھ لو علم کے ثمرات سے عاری ہے، بڑے بڑے علماء کرام کے سامنے بڑے شد ومد کے ساتھ یہ بات بیان فرماتے تھے، ماشاء اللہ حضرت مصلح الامت کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استاذ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ بھی بغرض استفاضہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت

نے ان کو خلعت خلافت سے نوازا۔ فللہ الحمد و المنة

مقاصد شریعت جاننے کے لئے قرآن کا گہرا مطالعہ ضروری ہے:

حضرت مولانا تھانوی رحؒ خود فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ تفسیر طلبہ کے لئے لکھی ہے، یعنی اپنے تمام علوم جو قرآن پاک کے سلسلہ میں مجھے حاصل ہیں ان سب کو نہیں لکھا، تو بتائیے کتنا علم مولانا تھانوی رحؒ کو حاصل تھا؛ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

خود ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قرآن کا بہت علم رکھتے تھے، قرآن سے خاص شغف تھا، قرآن سے خاص تعلق تھا، ظاہر بات ہے کہ جس کو قرآن سے شغف ہوگا، قرآن سے تعلق ہوگا تو اللہ تعالیٰ قرآن کا علم بھی اس کو عطا فرمائیں گے، ﴿لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَؕ﴾ (واقعہ: ۷۹) کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ بلاطہارت ظاہری کے قرآن کریم کو کوئی نہ چھوئے، دوسرے یہ کہ جو لوگ طہارت باطنی رکھتے ہیں، قرآن سے ربط رکھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو علوم و معارف سے نوازتے ہیں۔

تکرار تلاوت سے معانی منکشف ہوتے ہیں:

لکھا ہے کہ جب تک آدمی تکرار نہیں کرتا اس وقت تک معانی کا استکشاف نہیں ہوتا، معانی منکشف نہیں ہوتے، معلوم ہوا کہ معانی کے استکشاف کے لئے بھی تکرار اور قرأت کی ضرورت ہے، علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق آتا ہے کہ جب کوئی معنی و مطلب ان کو سمجھ میں نہیں آتا تھا تو مسجد میں جا کر سجدے میں اپنی پیشانی اللہ کے حضور رگڑتے تھے، اور دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! جیسے فلاں فلاں پر قرآن کے معانی کو منکشف فرمایا ہے، اسی طرح میرے اوپر بھی منکشف فرمائیے۔

میرے دوستو بزرگو! جب آدمی قرآن سے تعلق رکھتا ہے، جب قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو قرآن بھی اسے کچھ دیتا ہے اور اللہ بھی اسے کچھ دیتا ہے۔

قرآن فہمی کی دولت مقاصد شرعیہ تک پہونچاتی ہے:

اس بناپر جس طرح رمضان کے روزوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح قرآن کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک ہمارے درمیان رکھا ہے، اس کے اندر اتنے مضامین اور اتنے اسرار اور علوم و معارف ہیں کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، کیسے کیسے مضامین آتے ہیں، جیسے سمندر کی موجیں ہیں، یکے بعد دیگرے موج آتی رہتی ہیں۔ معلوم ہوا واقعی کتنا جوش وجذبہ والا یہ قرآن ہے اور کتنے علوم والا قرآن ہے، کتنے معارف والا یہ کلام ہے، کوئی اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ اسی بنا پر یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے اخیر رمضان میں دو مرتبہ قرآن کریم کا دور کیا۔

اس کی اہمیت ہی کی بنا پر ہمارے تمام بزرگان دین کا معمول بہ نسبت اور دنوں کے رمضان میں قرآن پاک کی تلاوت کا زیادہ رہا ہے۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ عام دنوں میں روزانہ ایک منزل قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور عام طور سے بزرگوں کا یہی معمول رہا ہے، لیکن رمضان شریف میں مقدار زیادہ کردیتے تھے، ایک ختم قرآن کریم تو ہم لوگ بھی جانتے ہیں لیکن بعض لوگ ایک سے بھی زیادہ کہتے ہیں۔ بہر حال قرآن پاک کا نزول ہوا ہے، اس کی قدر یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم دیا ہے انہیں اس کے معانی و مطالب میں غور و فکر کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کے علوم واسرار کے حصول کا طریقہ:

قرآن میں بڑے علوم و معارف اور اسرار ہیں، جو شخص طہارت باطنی اختیار کرتا ہے اور قلب کی صفائی سے پڑھتا ہے تو اس پر علوم و اسرار منکشف ہوتے

ہیں۔جس طرح ظاہری طہارت کے بغیر تم قرآن کو چھو نہیں سکتے، اسی طرح باطنی طہارت کے بغیر اس کے معانی کو چھو نہیں سکتے، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ قرآن کریم کو مطہر لوگ ہی چھوئیں گے۔ جس طرح اس کے الفاظ کو چھونے کے لئے وضو اور غسل کی ضرورت ہے اسی طرح اس کے معانی کو چھونے کے لئے طہارت قلبی کی ضرورت ہے، اس طہارت قلبی کے لئے ہم سب یہاں جمع ہیں تاکہ قلبی طہارت ہم کو حاصل ہو جائے۔

مصالح شرعیہ بڑے لطیف ہوتے ہیں:

حج کے آخری سفر میں مجھ سے بارہ بجے رات میں حضرت شاہ وصی اللہؒ نے فرمایا کہ دیکھو جن لوگوں کی تربیت میں مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کسی درجہ میں رعایت فرمائی ان کے علم کی وجہ سے یا ان کے مال کی وجہ سے، تو ان کی تربیت نہیں ہوئی، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مصلحت یہ ہوتی ہے کہ فی الحال اس کی رعایت کی جائے جس سے وہ مانوس ہوگا تو اصلاح ہو جائے گی، مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلتا ہے اور وہ صاحب علم یا مالدار اپنی اصلاح ہی سے غافل و لاپروا ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ ہم لوگ تو ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ سنا کرتے تھے، تو دیکھو کچھ نہ کچھ اصلاح ہو گئی ہے نا۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مصالح شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حکم نافذ کرنا:

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے خلیفہ برحق حضرت ابو بکر صدیقؓ ظاہری خلافت کے بھی نائب تھے اور باطنی خلافت کے بھی نائب تھے، اس بناپر جتنے صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بیعت کیا وہ صرف بیعت خلافت نہیں تھی بلکہ بیعت طریقت بھی تھی۔

واقعہ یوں ہوا کہ لوگ منکر زکوۃ ہو رہے تھے، تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: "**لو منعونی عقالاً لجاهدتهم**" کہ میرے رہتے ہوئے اگر کوئی ایک رسی بھی رو کے گا جو وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں دیا کرتا تھا تو میں اس سے جہاد کروں گا، اور نکل کھڑے ہوئے، حضرت عمرؓ نے کچھ تھوڑا سا نرم رویا اپنایا تو فرمایا: "**أجبار في الجاهلية و خوار في الاسلام.**" (مشکوۃ: ۵۵۲) تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جاہلیت میں بڑے بہادر بنتے تھے یہاں سست اور بودے ہوگئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوئی نرم بات فرمائی تو فرمایا کہ میں اکیلا جاؤں گا، تم لوگ نہیں آؤگے، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ یہ تو ایک مشورہ تھا، ہم تو آپ کے تابع ہیں، دیکھئے! کتنی اطاعت کی بات فرمائی کہ ہم سب آپ کے تابع ہیں۔

بہر حال میرے دوستو! دین کے ایک ایک جزئیہ کی حفاظت کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے بزرگان دین کے دلوں میں دین کی حفاظت اور دین پر چلنے چلانے کا جذبہ تھا، اس لئے ان کی حالت ہی کچھ اور تھی۔

مقاصد شریعت کے امام علامہ شاطبیؒ کا تصوف میں بڑا مقام:

صاحب رسالہ قشیریہ کتنے بڑے درجہ کے شخص تھے، متقدمین صوفیا میں ان کا شمار ہوتا ہے، مگر ان سے بھی ایک غلطی ہو گئی، تو علامہ شاطبی نے اس کا بھی رد کر دیا، انہوں نے لکھا ہے کہ جب کوئی اس طریق میں آئے تو اپنے جیب کو مال سے خالی کر کے آئے، کیونکہ یہ شاغل عن الطریق ہے، علامہ شاطبی لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں، انہوں نے کیسے یہ لکھ دیا، حالانکہ جس طرح مال کا جیب میں ہونا شاغل ہے اس طرح جیب کا مال سے خالی ہونا اس سے زیادہ شاغل ہے، پھر علامہ شاطبی لکھتے ہیں کہ اتنے بڑے محقق نے جو بات لکھی ہے تو از خود نہیں لکھی، بلکہ اپنے مشائخ کی زبان پر لکھی ہے، وہ اگر اپنی تحقیق سے لکھتے تو کبھی ایسا نہ لکھتے، اور پھر لکھا

ہے کہ خود ان مشائخ کی یہ تحقیق ہے کہ اگر اپنے اکابر میں سے کوئی غلطی کرے تو اس کو رد کر دینا چاہئے، تو میں انہی اکابر کے اصول پر علامہ قشیری کے بارے میں کہتا ہوں کہ انہوں نے اس باب میں غلطی کر دی اور ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، بہر حال مشائخ کی زبان پر بھی آدمی بول دیتا ہے، تحقیق نہیں کرتا، جیسے حدیث وفقہ کی روایت میں بعض مرتبہ غلطی ہو جاتی ہے جو برابر نقل در نقل چلتی رہتی ہے، اسی طرح تصوف میں بھی خطا ہوتی ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شریعت کا معتدل و مقاصد والا ہونا:

لہٰذا نبی اکرم ﷺ چونکہ جسمانی اعتبار سے بھی اعتدال کامل پر تھے، اس وجہ سے آپ پر بیماریوں کا بھی اثر ہوتا تھا، ہواؤں کا بھی اثر ہوتا تھا، موسم کا بھی اثر ہوتا تھا، بخار ہماشما سے زیادہ آتا تھا۔ اخلاق کے بارے میں بھی اعتدال، اعمال کے بارے میں بھی اعتدال، ہر چیز میں اعتدال، بلکہ اس کا اثر تھا کہ آپ کی امت کو بھی معتدل امت کہا گیا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ﴿جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (بقرہ / ۱۴۳) اوسط درجہ کی امت ہے، یہ نہیں کہ ایک طرف گئے تو بس اسی کو سب کچھ سمجھ لیا، دوسری طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، یہ بہت بڑا مرض ہے، شروع ہی سے چلا آرہا ہے، اور اس کی وجہ سے پہلے لوگوں پر بھی زد پڑتی ہے، اور ان کی خدمات کی تحقیر کی جاتی ہے کہ انہوں نے کوئی دین کا کام ہی نہ کیا، مگر یاد رکھو کہ اگر اسلاف کو نیک نامی سے یاد کروگے تو تمہارا نام بھی نیکی سے لیا جائے گا، چنانچہ شیخ سعدی کہتے ہیں۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا کہ ماند نام نیکت برقرار

یعنی پہلے والوں کے نام کو ضائع نہ کرو، یعنی ان کی نیک نامی کو ختم نہ کرو، تاکہ تمہارا نام نیک نامی کے ساتھ باقی رہے، ورنہ تم کو بھی بعد والے بد نام کریں گے۔

شرعی احکام کی اہمیت:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صوفیا کی نسبت بہت بڑی غنیمت ہے لیکن ان کے رسوم کی کوئی وقعت نہیں ہے، اور فرمایا کہ بہت سے لوگوں پر میری یہ بات گراں گذرے گی لیکن مجھ کو پرواہ نہیں، اس لئے کہ میں اللہ تعالی کی طرف سے ان واقعوں کے کہنے پر مامور ہوں اور یہ کام میرے سپرد من جانب اللہ ہوا، کیونکہ اس زمانہ میں بھی صوفیا سے شاہ صاحبؒ کو ناگواری کا اندیشہ تھا، اس لئے یہ تحریر فرمایا۔

احکام کی بنیاد یقین پر ہے:

بہر حال میرے دوستو بزرگو! احکام شرعیہ اللہ تعالی نے نہایت محکم طریقہ سے بیان فرمائے ہیں، اور یقینیات پر اس کی بنیاد رکھی ہے، اس لئے یقین پر ہی حکم کا ثبوت ہوگا، ظن پر نہیں، آپ دیکھئے! چاند کا مسئلہ ہے اس کے لئے شہادت کی ضرورت ہے، یقین اس وقت ہوگا جب رؤیت پر شہادت ہو اور آپ کو بھی یقین ہو جائے کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ بعض دفعہ دیکھنے والے کو غلط ہو جاتا ہے، اس لئے شہادت دینے اور قبول کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ:

علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ ’’لولا النبوٰات لبطل المعاش و المعاد‘‘ اگر نبوتیں نہ ہوتیں تو معاش اور معاد سب باطل ہو جاتے، آج چونکہ نبوت پر عمل نہیں ہو رہا ہے، نبوت کی روشنی کو نہیں لیا جا رہا ہے، اس لئے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے، تاریکی ہی تاریکی ہے، ظلمت ہی ظلمت ہے، کہیں کسی کو چین نہیں ہے، ہم ہی

لوگوں کو چین نہیں ہے، آج دنیامیں مسلمان بھی بہت بے چین وپریشان حال ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝۱۰۷﴾ (انبیاء: ۱۰۷) اے محمد! ہم نے آپ کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جب رحمت والا طریقہ چھوڑ دیا جائے گا تو پھر کیسے رحمت ملے گی، زحمت ہی زحمت ہوگی، پریشانی ہی پریشانی ہوگی، اس بنا پر میرے دوستو بزرگو! یہ قرآن وحدیث سب لوگوں کے لئے ہے، صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، اس میں لوگوں کے لئے چین وسکون ہے، آج اگر دنیا اس کو اختیار کرلے تو پورے عالم میں سکون واطمینان ہو جائے گا۔

مقاصد وحکمت شرعیہ جاننے والے عالم کے اخلاق عالیہ:

علامہ ابن تیمیہؒ کتنے بڑے آدمی تھے، علامہؒ دہر تھے، سارا سعودی عرب ان کو مانتا ہے، لیکن عام طور سے لوگ بادشاہ سے ان کی شکایت کردیتے تھے، جس کی وجہ سے بار بار جیل بھیج دیئے جاتے تھے، چنانچہ جیل ہی میں ان کا انتقال ہوا، ان کے فتاوی کی سینتیس (۳۷) جلدیں ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں ہیں، لیکن افسوس کہ قوم ان کے پیچھے پڑ گئی تھی، علماء کو بھی ان سے ناگواری تھی اس لئے شکایت کرتے تھے اور بادشاہ ان کو جیل میں بھیج دیتا تھا۔ کسی نے کہا: حضرت! آپ کی بیجا شکایت کرکے یہ لوگ آپ کو جیل میں بھیج دیتے ہیں، آپ بھی ان لوگوں کی شکایت کردیجئے، تو کہا: پھر ان میں اور مجھ میں کیا فرق رہ جائے گا۔

انہوں نے قوت غضبیہ اور شہویہ کو دبایا، تب فتاوی اور اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں لکھیں، یہ اللہ تعالی کی طرف سے توفیق تھی، اپنے اخلاق کی

اصلاح فرمائی تھی ، ذکر اللہ کے پابند تھے ، چنانچہ ان کا یہ حال تھا کہ اشراق کے وقت تک بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے "ھذا غدوتی" یہ میرا ناشتہ ہے ، جب میرا یہ معمول پور انہیں ہوتا ناغہ ہوتا ہے، تومیں اپنے بدن میں ضعف محسوس کرتا ہوں ۔

بہر حال علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ - جو اللہ والے تھے - ان دو باتوں کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ ان کی سیرت سے ظاہر ہے ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے تھے کہ علامہ ابن تیمیہ صوفی تھے لیکن خشن صوفی تھے یعنی سخت تھے ، عام طور پر لوگ ان کو تصوف کا مخالف کہتے ہیں ، لیکن حضرت تھانویؒ نے ان کو صوفی قرار دیا ہے اس لئے کہ بغیر صوفیت کے ان کو یہ درجہ مل ہی نہیں سکتا جو انہوں نے اتنا اہم تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔

اسی طرح مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے بھی بڑے بڑے کارنامے یوں ہی انجام نہیں دے دیئے بلکہ پہلے اپنے دل کو دل بنایا، اللہ سے ربط پیدا کیا، تعلق قائم کیا، ذکر کی کثرت کی ، اخلاق کو درست کیا، تو پھر اللہ نے ان لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچادیا، اور دین متین کی خوب ہی خوب خدمت کی توفیق مرحمت فرمائی ۔

مقاصد عالیہ والا دین:

میرے دوستو بزرگو! نبی اکرم ﷺ کا یہ دین ہے اور یوں ہی سرسری دین نہیں ہے، اس کے اندر روحانیت ہے، اس کے اندر باطنیت ہے، اس کے اندر حقیقت ہے، اس کو سمجھنا ہم لوگوں کے لئے ضروری ہے ، یہ صرف لفظوں تک کا دین نہیں ہے بلکہ معانی والا دین ہے ، حقائق والا دین ہے، تواضع ، انکسار، شکستگی کا دین ہے، للہذا یہ سب چیزیں ہم مسلمانوں اور امتیوں کو اپنے اندر پیدا کر نے کی ضرورت ہے، یہ نہیں کہ صرف زبان سے کہہ دیا کہ ہم کچھ نہیں ہیں اور

دل میں ہے کہ ہم بہت کچھ ہیں ، یہ دین نہیں ہے، یہ سلوک و تصوف نہیں ہے، یہ تو ریا و نفاق ہے، اللہ ہم سب کو اس مرض سے محفوظ رکھے۔

دین بالکل آسان ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ”**فی الانسان ثلاث مائة مفصلاً فعلیه ان یتصدق عن کل مفصل منه بصدقة**“ (رواہ ابوداود، مشکوۃ: ۱۱۶) یعنی انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں لہٰذا ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ہر جوڑ کے بدلے میں صدقہ دے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر جوڑ پر ایک ایک نیا پیسہ اگر ادا کریں تب بھی تین سو ساٹھ پیسہ یعنی تین روپے ساٹھ پیسے دینے چاہئے، بتایئے کتنے لوگ اتنا اتنا روزانہ ادا کریں گے، مالدار لوگ بھی اس کی ہمت نہیں کریں گے، الا ماشاء اللہ۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”**یصبح علی سلامي من کل احد صدقة فکل تسبیحة صدقة، و کل تحمیدة صدقة، و کل تهلیلة صدقة، و امر بالمعروف صدقة، و نهی عن المنکر صدقة، ویجزی من ذالك رکعتان یرکعهما من الضحی.**“ (رواہ مسلم، مشکوۃ: ۱۱۶) یعنی صبح ہوتے ہی تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے لہٰذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر تحمید یعنی الحمد اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، اور ان سب کے بدلہ میں نماز ضحیٰ کی دو رکعت پڑھ لینا کافی ہوتا ہے۔

کتنی بڑی بات ہے، ہمارا یہ دین کتنا آسان ہے، ہماری شریعت نے ہمارے لئے کتنی آسانیاں پیدا کر دیں، لیکن میرے دوستو! غذا کتنی ہی نرم ہو اگر کوئی کھانا ہی نہ چاہے تو پھر اس کے لئے سب غذا سخت ہی معلوم ہوگی، اسی طرح یہ دین بالکل آسان ہے لیکن اس شخص کے لئے جو اس کو اختیار کرے اور عمل کر

نے کی کوشش کرے، پس اگر کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو واقعی سہولت ہی سہولت ہے، آسانی ہی آسانی ہے۔

دیکھئے نماز ہی کو لے لیجئے، اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، میری اہلیہ کو گھٹنے میں شدید درد رہتا ہے، اب ڈاکٹر کہتا ہے کہ دیکھو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھو، پیر کو موڑو نہیں، کچھ افاقہ ہوا تو ایک دفعہ شوق میں پیر موڑ کر نماز پڑھ لیا فوراً درد شروع ہوگیا، اگر اس طرح نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا تو بتلایئے کس طرح نماز قائم کی جاتی، دو چار نماز کے بعد ہی پیر اور گھٹنے پر ورم آ جاتا اور بالکل ہی معذوری کی کیفیت ہو جاتی۔ بہر حال میرے دوستو! کتنی بڑی سہولت ہے، مجبوری میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں، بظاہر کتنا برا معلوم ہوتا ہے، بعض لوگ اس کو کبر پر محمول کر سکتے ہیں، کاہلی پر بھی محمول کر سکتے ہیں لیکن شریعت مقدسہ نے اس کی اجازت دی ہے، بلکہ اگر بیٹھا نہ جائے تو لیٹ کر اور اشارہ سے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، یہ کوئی معمولی سہولت نہیں ہے، اس سے بڑھ کر سہولت کیا ہو سکتی ہے! اب اگر کوئی سر پھرا یوں کہے کہ نماز ہی کیوں فرض کی گئی؟ تو پھر اس کا دماغ ہی گدھوں والا ہے، اب اس کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔

دین تو بہت آسان ہے، حدیث شریف میں ہے "**الدین یسر.**" (بخاری، مشکوۃ :۱۱۰) دین آسان ہے۔ اب وضو نہیں کر سکتے تو تیمّم کر لو، اگر ہاتھوں میں یا پیروں میں کچھ تکلیف ہے یا زخم ہے تو تیمّم کر لو، کوئی ضرورت نہیں کہ کسی دوسرے کی خوشامد کرتے پھرو کہ ہم کو وضو کرا دو، دیکھئے کتنی سہولت ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

اسی طرح زکوۃ میں بھی دیکھئے کہ کتنی رعایت کی گئی ہے، زکوۃ اول تو

ہر ایک پر فرض نہیں ، اور فرض ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں ، اس کے لئے نصاب کا ہونا ضروری ہے ، حولان حول یعنی نصاب پر ایک سال کا گذرنا بھی شرط ہے کہ سب موسم گذر جائے، جاڑا گرمی برسات سب موسم گذر جائے ، اب اس کے بعد دیکھو کہ تمہارے پاس کتنا بچا ہے، اگر نصاب ہے اور قرض سے فاضل ہے تب تو زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے ورنہ نہیں اور یہاں تو مختلف قسم کے ٹیکس ہوتے ہیں ، انکم ٹیکس کو ہی دیکھ لیجئے ، اس میں کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ کتنا قرض ہے، بس تمہاری ماہانہ آمدنی مثلاً پانچ ہزار ہے تو ٹیکس ادا کرو، آپ کتنا ہی کہتے رہئے کہ ہم مقروض ہیں، کوئی نہیں مانے گا، بس ہر حال میں ٹیکس بھرنا ہی ہے۔

اسی طرح حج کا معاملہ بھی ہے ، یہ بھی ہر ایک پر فرض نہیں ہے، اپنے بال بچوں کے نان و نفقہ کا انتظام ہو، ضروریات اصلیہ سے فاضل ہو ، راستہ کا امن ہو وغیرہ بہت سی رعایات کے بعد حج فرض ہوتا ہے، یہ سب یسر ہی کی تو باتیں ہیں، ظاہری اعمال میں بھی یسر ہے اور باطنی اعمال میں بھی یسر ہے ، جیسے حسد کو لے لیجئے ، اب حسد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس کسی کے متعلق کچھ وسوسہ آیا اور فوراً پکڑ ہو گئی ، نہیں ، بلکہ اگر آپ کو کسی کے متعلق بدخواہی کا یا ناگواری کا وسوسہ آیا اور آپ نے اس پر عمل نہیں کیا ،جلن پیدا ہوئی پھر اس کے مطابق چلن نہیں ہوا، دل میں سوزش ہوئی مگر سازش میں نہیں لگے تو اس پر مؤاخذ نہیں ہوگا ، ہاں ! وسوسہ کے بعد اگر اسکیم بنانے لگیں کہ اس کی بلڈنگ کو گرانا ہے، اس کو منصب سے گرانا ہے، اور اس کی سازش رچنے لگیں اور وسوسہ پر عمل کرنے لگیں تو اب پکڑ کی شکل ہوگی ، جب تک وسوسہ پر عمل نہ کریں اس وقت تک کوئی گناہ نہیں ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں نعوذ باللہ اگر کسی کو وسوسہ آجاوے تو بھی کوئی مؤاخذہ نہیں، جب خالق کے بارے میں صرف وسوسہ سے پکڑ نہیں

تو مخلوق کے بارے میں پکڑ کیسے ہو سکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا۔ " **فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسناً و نعلہ حسناً قال ﷺ: ان اللہ جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق وغمط الناس.**" (رواہ مسلم، مشکوۃ: ۴۳۳) یعنی ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل اور آراستہ ہیں اور آراستگی کو پسند کرتے ہیں اور تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ہٹ دھرمی کے ساتھ نہ مانا جائے اور لوگوں کو ذلیل سمجھا جائے۔

میرے دوستو! خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریق کی پوری پوری وضاحت فرمادی ہے، اگر ہم نہ سمجھیں پریشان ہوں، تو یہ پریشانی کی وجہ خود ہم ہی لوگ ہیں، ہم نے دین کو مشکل سمجھ لیا ہے، طریق کو مشکل کر لیا ہے، باطن کی اصلاح کو مشکل سمجھ لیا ہے تو یہ ہماری غلطی ہے۔ دین، طریق اور باطن کی اصلاح بہت آسان ہے، بس ہم سمجھنے کی کوشش کریں اور عمل کی ٹھان لیں، انسان اسی چیز کا مکلّف ہے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾ اللہ تعالیٰ ان ہی چیزوں کا مکلّف کرتا ہے جس کی اس کے اندر طاقت ہو، وساوس پر اگر گرفت کرنے لگے تو کوئی بچ نہیں سکتا، اس آیت کا نزول بھی اسی وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے پہلی والی آیت ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾ (بقرہ: ۲۸۴) "اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا

پوشیدہ رکھو گے اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے'' جب نازل ہوئی اور اس میں اس بات کا واضح اشارہ موجود تھا کہ وساوس پر گرفت ہوگی، تو صحابہ کرام اتنا ڈرے اتنا پریشان ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ! کون شخص ان وساوس سے بچ سکتا ہے، اس طرح تو سب کی گرفت ہو جائے گی، کوئی نہیں بچے گا۔ تو اس کے بعد یہ آیت کریمہ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط﴾ نازل ہوئی۔

میں آپ حضرات کو قرآن کریم کی آیات سنا رہا ہوں، یہی طریق ہے، اللہ تعالیٰ نے پورے سلوک کو پورے طریقہ سے بتایا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے بظاہر ان لوگوں کو ڈرایا کہ دیکھو جو وسوسے بھی آتے ہیں ان پر بھی مؤاخذہ ہوگا، بعض لوگ اس کو منسوخ مانتے ہیں، علماء لکھتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ پہلے ہی سے یہ حکم نہیں تھا، منسوخ تو وہ چیز ہوگی جو وجود میں رہے، اور اس آیت کا پہلے ہی سے یہ مطلب نہیں تھا، اللہ تعالیٰ بھی کسی پر ظلم نہیں کرتے، کہ جو غیر اختیاری چیز ہو اس پر مؤاخذہ کریں لیکن صحابہ اس کے باوجود ڈر گئے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک سال تک تڑپتے رہے کہ یا اللہ ! ہمارا کیا حشر ہوگا، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ جو اختیاری امور میں ان پر مؤاخذہ ہوگا، تم کسی کام کا ارادہ کرو اور اس کی تکمیل کی سازش میں لگ جاؤ اور اس فعل کو کر گذرو، اس صورت میں پکڑ ہوگی، لیکن یونہی وسوسہ آئے کہ فلاں کو قتل کرنا ہے تو اس سے قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اور اعمال کا حال ہے، مگر اس کی وجہ سے مواخذہ عند اللہ نہ ہوگا۔

بہر حال جب صحابہ کرام آپ ﷺ کی خدمت میں گئے اور انتہائی ملال و حزن و غم کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان لوگوں میں سے ہونا چاہتے ہو

جنہوں نے کہا ''سمعنا و عصینا'' یعنی ہم نے سنا اور نافرمانی کی ، کیا امت محمد یہ میں سے نہیں ہو؟ یہود و نصاری میں سے ہو؟ بس اتنا سننا تھا کہ صحابہ سنبھل گئے ، ان کو ایک اشارہ کافی تھا، ایسے ہی موقع پر شیخ اور مرشد کی ضرورت پڑتی ہے، حضور ﷺ نے ان کو علاج بتایا کہ بتکلف کہ سمعنا و اطعنا یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کی ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس نازک اور پھسلنے کے موقع پر سنبھال لیا، جب حوادث اور وساوس گھیر لیتے ہیں اور ان سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں رہتی تو اس وقت شیخ اس کو اس گھاٹی سے نکالتا ہے، جیسے دلدل میں کوئی بھینس پھنسی ہو تو اس کو دلدل سے نکالنے کے لئے کسی قوی ذات کی ضرورت پڑتی ہے ، جسے کوئی شیر نر ہی ہوگا جو خود اپنی حفاظت کرتے ہوئے اس بھینس کو دلدل سے نکالے گا۔ اسی طرح شیخ کے اندر اللہ تعالی اتنی تاثیر و قوت دیتا ہے کہ وہ اس کو وساوس کے دلدل سے ، گمراہیوں کے مواقع سے اور خیالات کے جنگلات سے نکال دیتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد باری تعالی ہے :﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ (بقرہ:۲۸۶) اس کو ثواب بھی اس کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ وسوسہ اور چیز ہے اور کسب اور چیز ہے، یہاں بھی اس کی رعایت کی گئی ہے، اس نفس کی طرف سے اگر تھوڑی بھی محنت ہو گی تو اس کی جزا اللہ تعالی اس کو دیں گے ، اور اگر نفس کچھ زیادہ برائی کرے گا تو اس کو اس برائی کا بدلہ دے گا، ''لھا'' اور ''علیھا'' میں یہ فرق ہے، یعنی قلّت لفظ قلّت معنی پر دلالت کرتا ہے ،اسی طرح کثرت لفظ کثرت معنی پر۔ اس کے بعد دعائیں سکھائی گئیں کہ میرے بندے تم لوگ گھبراتے کیوں ہو؟ یہ پڑھو ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ اے ہمارے رب ! ہم پر دارو گیر نہ

فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اس سے ان کو کتنی تسلی ہو گئی ہوگی، یہ اس وقت طریق کی ایک سخت حیرانی کی وادی میں تھے جس میں حیران و پریشان تھے، سالک کے لئے حیرانی و پریشانی لازم ہوتی ہے، حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی اس وادی سے گذرے ہیں، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے اس وادی سے انہیں پار کرایا۔ حضرت تھانویؒ کا ایسا حال تھا معلوم ہوتا تھا کہ بس خودکشی کرلیں گے، خود فرماتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اوپر جا کر اپنے کو گرا کر ہلاک کر دوں۔ میرے دوستو! حضور اکرم ﷺ پر جب وحی روک دی گئی تھی تو یہ کیفیت طاری ہوئی تھی لیکن اللہ تعالی نے ان کو اس وادی سے بخیر وخوبی پار کرادیا۔

وحدۃ الوجود کی مختصر وعمدہ تشریح:

میرے دوستو! یہ طریق ہے، اس طریق میں مہالک بھی آتے ہیں، لیکن مرد وہ ہے جو ان کو پھلانگ جائے، وحدۃ الوجود ایک مستقل بحث ہے، بعض لوگ مجھ سے وحدۃ الوجود کے متعلق پوچھتے ہیں، ارے تم کیا جانو، وحدۃ الوجود کسے کہتے ہیں! یہ بھی ایک گھاٹی ہے، ہمارے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مولانا رومؒ، شاہ محب اللہ صاحب الہ آبادیؒ، سیدنا عبد القدوس گنگوہیؒ، یہ سب حضرات بھی اس گھاٹی سے گذرے ہیں، عرصہ تک پریشان رہے، مجدد صاحبؒ کہتے ہیں کہ مرد وہ ہے جو اس کو پھلانگ جائے اور وحدۃ الشہود میں پہنچ جائے، وحدۃ الوجود کے بعد وحدۃ الشہود ہے، وحدۃ الوجود ایک ایسی گھاٹی ہے جس میں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا وجود بالکل اللہ کا وجود ہے یا نعوذ باللہ... اللہ کا وجود ہمارا وجود ہے، اور وحدۃ الشہود ایسا مرحلہ ہے کہ اس میں بظاہر وجود ایک محسوس ہوتا ہے لیکن دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں، زمین اور آسمان کی بھی نسبت نہیں، باقی اور فانی میں نسبت

ہی کیا ہو سکتی ہے، ہمارا وجود ممکن ہے اور اللہ کا وجود واجب ہے، واجب اور ممکن میں کوئی نسبت کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

بہر حال میرے دوستو! حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو دوسری نصیحت یہ فرمائی: **وأمر بالمعروف** کہ معروف کا امر کرو، نیکیوں کا امر کرو، اور تیسری نصیحت فرمائی وانہ عن المنکر منکر سے روکو، آپ دیکھ لیجئے ہمارے گھروں میں کتنے منکرات ہیں، ہم کوشش کریں تو منکرات سے ہمارے بچے بچ سکتے ہیں، امتثال اوامر اور اجتناب عن المعاصی بہت ضروری ہے۔ ظاہری نواہی بھی ہیں اور باطنی نواہی بھی ہیں، ظاہری منکرات بھی ہیں اور باطنی منکرات بھی ہیں، ظاہری منکرات بالکل ظاہر ہیں، باطنی منکرات مثلاً کبر ہے، حسد ہے، ریا ہے، ریا بھی ایک مستقل گھاٹی ہے۔

ایک طبعی عمل پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے ایک مرتبہ ہمارے اطراف میں حضرت تھانویؒ تشریف لے گئے، ساتھ میں پیرانی صاحبہ بھی تھیں، کہیں قیام رہا ہوگا، ایک عورت آئی اور اپنی دیہاتی زبان میں کہنے لگی کہ ہم کو تمہاری حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ تم اتنے بڑے بزرگ کی بیوی ہو تو وہ تم سے بھی بولتے بھی نہیں ہوں گے اور تمہارے سامنے بھی ہنستے بھی نہیں ہوں گے، تم کیسے زندگی گذارتی ہوگی؟ پیرانی صاحبہ نے کہا تمہارے شوہر سے زیادہ ہمارے شوہر ہنستے بولتے ہیں تو وہ بہت تعجب کرنے لگی، میرے دوستو! بیوی کا یہ بھی ایک حق ہے کہ اس کے ساتھ ہنسی خوشی سے رہا جائے چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث شریف میں آیا ہے کہ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه اللہ الا اجرت بها حتى اللقمة ترفعها الى في إمرأتك.** (متفق علیہ مشکوۃ: ۲۶۵)
یعنی بیشک تم اللہ کی رضا کے لئے جو خرچ کروگے تو اس پر ثواب دیا جائے گا یہاں تک

کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دو۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دیوے اس کا بھی ثواب ہے، یہ بھی صدقہ ہے، یہ ہے شریعت مقدسہ، کہ ایک طبعی عمل پر بھی اجر وثواب ملتا ہے، پس غور فرمائیں کہ شریعت مقدسہ میں اتنی رعایتیں اور اتنی خوبیاں ہیں کہ اگر آدمی ان کو سمجھنے کی کوشش کرے تو وہ شریعت کا عاشق ہو جائے اور عمل آسان ہو جائے۔

عربوں کی نظر میں ہندوستانی علماء کی قدر:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شریعت کے انہی رموز کو اجاگر فرمایا ہے، اور عربوں نے اس کتاب کو تسلیم کیا ہے، وہ لوگ ہندوستان کے دو عالم متقدمین میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور متاخرین میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کی کتابوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ الفاظ وعبارت کے اعتبار سے نہایت بلیغ اور معانی ومطالب کے اعتبار سے نہایت جامع کتاب ہے جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے احکام شرعیہ کے رموز وقلم کو بیان فرمایا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس کی شرح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے "رحمۃ اللہ الواسعۃ" کے نام سے پانچ جلدوں میں اردو میں فرمائی ہے جو آپ کی علمی استعداد بلکہ باطنی صلاحیت پر دال ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

شرح صدر کا مطلب:

اس وجہ سے شرح صدر کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ علم بھی وسیع عطا فرمایا اور تبلیغ دین میں مخالفین کی مزاحمت سے ایذا پیش آتا ہے اس میں تحمل اور علم بھی دیا، تاکہ اپنے کلام میں مزے کے ساتھ مخالفین کو نصیحت کرسکیں۔

شرعی احکام میں مصلحت کا خیال رکھنا:

مخاطب تو بگڑا ہوا ہے ہی ،اس کے لئے نرمی کی ضرورت ہے، اس لئے کہ وہ شریعت کو سخت سمجھ کر شریعت سے بھاگ رہا ہے ، لہٰذا ایسے موقع پر نرمی سے کام کرنے کی ضرورت ہے، وہ تو شریعت کو تلخ وکڑوا سمجھ کر دین سے دور ہورہا ہے، اس لئے تم کو اپنے کلام میں نرمی اور شیرینی ملا کر دین کو پیش کرنا ہوگا، ورنہ تو کریلا نیم چڑھا کا مصداق ہو جائے گا ، عملی دوری ایک تو دین کی کلفت و تلخی پھر تمہارے کلام کی تلخی و سختی ، اس طرح دو تلخی و سختی جمع ہو جائیں گے جس سے مزید دوری ہو جائے گی ، اس کو خوب سمجھیں اور اس کے مطابق عمل کریں ، ابھی دیکھئے بیان میں آنے سے قبل موسمبی کا رس پینا چاہا تو وہ ترش معلوم ہوا، میں نے کہا کہ بھائی یہ تو ترش ہے، فوراً اس میں گل قند ملا دیا جس کی وجہ سے میٹھا ہو گیا، کتنا خوش گوار ہو گیا اس کے بعد پی لیا ، اس طریقہ سے کڑوی چیز میں جب شیرینی مل جاتی ہے تو وہ کڑواپن غائب ہو جاتا ہے ، بچوں کے پیٹ میں کیڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے لئے جو دوا دی جاتی ہے وہ نہایت کڑوی ہوتی ہے، اس لئے اسے بتاشہ میں رکھ کر دیتے ہیں تا کہ اس کی کڑواہٹ بچے کو محسوس نہ ہو بلکہ وہ میٹھا معلوم ہو اور بآسانی پی لے ،تو کڑوے کے ساتھ ہمیں میٹھا بننا پڑے گا تب جا کر اصلاح ہوگی۔

ایک مصری عالم علامہ سید علی محفوظ صاحبؒ ابداع اپنی تصنیف ہدایۃ المرشدین میں لکھتے ہیں کہ کلفت شریعت کی بنا پر لوگ شریعت سے بھاگتے ہیں، اگر تم نے اس کے اندر اپنی کلفت کو بھی ملا دیا تو لوگ اور زیادہ بھاگیں گے، اس بنا پر کلفت کو شیرینی سے لذیذ بنادو،اور پھر لوگوں کو اپنے قریب کرلو،اس کے بعد ان کے سامنے ٹھنڈے دل سے نرمی سے دین کو پیش کرو، ان شاء اللہ لوگ

ضرور قبول کریں گے۔ واللہ الموفق۔

مسائل شرعیہ میں علماء کرام کو حالات زمانہ سے باخبر رہنا چاہئے:

یوں تو ہر مسلمان کو اور خاص طور سے علماء کرام کو تو اپنے زمانہ کے حالات سے آگاہ رہنا چاہئے ، جب حالات سے آگاہ ہوں گے تب ہی تو قرآن کی آیات حالات کے مطابق امت کے سامنے پیش کرسکیں گے، کیونکہ قرآن پاک کو قیامت تک کے لئے اللہ تعالی نے ہدایت کے لئے بھیجا ہے، رہبری کے لئے بھیجا ہے، دستور العمل بنا کر بھیجا ہے، ظاہر بات ہے کہ جب تک علماء حالات کو نہیں جانیں گے ، حالات کو نہیں سمجھیں گے اس وقت تک آیات کو حالات کے مطابق کیسے پیش کرسکیں گے، اس لئے صاحب کشاف جو بہت بڑے عالم و مفسر ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ مفسر کے لئے ضروری ہے کہ حالات زمانہ سے واقف ہو، ورنہ اس کو تفسیر کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔

جملہ معترضہ-حضرت کے اس مضمون پر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی فقیہ کی تعریف بہت اچھی طرح منطبق ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ بدلنے والے زمانے اور نہ بدلنے والے دین کے درمیان رشتہ پیدا کرنا تفقہ ہے۔

اس کا تعلق صرف فقہی مسائل سے ہی نہیں ہے، بلکہ علم تفسیر سے بھی ہے، کیونکہ آیات کا وہ مضمون جو آفاق وانفس سے تعلق رکھتا ہے،اس کی تفسیر وتشریح عصر حاضر کی سائنس وتحقیقات کی روشنی میں سمجھانا ہوگا ،اور آج کے علمی جمود میں یہ بات ہر ایک عالم دین نہیں کہہ سکتا، یہ حضرت شیخ المشائخ کی ہی جرأت ایمانی اور مقاصد شرعیہ سے وابستگی کی دلیل ہے، چنانچہ حضرت آگے اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں:

لہٰذا جن حالات سے اپنے زمانہ میں ہم گذر رہے ہیں، اسی اعتبار سے آیات کا انتخاب کرنا ہوگا، اسی اعتبار سے اس کی تشریح کرنی ہوگی ، بہت سی چیزیں

ایسی ہیں جو چند سال پہلے نہیں تھیں ان کی تشریح آپ کیا کریں گے، آیت کے اندر ہو بھی تو صحیح معنوں میں ان کی تشریح نہیں کر سکتے، اس لئے کہ حالات جب بدل جاتے ہیں تو احکام بھی بدل جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (نحل :۸) اور گھوڑے خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لئے بھی اور وہ ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں ۔ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سواری کے تین جانور گھوڑے خچر اور گدھے کا خاص طور سے بیان کرنے کے بعد دوسری قسم کی سواریوں کے متعلق فرمایا: ﴿ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ اس آیت میں وہ تمام نوایجاد سواریاں بھی داخل ہیں جن کا زمانۂ قدیم میں وجود تھا نہ کوئی تصور، مثلاً ریل، موٹر، ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر وغیرہ، جو اب تک ایجاد ہو چکے ہیں اور وہ تمام چیزیں بھی اس میں داخل ہیں جو آئندہ زمانہ میں ایجاد ہوں گی ؛ کیونکہ تخلیق ان سب چیزوں کی در حقیقت خالق حقیقی ہی کا فعل ہے۔

مسائل کے باب میں احتیاط کی ضرورت ہے:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو چیز بھی ایجاد ہوتی ہے، اس کا علماء کو جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ مسئلۂ شرعی عوام کو بتلاسکیں، شرعی مسائل میں مسلمان محتاج ہیں ،اس لئے ان کی رہنمائی علماء کے ذمہ ہے، خود احکام شرعیہ معلوم کریں اور لوگوں کو بتلاویں، اس بنا پر علماء کی ذمہ داری ہے کہ نئی ایجادات جو آتی ہیں ان کے متعلق قرآن و حدیث میں غور کریں، استنباط کریں اور امت کو آگاہ کریں۔ ایسے ایسے مسائل آرہے ہیں کہ جن کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے ایسے مسائل میں ہم تو یہ لکھ دیتے ہیں دار العلوم دیو بند بھیجو، وہ حضرات

جو لکھیں گے وہی صحیح ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی:

کاروبار کے نئے مسائل ایسے آرہے ہیں کہ سمجھنا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ اس میں سود ہے یا نہیں، اور یہ دوسری قومیں یہی چاہتی ہیں کہ کاروبار کو ایسا خلط ملط کر دیا جائے کہ سب سود میں ملوث ہو جائیں، کوئی کاروبار ایسا نہ چھوڑا جائے جس میں سود کی آمیزش نہ ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی ہے کہ "**لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا آکل الربوا، ان لم یا کله اصابه من بخاره.**" (مشکوۃ:۲۴۵) ایک زمانہ ایسا آئے گا کوئی شخص سود کھانے سے نہیں بچ سکے گا اور اگر کھایا نہیں تو کم از کم اس کا دھواں یا غبار پہنچ ہی جائے گا۔

ایک عمومی ابتلاء اور اس پر تنبیہ:

آج کل پھلوں کی جو بیع ہورہی ہے یعنی اکثر و بیشتر باغ میں مور آتے ہی یا اس سے پہلے فروخت کر دیا جاتا ہے تو ایسی بیع باطل ہے، بالخصوص آم کی بیع، سکتے لوگ آج بھی آم بازار سے خرید کر نہیں کھاتے، اس لئے کہ درختوں پر جب مور آتے ہیں اس کو دیکھ کر بیع کر دی جاتی ہے اور ایسی بیع نا جائز ہے، اس لئے کہ بیع کے لئے مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے اور یہاں اس وقت پھل معدوم ہے۔

اور بعض صورتوں میں پھل آنے کے بعد بیع کی جاتی ہے مگر شرط لگا دی جاتی ہے کہ پھل توڑنے تک یہ درخت پر رہیں گے اس صورت میں بیع فاسد ہے، البتہ پھلوں کے بیچنے کی بعض صورتیں جائز بھی ہیں اس لئے مسئلہ کی تحقیق کر کے عمل کرنا چاہئے۔

بہر حال میں کہہ رہا تھا کہ حالات زمانہ کا جاننا ضروری اس لئے ہے تاکہ احکام شرعیہ اس پر آپ مرتب کرسکیں، فتوی دے سکیں اور عوام کو بتلاسکیں،

اس بنا پر علماء کو اس زمانہ میں مزید تحقیقات کرنا چاہئے، پہلے زمانہ کی جو تحقیقات ہیں وہ کافی نہیں ہیں بلکہ اس زمانہ میں تحقیقات کرنی ہوگی کہ ان مسائل کا کیا حل ہے، ان مسائل پر ہم کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ کیسے ہم شرعی اصول پر چل سکتے ہیں؟ اور کیسے حرام بیع و شراء سود وغیرہ سے بچ سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصلاح کا مدار رسوم جاہلیت تھے:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصلاحی کام کا مدار رسوم جاہلیت پر رکھا ہے، انہیں کو صاف ستھرا کرکے، پالش کرکے اور سنوار چمکا کر امت کے سامنے ایسی شریعت پیش کیا کہ کوئی بھی نبی ویسی شریعت پیش نہ کر سکا، جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لایزیغ منها بعدی الا هالك.**" (مسند احمد: ۱۲۶/۴) یعنی میں نے تم کو ایسے واضح مذہب پر چھوڑا ہے جس کی رات مثل دن کے روشن ہے، میرے بعد اس سے ہلاک ہونے والا ہی ہٹے گا۔

اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن فرمایا "**ألا کل شيء من امر الجاهلیة تحت قدمی**" (مشکوٰۃ: ۲۲۵) یعنی رسوم جاہلیت میرے پیروں تلے ہے، مطلب یہ کہ رسوم جاہلیت بغیر اصلاح وتربیت کے وہ اسی لائق ہے کہ جہنم میں ڈال دیا جائے اور پیروں تلے وہ روند دیا جائے، لیکن اسی رسوم کی جب اصلاح ہو جاتی ہے تو عین شریعت ہو جاتی ہے اور وہ جنت میں لے جانے کا سبب بنتی ہے۔

اکل طیبات سے عمل صالح کی توفیق ہوتی ہے:

بہر حال میرے دوستو! قلب کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے، حفاظت القلوب کی بہت بڑی اہمیت ہے، معدہ کے اندر ایسی غذا نہ آنے دو جو قلب کی غذا کے

مناسب نہ ہو، جب نا مناسب غذا معدہ میں جائے گی تو قلب کے اندر کدورت پیدا ہوگی ، اس کے اندر ظلمت پیدا ہوگی ، اس بنا پر حلال طیب غذا کے استعمال کو لازم کرو تو قلب کی حالت درست رہے گی اور قلب کو اس کے مناسب غذا پہنچانے کی فکر کرو، اللہ کا ذکر، تلاوت کلام اللہ، صدق مقال، صدق فعال، صدق اعتقاد، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو قلب کو صالح غذا پہنچاتی ہیں اور اگر قلب میں حرام چیزیں گئیں تو وہ ظلمت کا سبب بنیں گی ، کدورت کا سبب بنیں گی ، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے انبیاء کرام سے فرمایا ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ﴾ (مؤمنون:۵۱) اے رسولو! طیبات میں سے کھاؤ اور عمل صالح کرو، طیب مال کھانے سے صالح خون بنے گا اور صالح خون سے ذکر اللہ اور عمل صالح کی طرف تمہاری رغبت ہوگی۔

سیدنا عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طیبات کے کھانے سے عمل صالح کی توفیق ہوتی ہے۔

دنیا محبوب تو ہوسکتی ہے محبوب تر نہیں:

﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا٘ۖ۝۱۶ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰىؕ۝۱۷ ﴾(اعلیٰ:۱۷-۱۶) کہ تم تو حیات دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔حیات دنیا ترجیح دینے کے لائق نہیں ہے ، برتنے کے لائق ہے ، لیکن ترجیح دینے کے لائق نہیں ہے۔دنیا محبوب تو بن سکتی ہے لیکن محبوب تر نہیں بن سکتی۔ محبوب تر تو آخرت ہونی چاہیے مؤمن کے لیے۔احبیت کو منع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ تم دنیا سے آخرت کے مقابلہ میں زیادہ محبت کرو تو یہ منع ہے۔فی نفسہ محبت منع نہیں ہے۔بغیر محبت کے آدمی کاروبار ہی نہیں کرے گا۔ کچھ دنیا سے محبت ہونی چاہیے، تب تو کاروبار کروگے ، اس کا خیال کروگے وغیرہ۔ احبیت منع ہے نفس محبوبیت منع نہیں ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی بھی خالق کا حکم ہے:

بہر حال صوفیاء نے لکھا ہے جس راستے کو قطع کرنے کے درپے ہیں اس کی دو منزلیں ہیں، ایک یہ ہے کہ اللہ سے تعلق کو استوار رکھو اور اس کے ساتھ اپنے بیوی بچوں سے تعلق کو برقرار رکھو، یہ ہی طریق اور سلوک ہے؛ کیونکہ حقوق کی ادائیگی کا اصل مقصد اور غرض بھی اللہ سے جڑ جانا ہے، اس لیے مقصد اصلی کو پہلے بیان کیا۔ مخلوق سے تعلق رکھنا بھی مقاصد میں سے ہے لیکن اصل مقصد خالق سے تعلق رکھنا ہے، اس بناء پر پہلے اللہ سے تعلق کو بیان کیا، پھر مخلوق کے حقوق کو بیان کیا تاکہ ترتیب قائم رہے افضل فالافضل۔

مدارس کے فقہ وحدیث پڑھانے والے اساتذہ حدود اختلاف کو سمجھیں:

امام شافعیؒ وہ بھی ہمارے امام ہیں، ان کا بھی ایک مقام ہے، تمام ائمہ کا مسلک سب اپنی اپنی جگہ پر درست ہے، اس لئے سب کی عظمت، سب کی عزت، سب کا احترام اپنی جگہ پر مسلم ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہم سے کہیں بڑھ کر ہیں، ان کی بات کی بھی ایک وقعت ہے، ایک عظمت ہے، ان پر ہم نکیر نہیں کر سکتے، صرف اپنی دلیل پیش کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے نہ کہہ سکتے۔

حضرت گنگوہیؒ کا اعتراف:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہاں پر آجائیں تو کیا ہم لوگ ان کے سامنے بیان کر سکیں گے؟ مجال نہیں کہ ہم ان کے سامنے بول سکیں، وہ کوئی معمولی لوگوں میں سے نہیں تھے، بہت بڑے اہل اللہ تھے، قطب الاقطاب تھے، اتنے بڑے تھے کہ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، امامت کا جو درجہ اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا تھا وہ یوں ہی نہیں دے دیا تھا، بہت زبردست اللہ والے اور صاحب نسبت تھے۔

مقصدی قاعدہ کی قسمیں، اور تشریع میں اس کی حیثیت

شیخ عبدالرحمان کیلانیؒ ''قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی'' میں فرماتے ہیں:

موافقات کی چاروں جلدوں میں مقاصدی قواعد کے استقراء کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مندرجہ ذیل مختلف اعتبارات سے مقاصدی قواعد کی تقسیم کی جاسکتی ہے۔

(۱) مقصدی قاعدہ کے موضوع کے اعتبار سے، ہر قاعدہ کسی مخصوص موضوع کی وضاحت اور تشریع کے لئے وضع کیا جاتا ہے۔

(۲) قاعدہ کے عموم وخصوص کے اعتبار سے، عموم وخصوص کے اعتبار سے تمام قواعد ہم پلہ نہیں ہوتے، کچھ قاعدے اس قدر عام ہوتے ہیں کہ بعض دیگر قاعدے اس سے متفرع ہوتے ہیں، جب کہ کچھ قاعدے ایسے خاص ہوتے ہیں کہ وہ اپنے سے وسیع تر قاعدہ سے متفرع ہوتے ہیں۔

(۳) اس دلیل کے اعتبار سے جو کہ اس قاعدہ کو حجت اور لازمی قاعدہ کی حیثیت دیتی ہے، دلائل کے اختلاف کے نتیجہ میں ان سے وجود میں آنے والے قواعد بھی مختلف ہوتے ہیں۔

(۴) قصد والے کے اعتبار سے، اصل میں بعض مقصدی قواعد اس لئے وجود میں آتے ہیں کہ وہ شارع کے مقصود کو واضح کریں، جب کہ کچھ قواعد مکلّف کے قصد کو شارع کے قصد سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے مقصدی قاعدہ کی قسمیں:

تمام مقاصدی قواعد عام موضوع میں تو مشترک ہوتے ہیں کہ وہ شارع کا تشریع سے مقصود بیان کرتے ہیں، لیکن اس کے علاوہ ان میں سے ہر ایک اپنے داخلی موضوع کے اعتبار سے جدا اور مختلف ہوتا ہے، اپنے طویل غور وفکر اور مطالعہ کے نتیجے میں میں مقاصدی قواعد کو موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کر پایا ہوں۔

(ا) مصلحت ومفسدہ سے متعلق قواعد:

یہ تمام قواعد اگرچہ اس بات میں متحد ہیں کہ ان کا تعلق مصلحت ومفسدہ کے موضوع سے ہے، لیکن اس موضوع سے تعلق کی کیفیت کی بابت ان قواعد میں اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں سے بعض قواعد شریعت کی تمام جزئیات وکلیات کی اصل اساس: جلب المصالح ودرء المفاسد سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے:

(۱) ''تمام اوامر ونواہی لفظی دلالت کے اعتبار سے ہم مرتبہ ہوتے ہیں، اور امر میں سے واجب ومندوب اور نواہی میں سے حرام ومکروہ کا امتیاز نصوص سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے معانی کے تتبع، مصالح پر غور کرنے نیز یہ جاننے کی کہ مصالح ومفاسد کے کس مرتبہ سے یہ متعلق ہے۔ (الموافقات: ۳/ ۱۵۳)

(۲) ''اگر معمول کے حالات میں مصلحت مفسدہ کے مقابلہ میں غالب ہو تو وہ مقصود شریعت ہوتی ہے، اور اسی کے حصول کے لئے بندوں سے حکم شرعی کا مطالبہ ہوتا ہے۔

(۳) ''مصالح کے حصول کے لئے مشروع احکام کے تمام حالات اور تمام افراد میں مصلحت کا تحقق لازمی نہیں''۔ (الموافقات: ۲/ ۵۲ - ۵۳)

(۴) ''تمام تشریعات کا اصل مقصد دنیا وآخرت میں بندوں کے مصالح کی حفاظت ہے''۔ (شاطبی: الموافقات: ۲/ ۶)

(۵) ''مصالح کا خیال شریعت کی تمام جزئیات وکلیات میں رکھا جاتا ہے''۔

(ایضا: ۲/ ۵۴)

(۶) ''تمام تکلیفات شرعیہ درء مفاسد کے لئے ہوتی ہیں یا جلب مصالح کے لئے یا پھر بیک وقت ان دونوں کے لئے''۔ (شاطبی: الموافقات: ۱/ ۱۹۹)

(۷) ''تمام ممنوع اسباب اسباب مفاسد ہیں، جب کہ مشروع اسباب اسباب مصالح ہیں''۔ (ایضا: ۱/ ۲۴۳)

(۸) شارع کی تشریعات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مصلحت ومفسدہ کے مطابق طاعت ومعصیت کے درجات میں تفاوت پایا جاتا ہے"۔(ایضا:۱/ ۲۴۴)

ان جیسے قواعد احکا شرعیہ کی اساس بیان کررہے ہیں، بعض دیگر قواعد معتبر مصلحت کی تحدید کرتے ہیں جیسے:

(۱) "مصالح اور مفاسد کا شریعت میں اعتبار اس طور پر کیا جاتا ہے کہ حیات دنیوی حیات اخروی میں بھلائی کی باعث ہو، اس سلسلے میں خواہشات نفس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔"

(۲) "مصلحت سے مراد وہ مصلحت ہے جس کا شارع نے اعتبار کیا ہو، اور اس کے تقاضوں کا اپنی تشریعات میں خیال رکھا ہو"۔(ایضا:۱/ ۲۴۳)

(۳) تشریعات میں بندوں کے مصالح کا خیال محوظ ہوتا ہے، لیکن یہ خیال شارع کے حکم کے مطابق رکھا جاتا ہے، بندوں کی خواہشات کے مطابق نہیں"۔(ایضاً:۲/ ۱۷۲)

(۴) "ہر وہ شرعی اصول جس کے اجزاء سے اصول ثابتہ کی مخالفت لازم آئے، اس میں شیوع نہیں پایا جاتا اور نہ وہ کوئی قابل اعتماد واستناد قاعدہ واصول ہوتا ہے۔

(الموافقات:۱/ ۹۹، معمولی ردوبدل کے ساتھ)

بعض دیگر قواعد مصلحت کے اقسام بیان کرتے ہیں، چونکہ مصالح اپنی مطلوبیت اور وجود کے اعتبار سے ایک درجہ کے نہیں ہوتے، اس لئے یہ قواعد مصلحت کے مختلف درجات بیان کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ کون سی مصلحت ضروریات سے متعلق ہے اور کون سی حاجیات یا تحسینیات سے متعلق ،اسی طرح یہ قواعد ان تینوں مراتب (ضروریات، حاجیات، اور تحسینیات) کی تحدید بھی کرتے ہیں، اس طرح کے چند قواعد ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

(۱) "ضروریات سے مراد وہ امور ہیں جن کا وجود دین ودنیا کے مصالح کے قیام کے لئے لازمی ہو، اس طور پر کہ اگر وہ نہ پائے جائیں تو مصالح کا قیام صحیح طور پر ممکن ہی نہ ہو"۔(شاطبی: الموافقات:۲/ ۸)

(۲) ''حاجیات سے مراد وہ امور ہیں جن کی ضرورت تیسیر اور رفع حرج میں پڑے، لیکن ان کے نہ پائے جانے سے فساد عام اور ضرر عظیم لاحق نہ ہو''۔(ایضا:۲/۱۱)

کچھ قواعد ایسے بھی ہیں جن کا تعلق ان تینوں مراتب کے آپسی تعلق سے ہے، جیسے:

(۱) ''مقاصد ضروریہ، حاجیات وتحسینیات کے لئے اصل کا درجہ رکھتے ہیں''۔

(ایضا:۳/۱۶)

(۲) ''ہر حاجی اور تحسینی قاعدہ اپنی اصل مقصد ضروری کا خادم اور اس کا مکمل ہوتا ہے''۔(ایضا:۲/۲۴)

(۳) ''حاجیات اور تحسینیات دونوں میں سے ہر ایک کا مجموعہ ضروریات کا ایک فرد بن جاتا ہے''۔(ایضا:۲/۲۴)

(۴) ''مقاصد شریعت میں سے ہر مرتبہ کا ایک تکملہ یا تتمہ ہوتا ہے، جس کے نہ پائے جانے سے مرتبۂ مقاصد کی حکمت میں خلل نہیں پڑتا''۔(الموافقات:۲/۱۲)

(۵) ''ہر تکملہ (مکمِّل) کے تکملہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کو معتبر ماننے سے اصل کا ابطال لازم نہ آئے''۔(الموافقات:۲/۱۲)

مراتبِ ثلاثہ کے درمیان باہمی تعلق کی وضاحت کرنے والے مقاصدی قواعد:

(۱) ''ضروری، حاجی وتکمیلی ہر ایک کے لئے اصل کا مقام رکھتا ہے''۔

(۲) ''ضروری میں خلل واقع ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بقیہ دونوں (حاجی وتحسینی) میں بھی خلل واقع ہو''۔(الموافقات:۲/۱۶)

(۳) ''حاجی اور تحسینی میں خلل پائے جانے سے ضروری میں خلل پایا جانا لازمی نہیں''۔(الموافقات:۲/۱۶)

(۴) ''تحسینی یا حاجی میں مطلقا خلل واقع ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں ضروری بھی خلل پایا جائے''۔

(۵) ''ضروری کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ حاجی اور تحسینی کی حفاظت کی جائے''۔(الموافقات:۲/۱۷)

یہ اوران جیسے دیگر قواعد ضروریات، حاجیات اور تحسینیات میں سے ہر ایک کے دوسرے سے تعلق اور ربط کو واضح کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض قواعد اس مصلحت کے خیال رکھنے سے متعلق بھی ہیں جس کی وجہ سے حکم مشروع کیا گیا ہے، اور اسی طرح یہ قواعد احکام شرعیہ کی حکمتوں کو سمجھنے میں مجتہد کی مدد بھی کرتے ہیں۔مثلاً:

(۱) ''محض حکم شرعی کی جانب توجہ کرنا کافی نہیں، بلکہ اس کے معانی کا خیال رکھنا بھی لازمی ہے''۔(ایضا:۳/۱۴۹)

(۲) ''نصوص پر عمل کرنے کے سلسلے میں حرفیت کا رویہ مقصود شارع سے متصادم ہے، اور نصوص کے ظاہر کا مکمل اہمال بھی ایسا ہی ہے''۔(شاطبی:الموافقتا:۳/۱۵۴)

یہ مندرجہ بالا قواعد احکام کے معانی اور مصلحت سے متعلق ان کی غایات کو سمجھنے کے لئے مجتہد کا طریقۂ کار واضح کرتے ہیں۔

(۱) ''نصوص کے ظواہر پر بے جا اصرار کا شارع کے مقصود سے کوئی تعلق نہیں، لیکن دوسری جانب نصوص کے ظواہر کا بالکل خیال نہ رکھنا بھی بے جابات ہے''۔

(الموافقات:۳/۱۵۴)

(۲) ''کسی ایسے معنی (حکمت) کا انتخاب صحیح نہیں ہے جو نص کا الغاء کرے''۔(ایضا:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۳/۱۴۸/۱۴۸ (معمولی تصرف کے ساتھ)

اس بحث میں ذکر کئے گئے یہ متعدد قواعد اگرچہ مصلحت سے متعلق ہونے میں متحد ہیں، لیکن اس تعلق کی کیفیت میں ان کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔

(۱) ''مکلّف کے تعلق سے عبادات کے سلسلے میں اصل یہ ہے کہ ان کی حکمتوں کی جانب

توجہ کئے بغیر احکام پر عمل کیا جائے"۔(الموافقات:۲/ ۳۰۰)

(۲) "عادات سے متعلق احکام میں حکمتوں اور علتوں کا خیال رکھنا اصل ہے"۔

(الموافقات:۲/ ۳۰۵)

(۲) رفع حرج سے متعلق قواعد:

اسی طرح کچھ اور مقاصدی قواعد رفع حرج سے متعلق ہیں، ان قواعد میں رفع حرج سے متعلق مسائل اور تفریعات کے سلسلے میں رہنمائی ہوتی ہے، اسی طرح اس مشقت کی بھی ان قواعد میں تحدید کی جاتی ہے جو تسہیل، تخفیف، اور تیسیر کا باعث بنتی ہے، ہم کو یہ تمام امور مندرجہ ذیل قواعد میں واضح طور پر ملتے ہیں:

(۱) "شارع پُر از مشقت کام کا مکلف بنا کر انسان کو حرج میں ڈالنے کا ارادہ نہیں کرتا"۔(ایضا:۲/ ۱۲۳)

(۲) "شریعت تشریع کے سلسلے میں معتدل راہ عمل پر کاربند رہتی ہے، وہ بندوں کو انہیں اعمال کا پابند بناتی ہے جس میں نہ مشقت پائی جائے، اور نہ وہ حد سے زائد آسان اور سستی کا باعث ہو"۔(ایضا:۲/ ۱۶۳)

(۳) "اس بابت کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بعض تشریعات میں کلفت و مشقت پائی جاتی ہیں، لیکن شارع کو یہ مشقت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ ایسی تشریعات سے بندوں کو حاصل ہونے والے مصالح اسے مقصود ہوتے ہیں"۔(ایضا:۲/ ۱۲۳)

(۴) "اگر کسی حکم شرعی کی بابت بظاہر ایسا محسوس ہو کہ اس میں کسی ایسے عمل کا مکلف بنایا گیا ہے جس پر انسان کو استطاعت حاصل نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کا تعلق درحقیقت اس کے سابقہ، لاحقہ یا قرینہ سے ہے"۔(عز بن عبد السلام: قواعد الاحکام:۱/ ۱۱۲)

(۵) "شریعت اپنی تکلیفات میں افراط و تفریط سے محفوظ اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے ایسا حکم صادر کرتی ہے جو اس کے لئے مشقت کا باعث ہو نہ کہ سستی کا"۔(الموافقات:۲/ ۱۶۳)

(۶) ’’اگر کسی اصول کو عام ماننے کی صورت میں حرج یا غیر معقول ومشروع حکم لازم آتا ہوتو وہ عام اور مطلق نہ ہوگا‘‘۔ (ایضا:۱/ ۱۰۲)

(۷) ’’اعمال میں مداومت بھی شارع کو مقصود ہے‘‘۔ (الموافقات: ۲/ ۲۴۲)

یہ قواعد اور ان جیسے دیگر قواعد یہ واضح کرتے ہیں کہ شارع بندوں کو ایسے اعمال کا مکلف نہیں بناتا جن پر وہ قدرت نہ رکھتے ہوں یا اگر قدرت رکھتے ہوں تو مشقت شدیدہ کا سامنا ان کو کرنا پڑے۔

پھر امام شاطبیؒ نے بعض قواعد کے ذریعہ تیسیر کا سبب بننے والی مشقت کی تحدید کردی ہے۔ مثلا: ’’اگر مشقت ایسی ہو کہ عادۃً اس کا تحمل نہ کیا جاسکے یعنی اس کو اختیار کرنے کی صورت میں دنیوی یا اخروی فساد کا سامنا مکلف کو کرنا پڑے تو ایسی مشقت کو دور کرنا شارع کا مقصود ہے‘‘۔

(شاطبی: الموافقات: ۳/ ۱۵۶)

امام شاطبیؒ نے اس قاعدہ کے ذریعہ شریعت کی نگاہ میں معتبر مشقت کی وضاحت کردی ہے۔ یہ وہ مشقت ہے جس کا تحمل عادۃً نہ ہوتا ہو اور اس کی طلب لوگوں کو تشویش اور قلق میں ڈالے۔

معتبر مشقت کے ضابطے:

(۱) ’’اگر کوئی مشقت مکلف کے لئے ایسی غیر معتاد یعنی اس کی عادت اور اس کے معمول سے اس طور پر باہر ہو کہ اس کے لئے کسی دینی یا دنیوی فساد کا باعث ہو تو اس کو مکمل طور پر دور کرنا شارع کو مقصود ہے‘‘۔ (الموافقات: ۲/ ۱۵۶)

(۲) ’’مشقتوں والے تمام اعمال جن میں شارع نے مکلف کے لئے کوئی رخصت مشروع کی ہے؛ ان اعمال کی رخصتوں سے شارع کو مقصود یہ ہے کہ اگر چاہے تو ان پر عمل کرلے۔ (الموافقات: ۱/ ۳۷۴)

یعنی وہ مشقتیں جن کا تحمل کیا جاسکتا ہو، اور ان کا سامنا انسانوں کو اپنی زندگی میں بار بار کرنا پڑتا ہو؛ شریعت کی نگاہ میں تیسیر کا سبب بننے والی مشقتیں نہیں ہیں۔

اس بات کو مزید تاکید کے ساتھ بیان کرتے ہوئے امام شاطبیؒ نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے: ''وہ مشقت جو محض انسان کی خواہشات کے خلاف ہو معتبر مشقت نہیں ہے، اور اس کے پائے جانے کی صورت میں یقینا کوئی رخصت نہیں پائی جائے گی''۔

(شاطبی، الموافقات: ۱/۷ ۲۳، ۲/ ۱۵۳)

انسانی خواہشات کی مخالفت کو معتبر مشقت نہ ماننے کا سبب یہ ہے کہ تشریعات انسان کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہی ہوتی ہیں، لہذا ان خواہشات کو ہی تخفیف وتیسیر کا سبب مان لینے کی صورت میں غالبًا تمام تکلیفات شرعیہ ساقط ہوجائیں گی۔

رفع الحرج سے متعلق بعض قواعد ایسے ہیں جو اس کے اور مکلفین کے مقاصد کے درمیان ربط واضح کرتے ہیں، مثلا:

(۱) ''مشقت کا قصد کرنا غلط ہے، اس لئے کہ یہ طریقۂ کار شارع کے مقصود سے متصادم ہے۔ اور اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے تعذیب نفوس کو اپنے تقرب اور آخرت میں جزاء کا سبب نہیں بنایا ہے''۔ (ایضاً: ۲/ ۱۳۹، ۱۳۴)

اسی قبیل کا ایک قاعدہ ہے:

(۲) ''مکلف کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اجر عظیم کے لئے نفس مشقت کا قصد کرے، بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اس عمل کا قصد کرے جس میں مشقت پائی جاتی ہے''۔ (ایضاً: ۲/ ۱۲۸)

(۳) ''ثواب کی زیادتی کی نیت سے مشقت کا قصد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ مکلف کو چاہئے کہ وہ اس عمل کا قصد کرے جس کا ثواب مشقت زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ ہو'' (الموافقات: ۲/ ۱۲۸)

یہ قواعد مکلفین کے قصد کی تصحیح کررہے ہیں؛ تاکہ ہر مکلف کا قصد تشریع کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوجائے، یا بالفاظ دیگر مکلف اور شارع کے مقصد میں کوئی اختلاف نہ پایا جائے۔

(۳) افعال کے مآل (انجام) اور مکلفین کے مقاصد سے متعلق قواعد:

موافقات کے مطالعہ سے بعض ایسے قواعد کی بھی دریافت ہوتی ہے جو مکلفین کے مقاصد اوران کے اعمال کے مآل (انجام) سے متعلق ہوتے ہیں، ایسے قواعد کی تعداد بہت ہے۔

ان میں سے بعض قواعد ایسے ہیں جو افعال کے انجام پر نظر رکھنے کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور جن کے بموجب چونکہ شارع نے اس کا خیال رکھا ہے، اس لئے اس کا اعتبار کرنا لازمی ہے۔ ایسا ہی ایک قاعدہ ہے:

(۱) ''انجام کا اعتبار کرنا شریعت کی نگاہ میں معتبر اور اس کا مقصود ہے''۔

(شاطبی: الموافقات: ۴/ ۱۹۴)

ایک اور قاعدہ ہے:

(۲) ''اصحاب اجتہاد کے لئے لازمی ہے کہ وہ احکام کے اسباب اور نتائج (انجام) پر نگاہ رکھیں، اس لئے کہ احکام شرعیہ پر یہ اثر انداز ہوتے ہیں''۔ (ایضا: ۱/ ۲۳۵)

کچھ قواعد ایسے بھی ہیں جو مکلفین کے مقاصد کو صحیح رخ دیتے ہیں؛ تا کہ وہ مقصود شارع کے مطابق ہوجائیں۔ مثلا:

(۳) ''شارع سے مکلف کا مطالبہ یہ ہے کہ حکم کی بجا آوری سے اس کا مقصد شارع کے مقصد تشریع کے موافق ہو، نیز مکلف شارع کے مقصد سے متصادم کسی اور چیز کا قصد نہ کرے''۔ (ایضا: ۲/ ۲۳۱)

(۴) ''اعمال میں مقاصد کا اعتبار کیا جائے گا''۔ (ایضا: ۲/ ۲۲۳)

(۵) '' چونکہ مسبَّب (انجام) کی جانب توجہ کرنے سے سبب (عمل) کی تکمیل میں مدد ملتی ہے اس لئے اس کی جانب توجہ کرنا لازمی ہے''۔ (ایضاً: ۱/ ۲۳۵)

مکلف کے قصد اور رخصتوں کے اسباب کے درمیان تعلق:

ان دونوں کے درمیان تعلق کی نوعیت کی وضاحت یہ قاعدہ کرتا ہے:

(قاعدہ) ''عزائم سے بچنے کی نیت سے مکلف کو رخصتوں کے اسباب بتکلف حاصل نہیں کرنے چاہیئے''۔

قصد مکلف کو قصد شارع سے ہم آہنگ کرنے والے مقاصدی قواعد:

(۱) ''مکلف سے شارع کو یہ مطلب ہے کہ فعل سے اس کا مقصود تشریع سے شارع کے مقصد سے ہم آہنگ ہو''۔ (الموافقات: ۲/۳۳۱)

(۲) ''مسبب کا قصد لازمی نہیں ہے، مکلف کو اختیار ہے؛ چاہے اسے مطلقاً ترک کردے اور چاہے تو اس کا قصد کرے''۔ (ایضا: ۱۹۶)

(۳) ''مسبب کا قصد کرنے سے جب سبب اور اس کے تکملہ کو تقویت پہنچے، نیز سبب کو اچھی طریقہ سے ادا کرنے کی تحریض ہو تو مسبب کا قصد کرنا موجب مصلحت ہے اور اگر اس کے نتیجے میں سبب باطل یا کمزور ہو رہا ہو یا اس کے سلسلے میں کم رغبتی پیدا ہو تو ایسی صورت میں مسبب کا قصد کرنا موجب مفسدہ ہے۔ (الموافقات: ۱/۲۳۵)

(۴) ''عمل اگر مقاصد اصلیہ کے مطابق وجود میں آیا ہے تو پھر اس کی صحت میں کوئی اشکال نہیں ہے، چاہے تابع مقاصد اس عمل کے ساتھ پائے جائیں یا نہیں''۔

(الموافقات: ۲/۱۹۶)

(۵) ''عادات سے متعلق عمل کی صحت میں اس وقت کوئی شک نہیں ہوتا جب وہ مقاصد تابعہ کے موافق انجام پائے اور مقاصد اصلیہ بھی اس کے ساتھ پائے جائیں''۔ (الموافقات: ۲/۲۰۷)

(۶) ''عبادات سے متعلق عمل اگر مقاصد اصلیہ کے موافق ہو اور اس کے ساتھ مقاصد تابعہ پائے جائیں تو مقصد تابع کے بدلنے سے اس کا حکم بھی بدلے گا''۔

قاعدہ کی تشریح:

اس قاعدہ کے الفاظ امام شاطبیؒ کے نہیں ہیں، بلکہ امام موصوف نے عبادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والے عمل کا جو حکم اس صورت میں بیان کیا ہے کہ یہ عمل مقاصد اصلیہ کے موافق

ہواور مقاصد تابعہ بھی اس کے ساتھ پائے جارہے ہوں، راقم نے اس سے اس قاعدہ کا استخراج کیا ہے، اپنے مطالعہ سے میں اس نتیجہ تک پہنچا کہ ایسے عمل کا حکم ساتھ میں پائے جانے والے مقصد تابع کے بدلنے سے بدلتا رہے گا۔

حکم کی اس تبدیلی کی تفصیل یہ ہے کہ: عبادات میں مقصد اصلی ہے محض اللہ سبحانہ وتعالی کی جانب توجہ اور اس کے لئے خشوع وخضوع، جب کہ وہ مقصد تابع جس میں ذاتی منفعت کا خیال رکھا جاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ذاتی منفعت اخروی ہو، مثلا اللہ کی عبادت کوئی جنت کی طلب یا دوزخ سے بچنے کے لئے کرے، خود اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے مقربین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ (سجدہ:۱۶) (ترجمہ: اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں) تو ایسا عمل صحیح ہوگا، اس لئے کہ شریعت نے اس ذاتی منفعت کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس اخروی منفعت کا طالب اپنے عمل میں نہ حدود سے تجاوز کرتا ہے نہ کسی مقصد اصلی کی مخالفت کرتا ہے اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے کہ وہ اس منفعت کی عبادت نہیں کررہا بلکہ اس ذات کی عبادت کررہا ہے جس کے اختیار میں اس منفعت سے نوازنا ہے۔ (الموافقات: ۲/ ۲۱۵-۲۱۶)

دوسری قسم: مطلوب ذاتی منفعت دنیوی ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: جس کے نتیجے میں ظاہری ہیئت درست ہو، لوگوں میں اس عمل کرنے والے کے لئے حسن ظن اور اس کے تئیں عقیدت پیدا ہو۔

دوسری صورزت: جس کا تعلق کسی دنیوی غرض سے ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ غرض جو خود عامل کی ذات کے ساتھ خاص ہو، ریا کاری کی طلب ہرگز نہ ہو، دوسری قسم میں وہ دنیوی غرض آتی ہے جس میں ریا کاری ہو؛ تاکہ اس عمل کے ذریعہ جاہ ومال حاصل کرسکے۔

(۲) اس عمل عبادت کا حکم جس کے ساتھ ایسا مقصد تابع پایا جائے جس کے نتیجے میں ظاہری ہیئت درست ہو اور لوگوں میں اس کی تئیں حسن ظن پیدا ہو: (ص: ۳۶۳، ۳۶۴، مقاصد کتاب)

ان قواعد میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو مکلفین اور شارع کے مقاصد میں تصادم کے اثرات کو واضح کرتے ہیں۔ کبھی تو مکلف خود مقصد شارع کے مخالف قصد کرتا ہے اور کبھی وہ مقصد شارع سے اختلاف قصداً نہیں کرتا لیکن اس کے عمل کا انجام مقصد شارع سے تصادم (یا اختلاف) ہی نکلتا ہے، اگرچہ وہ خود اس کا قصد نہیں کرتا۔

ان قواعد میں سے چند یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

(۱) ''اگر کوئی شخص تکلیفات شرعیہ پر عمل آوری کے وقت کوئی ایسا قصد کرے جس کے لئے وہ مشروع نہیں ہے، تو وہ شریعت کے مخالف کام کا مرتکب ہوگا''۔ (ایضاً: ۲/ ۳۳۳)

(۲) ''اگر کوئی شخص کسی شرط (سبب) کو اس لئے انجام دے یا اسے اس لئے ترک کرے کہ اس کا نتیجہ (یعنی حکم شرعی) وجود میں نہ آئے تو یہ ایک غلط کام ہوگا''۔ (ایضا: ۱/ ۲۷۵)

(۳) ''کسی مصلحت کے حصول کے لئے مشروع طریقہ کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنے والا درحقیقت اس مصلحت کی ضد کے لئے کوشاں ہوگا''۔ (ایضا: ۲۴۹)

(۴) ''اگر کوئی مشرع حکم شریعت کی نگاہ میں کسی ممنوع انجام پر منتج ہو تو وہ غیر مشروع ہو جائے گا، چاہے اس انجام کا مکلف نے قصد کیا ہو یا وہ اس انجام تک بلا قصد پہنچا ہو''۔

(ایضا: ۲/ ۲۴۸)

فعل کے نتائج پر نگاہ رکھنے کو مجتہد کے لئے لازم قرار دینے والے قواعد:

(۱) ''افعال کے نتائج پر غور کرنا ایک معتبر مقصد شریعت ہے، چاہے افعال موافق ہوں یا مخالف''۔ (الموافقات: ۲/ ۳۳۱)

(۲) ''مجتہد کے لئے یہ لازمی ہے کہ اسباب اور مسببات پر نگاہ رکھے''۔ (الموافقات: ۱/ ۲۳۵)

مکلفین کے مقاصد و اعمال کے نتائج کے اثرات واضح کرنے والے قواعد:

(۱) ''عبادات اور عادات دونوں طرح کے اعمال میں مقاصد معتبر ہیں''۔

(الموافقات: ۲/ ۳۲۳)

(۲) ''ہر وہ شخص جو شرعی تکلیفات میں ان کے مقصد تشریع سے جدا قصد کرے وہ شریعت کی مخالفت کا مرتکب ہوتا ہے، اور جو شخص ایسا کرتا ہے اس کا عمل باطل ہوتا ہے، یعنی جو شخص بھی احکام کے مقاصد تشریع سے الگ دوسرا قصد کرتا ہے اس کا عمل باطل ہے''۔

(ایضا:۲/ ۳۳۳)

(۳) ''باطل حیلے وہ حیلے ہیں جو کسی اصل شرعی کو ختم کر دیں''۔(ایضا:۲/ ۳۸۷)

(۴) ''ہر مباح فعل اس وقت غیر مباح ہو جاتا ہے جب اکثر یا بکثرت اس کے نتیجہ میں مفسدہ لاحق ہو، چاہے یہ مکلف اس نتیجہ/ انجام کا قصد کرے یا نہیں۔

صاحب قصد کے اعتبار سے مقصدی قاعدہ کی قسمیں:

مقصدی قاعدہ کی تقسیم کی تیسری بنیاد صاحب قصد ہے، مقاصدی قواعد پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ بعض قواعد جہاں شارع کے مقصد تشریع کی وضاحت کرتے ہیں وہیں دوسری جانب بعض دیگر قواعد مکلف کے قصد کی اصلاح کرتے ہیں۔

امام شاطبیؒ نے مقاصد شریعت پر اپنی گفتگو کے آغاز میں یہ وضاحت کی ہے کہ مقاصدی قواعد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قصد شارع سے متعلق قواعد۔

(۲) قصد مکلف سے متعلق قواعد۔

امام شاطبیؒ کے بیان کے مطابق اگر مقاصدی قواعد کی یہ دو قسمیں ہیں تو پھر یہ لازم ہے کہ ان قسموں سے متعلق مقاصد مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق مقام رکھتے ہوں، یعنی پہلا اور اولین مقام ان قواعد کو حاصل ہو جو قصد شارع سے متعلق ہیں، جب کہ قصد مکلف سے متعلق قواعد کو ان سے فروتر مقام حاصل ہو۔

یہ تقسیم مقاصدی قواعد میں بہت واضح ہے، قصد شارع سے متعلق بے شمار قواعد ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

تعبدی مسائل کے عام مقاصد یہ ہیں:

(۱) ''احکام خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، خشوع وخضوع اور تعظیم وتوجہ کو اسی کے ساتھ خاص کرنا''۔ (شاطبی، الموافقات: ۲/ ۳۰۱)

(۲) ''مقاصد شریعت کی رو سے منہیات سے اجتناب اوامر پر عمل کرنے سے مقدم ہے، اسی طرح درء مفاسد جلب مصالح سے اولی ہے''۔ (ایضا: ۲/ ۲۷۲)

(۳) ''تشریع کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کی خواہشات مقاصد شارع کے تابع ہوجائیں ،شارع نے بندوں کی خواہشات اور ان کی راحت کا خیال ضرورت بھر رکھا ہے''۔

(ایضاً: ۱/ ۲۷۷)

(۴) ''اعمال سے متعلق ایک مقصدِ شریعت یہ بھی ہے کہ شارع ان پر مداومت کرے''۔

(ایضاً: ۲/ ۲۴۲)

(۵) ''انجام کا اعتبار شریعت کو مقصود اور اس کی نگاہ میں معتبر ہے''۔ (ایضاً: ۴/ ۱۹۴)

(۶) ''یہ صحیح ہے کہ شارع کی بعض تشریحات میں تھوڑی بہت پریشانی اور مشقت پائی جاتی ہے، لیکن ان تشریعات سے شارع کا مقصد مشقت نہیں ہوتی ؛ بلکہ اس کا مقصد ان تشریعات سے حاصل ہونے والے مصالح ہوتے ہیں''۔ (ایضاً: ۲/ ۱۲۳-۱۲۴)

یہ تمام قواعد قصد شارع کو خوب واضح کردیتے ہیں ،لہذا کسی بھی مکلف کے لئے ان کے مخالف عمل کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔

ذیل میں چند وہ قواعد درج کئے جارہے ہیں جو مکلف کے قصد کی اصلاح کرتے ہیں:

(۱) ''کسی مصلحت کے حصول کے لئے غیر مشروع طریقہ کا استعمال درحقیقت اس مصلحت کی ضد کے حصول کی کوشش ہے''۔ (شاطبی ،موافقات: ۱/ ۲۴۹)

(۲) ''کسی مشقت کا قصد کرنا غلط ہے، اس لئے کہ یہ عمل قصد شارع سے متصادم ہے۔ نیز اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے نفوس کی تعذیب کو اپنے تقرب اور اجر اخروی کا باعث

نہیں بنایا ہے"۔

(۳) "کسی مکلف کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اجر عظیم کے لئے نفس مشقت کا قصد کرے، بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اس عمل کا قصد کرے جس میں مشقت کی زیادتی کی بناء پر اجر زیادہ ہے"۔ (ایضاً: ۲/ ۱۲۸)

یہ تمام قواعد مکلف کے قصد کی اصلاح کرتے ہیں، تاکہ قصد کا فساد عمل کی صحت پر اثر انداز نہ ہو، اور تاکہ اس کا عمل ظاہر و باطن بہر اعتبار قصد شارع سے ہم آہنگ ہوجائے۔

اس طرح ان قواعد کا عملی پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اور قصد شارع سے متعلق قواعد محض نظریاتی نہیں رہ جاتے؛ بلکہ وہ مکلف کے قصد سے متعلق قواعد کی مدد سے عملی حدود میں آجاتے ہیں۔ مقاصد تشریع کا خیال اسی طریقۂ کار کو اختیار کرکے رکھا جاسکتا ہے جس کی وضاحت امام شاطبی نے کی ہے۔ ان مقاصد شارع کا تحقق مکمل طور پر تبھی ممکن ہوگا جب مکلف ہر عمل میں شارع کے قصد کے تحقق کا قصد کرے تاکہ دونوں کے قصد مکمل طور پر ہم آہنگ ہوں اور مکلف کا قصد شارع کے قصد سے جدا اور مختلف نہ ہو۔

اس طرح مقاصد شریعت مکلفین کے افعال اور ان کے مقاصد کی مدد سے نظریاتی حدود سے نکل کر عملی حدود میں آتے ہیں؛ تاکہ شارع و مکلّف کے قصد میں اتحاد کے بعد مکلف اللہ کا اضطراری بندہ ہونے کے ساتھ ساتھ اختیاری بندہ بھی ہوجائے۔

اپنے مطالعہ اور بحث و تحقیق کے ذریعہ میں نے مقاصدی قواعد کو ان بنیادی موضوعات کے متعلق پایا ہے۔

یہاں پر یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ ان موضوعات میں سے ہر ایک اگرچہ فی نفسہ مستقل موضوع کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن یہ سب ایک دوسرے سے مربوط بھی ہیں۔

ذاتی قوت کے اعتبار سے مقاصد کی قسمیں

اپنی ذاتی قوت ودرجے کے اعتبار سے مقاصد کی تین قسمیں ہیں:

(۱)مقاصد ضروریہ (۲)مقاصد حاجیہ (۳)مقاصد تحسینیہ۔

(پہلی قسم)

مقاصد ضروریہ کی مع امثلہ تعریف اور اس کے دلائل:

پہلا مطلب: مقاصد ضروریہ کی تعریف:

مقاصد ضروریہ وہ مقاصد ہیں جن کو حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ دین ودنیا کی فلاح ودرستگی ہو اور اللہ کی مخلوق دنیا وآخرت میں کامیابی وخوش نصیبی حاصل کرسکے۔

دوسرا مطلب: مقاصد ضروریہ کی مثالیں

مقاصد ضروریہ کی مثالیں وشواہد بکثرت ہیں، جو فقہ، اصول، مقاصد اور قواعد شرعیہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، نیز ان کتابوں میں بھی ان کا ذکر موجود ہے جن کا تذکرہ کچھ دیر کے بعد آرہا ہے، ذیل میں چند مثالیں بر سبیل تذکرہ ہم پیش کررہے ہیں:

(۱) خالص ایمان، پختہ اعتقاد اور اسلام کے قطعی اور مسلّم عقائد کے اقرار کا حکم۔

(۲) فرائض کی ادائیگی اور بندگی کے شعائر کا حکم۔

(۳) جانوں کو زندگی بخشنے، ان کو قتل وسزا (ناحق) سے روکنے، قاتلوں سے قصاص لینے اور جنگجوؤں وزمین میں فساد پھیلانے والوں سے بدلہ لینے کا حکم۔

(۴) دنیا کو آباد کرنے اور زندہ رکھنے کے لئے توالد وتناسل کی ترغیب دینا۔

(۵) نشہ آور اور بے خود کرنے والی چیزوں کو حرام قرار دینا، پڑھنے اور دنیا میں غور وفکر

کرنے پر آمادہ کرنا، دنیا وزندگی میں شریعت کو سمجھنے اور تطبیق دینے کے لئے عقل، اس کے مرتبے اور غلبہ کی حفاظت کے واسطے ناخواندگی، جہالت، جادو اور شعبدہ بازی کی مخالفت کرنا اور ان کو جڑ سے ختم کرنا۔

(۶) حصول رزق، نفع بخش اشیاء کا تبادلہ، حاجات وضروریات کی تکمیل اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے عمل، پیدا وار اور سعی وکوشش پر آمادہ کرنا جو زندگی کی بقاء، ایک دوسرے سے اس کے ربط وتعلق اور نشو نماء وترقی کے لئے لازم ہیں۔

تیسرا مطلب: مقاصد ضروریہ کے دلائل

مقاصد ضروریہ ہر قوم وامت کے لئے لازمی وضروری ہیں، بہت سی نصوص اور مختلف قسم کی دلیلیں اس پر موجود ہیں، یہ استقراء کے ذریعہ ثابت اور موکد ہیں، تمام نصوص ودلائل میں نظر کرنا اور شریعت کی پختگی وثبوت کی غرض سے شریعت کے مسائل واحکام میں غور وفکر کرنا استقراء کہلاتا ہے۔

لہذا یہ مقاصد بہت سے دلائل ونصوص اور بے شمار جزئی مسائل سے ثابت ہیں، کسی ایک یا چند دلائل ونصوص سے ان کا ثبوت نہیں ہے، اسی وجہ سے ان پر قطعیت اور یقین کی مہر لگ گئی ہے، یعنی ان کو ایسے قطعی ویقینی مقاصد تسلیم کیا گیا جس میں نہ لوگوں کا اختلاف ہے اور نہ اس میں مختلف نظریں ورائیں ہیں، پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مقاصد ضروریہ ثابت شدہ ہیں:

(۱) صراحت کے ساتھ دلالت کرنے والی نصوص کے ذریعہ۔

(۲) ان نصوص اور دلائل کے مجموعہ میں استقراء اور غور وفکر کرنے کے ذریعہ جو مقاصد ضروریہ کے انتخاب، ان سے نتیجہ اخذ کرنے اور ان کو ثابت کرنے کا سبب اور ذریعہ ہیں۔

(مقاصد خمسہ کی مثالیں)

چوتھا مطلب: مقاصد ضروریہ کی قسمیں

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مقاصد ضروریہ کی پانچ قسمیں ہیں، جو کلیات خمسہ سے مشہور ہیں، اور وہ یہ ہیں:

[۱] دین کی حفاظت [۲] جان کی حفاظت [۳] عقل کی حفاظت [۴] نسل کی حفاظت [۵] مال کی حفاظت۔

(۱) حفاظتِ دین کے مقاصد ضروریہ:

کلیاتِ خمسہ میں سے حفاظت دین کو سب سے اہم اور عظیم مقصد شمار کیا جاتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے وجود اور دنیوی زندگی میں دین کے ارکان اور اس کے احکام کو ثابت کیا جائے اور اپنے عمل کے ذریعہ بدعت، اشاعت کفر، اخلاق سیئہ، الحاد و دہریت اور فرائض وواجبات کی ادائیگی میں سستی اور اس طرح کی دیگر دین الٰہی کی مخالف ومعارض چیزوں کو ختم کیا جائے۔

حفاظتِ دین ہی کے واسطہ سے ایمان، شہادتین کا اقرار، نماز، روزہ، حج وغیرہ مشروع ہوئے ہیں اور وہ تمام اعمال واقوال جن کی وجہ سے قلوب اور زندگی میں دین راسخ ہوا، جیسے اوراد واذکار، وعظ وارشاد، خیر خواہی، مدارس ومساجد کی تعمیر، علماء ومصلحین اور داعیوں کی عزت واحترام وغیرہ۔

(۲) حفاظتِ نفس کے مقاصد ضروریہ:

مقاصد ضروریہ اور کلماتِ خمسہ میں سے دوسرا اہم مقصد حفاظتِ نفس ہے، اس کا تقاضا زندگی وسلامتی اور عزت وشرافت میں نفس کے حق کی مکمل رعایت کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (سورۃ الاسراء: ۷۰) (اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (سورۃ التین: ۴) (کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے)۔

حفاظتِ نفس ہی کے واسطہ سے بہت سے احکام مشروع ہوئے ہیں، جن میں سے بعض ممنوع ہیں، جیسے قتل کی حرمت، قصاص کی مشروعیت، مجسمہ اور تصویر سازی کی ممانعت، جنگجوؤں، ڈاکوؤں اور نفس انسانی کی بے حرمتی وتحقیر کرنے والوں کی سزا، اعضائے انسانی کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرنے کی ممانعت، اعضاء کی تجارت کی ممانعت، بغیر ضرورت شدیدہ کے بدن انسانی کی تشریح اور آپریشن کی ممانعت اور مُردوں کے جسم کو جلانے کی ممانعت وغیرہ، بعض ایسی چیزوں کا حکم بھی دیا گیا ہے جن سے جان باقی رہے جیسے کھانا، پینا اور علاج ومعالجہ۔

(۳) حفاظتِ عقل کے مقاصد ضروریہ:

مقاصد ضروریہ یا کلیاتِ خمسہ میں سے تیسرا مقصد مکمل حفاظتِ عقل ہے، جس کو بہت سے مواقع پر اسلام نے ثابت اور مؤکد کیا ہے، جن میں بعض یہ ہیں: عقل کے ساتھ اسلام کی دلچسپی، سمجھ بوجھ اور عمل کا مکلف بنانے میں عقل کو شرط قرار دینا، انسان اور دنیا کے احوال کے متعلق ان کے اسرار ورموز کو جاننے، ان کے قوانین کا استنباط کرنے اور ان کی خبروں سے استفادہ کرنے کے لئے عقل ہی کو مدار قرار دینا ہے، اللہ تعالی نے انسان کو تدبیر اور غور وفکر کرنے کا حکم دیا ہے، اسی وجہ سے تمام مخلوقات کے مقابلہ میں انسان کو امتیاز بخشا اور عقلِ سلیم رکھنے والے مجتہدین ومفکرین اور مدبرین کی اللہ تعالی نے تعریف وتوصیف فرمائی ہے، یہ تمام چیزیں اسلام کے اندر عقل کے مرتبہ وحیثیت پر دلیل ہیں اور احکام کے سمجھنے، ان کا استنباط کرنے اور تطبیق دینے میں عقل کا قابلِ قدر کردار اور رول بھی اس کی اہمیت پر دال ہے۔

عقل کو فاسد یا معطل کردینے والی چیزوں سے منع کرکے اسلام نے عقل کی حفاظت اور

اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، جیسے نشہ آور، مدہوش کردینے والی، عقل میں فتور پیدا کرنے والی اور تدبر وغور وفکر میں عقل کو متاثر کرنے والی تمام چیزوں سے منع کیا گیا ہے، کثرت بیداری یا مداومت کے ساتھ جاگنے، اوقات کو برباد اور ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح شریعت نے جہالت اور ناخواندگی کو پھیلنے سے بھی منع کیا ہے، علم کی طلب اور اس کی نشر واشاعت کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ جہالت اور ناخواندگی کے ساتھ عقل معطل اور بے کار ہوکر رہ جاتی ہے اور اس کو عقل کی سب سے بری حالت، اس کی انتہائی خراب علامت اور انجام تصور کیا جاتا ہے۔

اسلام نے حفاظتِ عقل پر بہت زیادہ توجہ دی ہے اور خاطر خواہ عقل پر توجہ دینے کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اسلام نے عقل کے لئے حدود وقیود متعین کئے ہیں، جن سے وہ تجاوز اور انحراف نہیں کرسکتی، اس لئے کے عقل کی مطلق العنانی اور مکمل آزادی یقیناً ایسے مفاسد اور برائیوں کو جنم دے گی جن کو جہالت کے سبب عقل معطل ہونے کی وجہ سے وجود میں آنے والے مفاسد سے کسی طرح بھی کم نہیں کہا جاسکتا ہے، لہٰذا معتبر قیود اور معروف اصول وضوابط کے ذریعے عقل کی حیثیت ودرجہ کو ثابت کرتے ہوئے اپنے مزاج اعتدال کے ساتھ اسلام نے اس کی حفاظت کی ہے۔

(۴) نسل ونسب اور آبرو کی حفاظت کے مقاصد ضروریہ:

حفاظتِ نسل کا مفہوم دنیا کو آباد کرنے اور بسانے کے لئے سلسلۂ توالد وتناسل ہے۔

حفاظت نسب کا مفہوم شرعی رشتۂ ازدواج کے راستے سے جائز اور مباح تناسل کو بروئے کار لانا ہے؛ تاکہ جانوروں اور ہر شے وطریقے کو جائز سمجھنے والی ان مادہ پرست قوموں کی طرح ناجائز وغیرہ فطری تناسل ہرگز نہ ہو، جن کے نہ اصول کا پتہ ہے نہ فروع کا، نہ ان کے باپ ہیں نہ اولاد، کیوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی پوری زندگی اس حال میں گزار دیتا ہے کہ اس کو اپنے والدین کے بارے میں کوئی علم نہیں ہوتا۔

حفاظتِ عزت وآبرو کا مفہوم شرافت وکرامت، عفت وپاکدامنی کی حفاظت ہے۔

مذکورہ بالا تینوں اشیاء (نسل ونسب وآبرو) کی حفاظت کو چوتھا کلی مقصد شرعی شمار

کیا جاتا ہے، جس کو اسلام نے اپنے نصوص و احکام میں بیان کیا ہے اور مختلف شرعی احکام کے درمیان اس کو مستحکم کیا ہے، جس میں سے بطور مثال کچھ کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں:

(الف) نکاح پر ابھارنا، اس کی ترغیب دینا، اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کو کم کرنا اور اخراجات میں کمی کر کے ہلکا و آسان کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: "**إنّ أعظم النكاح بركة أقله مؤونة**" (رواہ احمد: کتاب حدیث السیدۃ عائشۃؓ، باب حدیث السیدۃ عائشۃ) (سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو)۔

(ب) زنا کی ممانعت اور اس کے اسباب و طریقوں کو بند کرنا، جیسے تنہائی، بے پردگی، شہوت کے ساتھ دیکھنا، چھونا اور چمٹنا وغیرہ۔

(ج) زنا، لواطت اور بے حیائی کا ارتکاب کر کے حکم شرعی سے انحراف کرنے والوں کو سزا دینا۔

(د) عمدہ اخلاق و بلند کردار اپنانے کا حکم کرنا اور ذلت کے اعمال، فواحشات اور ناجائز کاموں سے منع کرنا۔

(ھ) منہ بولا بیٹا بنانے کی ممانعت اور اس بات کا التزام کہ انسان کو اس کے باپ ہی کی جانب منسوب کیا جائے، وہ کسی اور کا بیٹا نہیں ہوسکتا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ أُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ (سورۃ الأحزاب: ۵) (انہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو)۔

(۵) حفاظتِ مال کے ضروری مقاصد:

حفاظتِ مال کا مفہوم اس کو بڑھانا اور اس میں اضافہ کرنا ہے اور ضائع و برباد ہونے اور نقصان سے بچانا ہے، جیسا کہ مال کے بارے میں ایک مقولہ مشہور ہے "**المال قوام الأعمال**" (مال اعمال کا مدار و بنیاد ہے) اسی وجہ سے اس کو ایک کلی و قطعی مقصد شرعی شمار کیا جاتا ہے اور اس پر بہت سی نصوص و احکام بطور دلیل ہیں، انہی میں سے چند کو ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

(۱) کام پر ابھارنا، سفر کرنا، اور رزق تلاش کرنا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾(سورۃ الملک:۱۵)(وہ ہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کردیا، سو تم اس کے راستہ میں چلو پھرو)۔

(۳) چوری، غصب، دھوکہ، رشوت، سود اور غلط و ناجائز طریقوں سے دوسرے کا مال ہڑپنے کی تمام صورتوں کی حرمت۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿ وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾(سورۃ البقرۃ:۱۸۸)(اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ)۔

(۴) ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے والوں پر حدود وتعزیرات نافذ کرنا، جیسا کہ ہاتھ کاٹ کر چور کو سزا دینا، جنگجو اور ڈاکو کو سزا دینا، سورہ مائدہ میں صراحت کے ساتھ ذکر کردہ سزاؤں میں سے کسی ایک کے ذریعہ سزا دینا، وہ آیت کریمہ یہ ہے:﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾(سورۃ المائدۃ: ۳۳)(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں۔۔۔الخ) سزا کے شرائط جب پالئے جائیں تو سزا یقینی اور لازمی ہونی چاہئے۔

(۵) برباد اور ہلاک کی گئی اشیاء کا ضامن بنانا۔

(۶) مالوں کو ذخیرہ کرنے اور جمع کرنے کی ممانعت تاکہ اس کے عام ہونے، اس سے انتفاع واستفادہ کو ختم کرنے میں شریک نہ بنا جائے۔

مقاصد ضروریہ کی قسموں کا خلاصہ:

ماقبل میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مقاصد ضروریہ ان مصلحتوں کا نام ہے جن کا ہونا ضروری اور لابدی ہے، تاکہ زندگی کا معاملہ اور نظام وجود صلاح وفلاح اور دین ودنیا کی نیک بختی کے ساتھ قائم رہے۔

ان مقاصد کی حفاظت وصیانت اور رعایت اپنے وجود کی طرف سے ضروری ہے اور یہ ان کاموں کے کرنے سے ہوگا جو قلوب کے نہاں خانوں اور زندگی میں پختہ اور مستحکم کریں اور ان چیزوں کو ترک کر کے جوان کو بیکار، پوشیدہ اور ختم کریں۔

ان مقاصد کی اہمیت پر بھی بہت سی نصوص و احکام بطور دلیل ہیں جو کتاب وسنت، مجتہدین کے اجماع اور ان کے آثار واقوال میں موجود ہیں۔

یہ مقاصد حاجیہ اور تحسینیہ کے ساتھ مل کر نظام معیشت کی تکمیل اور آخرت کی صلاح وکمال کی تشکیل کرتے ہیں، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقاصد حاجیہ وتحسینیہ کیا ہیں؟

(دوسری قسم) مقاصد حاجیہ:

مقاصد حاجیہ، مقاصد شرعیہ کی تین قسموں میں سے دوسری قسم ہے، جس کا درجہ مقاصد ضروریہ سے مؤخر اور مقاصد تحسینیہ سے مقدم ہے۔

پہلا مقصد: مقاصد حاجیہ کی تعریف:

علامہ جوینیؒ نے فرمایا کہ وصف حاجی اس کو کہتے ہیں جس کا تعلق عام حاجت سے ہو اور ضرورت کی حد تک نہ پہنچا ہو۔ (البرحان: ۲/ ۹۲۴)

اصفہانی نے فرمایا کہ وصف مصلحی (علامہ بیضاویؒ کے نزدیک وصف مصلحی وصف حاجی کو کہتے ہیں، المنہاج بشرح الاصفہانی ۲/ ۶۸۵) شامل ہے ایسے مقصود کی حفاظت کو جو محلِ حاجت میں ہو۔

(المنہاج بشرح الاصفہانی ۲/ ۶۸۵)

مصلحت حاجیہ وہ ہے جس کی طرف لوگوں کی ضرورت داعی ہوتی ہے (احکام الآمدی: ۳/ ۲۷۳) یا وہ مصلحت ہے جو محلِ حاجت میں واقع ہو، اس کو مصلحتِ حقیقیہ حاجیہ بھی کہا جاتا ہے، یا مختصراً مصلحتِ حاجیہ یا اور زیادہ اختصار کے ساتھ صرف حاجت یا حاجیات کہہ دیا جاتا ہے، یہ مقاصد ضروریہ کے مرتبہ سے مؤخر ہے اور اس کو ترک کرنے کو دین ودنیا کی مصلحتوں کو چھوڑنا نہیں کہا جاتا، لیکن یہ انسان کو سخت حرج اور بڑی مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔

امام شاطبیؒ نے فرمایا: حاجیات کا مطلب یہ ہے کہ وسعت پیدا کرنے اور ایسی تنگی کو دور کرنے کی حیثیت سے اس کی ضرورت ہو جو اکثر وبیشتر مطلوب ومقصود کے فوت ہونے کی

وجہ سے لاحق ہونے والی مشقت اور حرج کا سبب بنے۔ جب حاجیات کی رعایت نہ ہوگی تو عام طور سے مکلف بندے حرج اور مشقت میں مبتلا ہوں گے، لیکن اس کی عدم رعایت عمومی فاسد تک نہیں پہنچے گی، جس کی توقع عام مصلحتوں میں کی جاتی ہے اور یہ (حاجیات) عبادات، معاملات، عادات اور جنایات سبھی میں پائی جاتی ہیں۔(الموافقات:۲/۱۱)

دوسرا مطلب: مقاصد حاجیہ کی مثالیں:

(۱) تخفیف کی رخصتیں: جیسے بیماری اور سفر کی رخصت۔

(۲) شکار کا جواز، کھانے، پینے اور لباس وغیرہ میں حلال اور پاکیزہ چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے کی حِلّت۔

(۳) مضاربت: مضاربت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کسی شخص کو تجارت کرنے کے لئے مال دے؛ اس شرط پر کہ نفع میں دونوں شریک ہوں گے۔

(۴) سَلَم: نقد قیمت کے عوض بائع کے ذمہ میں ادھار بیع کی بیع، بیع سَلَم کہلاتی ہے۔

(۵) اپنے درختوں کی دیکھ ریکھ سے لا پرواہی برتنے کی وجہ سے بعض مالکوں کا عقد مساقات کرنا: درخت کے پھل کے عوض درخت کی نگرانی پر معاملہ کرنے کو عقد مساقات کہتے ہیں۔

(۶) کاریگروں کو ضامن بنانا: یعنی کاریگروں سے جو مال ضائع یا نقصان ہو اس کا وہ ضمان دیں۔

(۷) عاقلہ کی دیت: یعنی جرم کی دیت مجرم کی عاقلہ پر مقرر کرنا، کیوں کہ تنہا مجرم پر دیت لازم ہوجائے گی تو وہ بہت زیادہ ضرر ومصیبت میں مبتلا ہوگا۔

(۸) قسامت۔

(۹) پیش آنے والی ضرورت پر عقد اجارہ کا جواز، جوینیؒ نے فرمایا: یہ عقد اجارہ کو درست قرار دینے کی مثال ہے، کیوں کہ یہ ضرورت بطور ملکیت حاصل نہ کر سکنے کی صورت میں مکانات ورہائش گاہوں کی ضرورت پیش آنے اور بطور عاریت دینے سے مکان ومالکان کے

بخل کرنے پر مبنی ہے، لیکن یہ ظاہری ضرورت ہے جو اس درجہ کی نہیں ہے جس کو بیع وغیرہ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ (البرہان: ۲ / ۹۲۴)

(۱۰) بیع: بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ بھی ضرورت میں شامل ہے۔

(۱۱) نابالغ کے لئے ولی مقرر کرنا: کیوں کہ نکاح کی مصلحتیں ضروری نہیں ہیں بلکہ وہ محل حاجت سے وابستہ ہیں اور ولایت مناسب کفو کی طرف داعی ہوتی ہے، اگر اس کو نکاح کے ساتھ مقید نہ کیا جائے تو بغیر کسی بدل کے اس کے فوت ہونے کا امکان ہے۔ (المحصول: ج/ ۲، ق: ۲ / ۲۲۲)

لہذا مصلحت اسی میں ہے کہ فوت ہونے سے پہلے ہی اس کو مقید کر دیا جائے، ورنہ ممکن ہے کہ اس کا مثل نہ مل سکے، اسی وجہ سے یہ (ولایت) محل حاجت میں ہے تو اس مقصود کی رعایت مقصود ضروری کی رعایت کی طرح ہی مناسب ہے۔ (شفاء الغلیل: ۱۶۶)

(۱۲) غلام کی ولایت اس کے بچے سے ختم کرنا: اس لئے کہ غلام اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے اور بچوں کی ولایت و پرورش فرصت و فراغت کا تقاضا کرتی ہے، لہذا بچے کو اس کے حوالہ کرنا بچے کے لئے مضر و نقصان دہ ثابت ہوگا۔

ان سب حاجتوں کی وجہ یہ ہے کہ انسان اگر ان احکام اور حاجت سے تعلق رکھنے والی مثالوں پر عمل نہ کرے تو بہت شدید حرج اور اتنی بری مشقت میں مبتلا ہوگا جس کا انجام تنگی یا بعض یا مکمل ضرورتوں کو کلی طور پر نظر انداز کرنا ہوگا۔

تیسرا مطلب: مقاصد حاجیہ کے دلائل:

مقاصد حاجیہ کا ثبوت دلائل و احکام شرعیہ کے استقراء و تتبع اور ان میں غور و فکر کرنے سے ہوا ہے، اس کا ثبوت کسی ایک یا چند دلائل شرعیہ سے نہیں؛ بلکہ بے شمار دلائل اس کے ثبوت میں موجود ہیں، ان تمام دلائل سے مجموعی طور پر ان مقاصد کی حقانیت و صداقت اور اہمیت کا فائدہ معلوم ہوا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انسان کی ضروریات کو پورا کرنے اور لازمی و مستحکم ضروریات کے تئیں انسان کی اہم حاجات کے حصول میں ان مقاصد کا کیا کردار ہے۔

(تیسری قسم)؛ مقاصد تحسینیہ:

مقاصد تحسینیہ وہ مقاصد ہیں جو مقاصد ضروریہ وحاجیہ سے کمتر ہیں، یہ وہ مقاصد ہیں جو انسان کی حالت کو بہتر بناتے ہیں، عمدہ سے عمدہ زندگی گزارنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیا وآخرت میں اس کی سعادت ونیک بختی کا باعث بنتے ہیں، اس کو مقاصد کمالیہ، یا مقاصد تکمیلیہ، یا کمالیات کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، امام شاطبیؒ نے مقاصد تحسینیہ کی تعریف یوں کی ہے:

لائق ومناسب، عمدہ عادتوں کو اختیار کرنے اور عقل سلیم جن عادتوں سے تنفر کرے اور تمام برے افعال وکردار سے بچنے کا نام مقاصد تحسینیہ ہے اور یہ مکارم اخلاق کی تمام قسموں کو جامع ہے۔(الموافقات: ۲/ ۱۱)

امام الحرمین جوینیؒ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

یہ ایسے مقاصد ہیں جو نہ تو ضرورتِ خاصہ سے متعلق ہیں نہ حاجت عامہ سے، لیکن ان میں شرافت واعزاز کے حصول اور اس کی ضد ونقیض کو دور کرنے کی غرض نمایاں طور پر ہے، ممکن ہے کہ حدث اصغر یا اکبر سے طہارت اور نجاستوں کا ازالہ بھی اس جنس میں شامل ہو۔(البرہان: ۲/ ۹۲۴، ۹۲۵)

شیخ محمد طاہر بن عاشورؒ نے اس کی تعریف اس انداز میں فرمائی ہے:

مصالح تحسینیہ وہ مصالح ہیں جن سے امت کے نظام میں ان کی بہتر حالت درجہ کمال کو پہنچ جائے، تاکہ وہ امن وسلامتی اور اطمینان وسکون کی زندگی بسر کر سکے اور دوسری امتوں کے بیچ اتحاد واتفاق کا ایسا مظاہرہ ہو کہ وہ ملت اسلامیہ کے قریب آجائیں اور اس میں داخل ہونے کی رغبت کریں، حسن اخلاق وعادات بھی اس ضمن میں آتے ہیں۔(مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ لابن عاشور: ۸۲)

دوسرا مطلب؛ مقاصد تحسینیہ کی مثالیں:

(۱) نجاستوں کو دور کرنا۔

(۲) طہارت (وضو وغسل) کا خیال رکھنا۔

(۳) شرم گاہوں اور پوشیدہ جگہوں کو چھپانا۔

(۴) زیب وزینت اور خوشبو استعمال کرنا۔

(۵) کھانے، پینے، لباس زیب تن کرنے، داخل ہونے، باہر نکلنے، قضاء حاجت، سونے وغیرہ کے آداب وفضائل سے آراستہ ہونا۔

(۶) فضول خرچی اور بخل سے بچنا۔

(۷) کھانے، پینے چھونے یا سونگھنے وغیرہ میں گندگی اور نجس چیزوں سے بچنا۔

(۸) عدمِ ضرورت کے وقت نجاستوں اور حرام اشیاء کی خرید وفروخت سے حتی الامکان احتراز۔

(۹) لوگوں کے لئے اشیاء خورد ونوش کی فراوانی۔

(۱۰) نوافل واذکار اور خیرات وصدقات کے ذریعہ اللہ تعالی کا تقرب۔

(۱۱) منصب امامت اور خود اپنا نکاح کرانے سے عورت کا حق روک لینا۔

(۱۲) غلام سے شہادت (گواہی) وامامت کا حق سلب کرنا۔

یہ اور ان جیسے مسائل افعال وکردار کو خوب تر بنانے اور اخلاق کو سنوارنے میں معاون ہوتے ہیں، یہ مصالح ضروریہ وحاجیہ سے زائد ہیں، کیوں کہ یہ ضروری وحاجی کے درجے میں نہیں ہیں، یہ صرف حسن وخوبی اور محاسن کی تکمیل کے واسطے ہیں۔

تیسرا مطلب؛ مقاصد تحسینیہ کے دلائل:

مقاصد تحسینیہ، مقاصد ضروریہ، وحاجیہ کی طرح ہیں، ان کا ثبوت بھی کثیر تعداد میں وارد کلی وجزئی نصوص اور شرعی دلائل، نیز بطریق استقراء اور ان مقاصد کو ثابت، پختہ اور مؤکد کرنے کی غرض سے مختلف شرعی ضوابط اور جزئیات وقرائن میں غور وفکر کرنے سے ہوا ہے، ان کا ثبوت اس طور سے بھی ہوتا ہے کہ یہ مقاصد، مصالح ضروریہ وحاجیہ کا تکملہ ہیں اور ایسے تہذیبی اصول وآئین ہیں جن سے مسلمانوں کی تہذیب وثقافت عمدہ ومکمل ہوتی ہے اور ان سے امت اسلامیہ کے نظامِ حیات میں بہتری اور اخروی فلاح وبہبود حاصل ہوتا ہے۔

تحسینیات کی بھی رعایت، لیکن ضروری نہ بنا دیا جاوے:

حضرت شیخ المشائخ نے ضرورت، حاجت اور تحسینیات کے سلسلے میں بھی بہت سے مواعظ میں ذکر کیا، لیکن ضروری امور کو مقدم کیا اور تحسینیات جو تصوف واحسان کی روح ہے اس کو بھی بہت اچھی طرح ذکر فرمایا ہے اور اس کا بھی اہتمام کرنے کی طرف رغبت دلائی، لیکن اس کو ضرورت کے درجے سے کم رکھا، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کو فجر کی سنتوں میں پڑھنے کا ذکر کرتے ہوئے بہت ہی جچا تلا جملہ فرمایا کہ اس کا اہتمام ہونا چاہئے، التزام تو نہ ہو، یہ ایک فقیہ النفس، ماہر شریعت کی زبان سے ہی نکل سکتا ہے۔

یہ ایسی سورت ہے کہ اگر اس کو پڑھے تو اخلاص پیدا ہو جائے، اس بناپر لکھا ہے کہ جو فجر کی سنتوں میں ﴿قُلْ يَآأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ①﴾ اور ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ①﴾ پڑھے تو نفاق سے اس کو برأت حاصل ہو جائے گی، اس بناپر ان دونوں سورتوں کا اہتمام ہونا چاہئے، التزام تو نہ ہو، کبھی کبھی چھوڑ بھی دینا چاہئے لیکن اہتمام تو ہونا ہی چاہئے۔

اب حسن فی الصلوٰۃ پیدا کرنے کی ضرورت ہے:

میں مولانا تقی الدین صاحب کے یہاں گیا، وہاں بہت عمدہ مسجد بنی ہے، میں نے کہا کہ یہ حسن پیدا کرنے کے لئے کتنی محنت ہو چکی، اب حسن فی السجدہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، حسن فی الصلوۃ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، بہت سے علماء موجود تھے، میں نے کہا کہ سجدہ میں، رکوع میں اور پوری نماز میں حسن پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کوشش کرنا چاہئے کہ ہماری نماز سنت کے مطابق ہو جائے، پس اگر ظاہری و باطنی اعتبار سے سنت کے مطابق نماز ادا کریں گے تو ہماری نمازوں میں حسن پیدا ہو جائے گا، اس کے لئے سعی کریں تو یہ دولت ان شاء اللہ حاصل ہو جائے گی۔

بہر حال میرے دوستو! حسن ایمان اور حسن اسلام مطلوب و مستحسن ہے اور حسن تمام چیزوں میں ہونا چاہئے، عبادات میں بھی، معاملات میں بھی، اقوال میں بھی اور اعمال میں بھی اور اخلاق میں بھی، ابھی جس حدیث کی تلاوت کی اس میں حسن فی الکلام کو بتلایا گیا ہے کہ ''من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه'' یہ کلام سے متعلق حسن ہو گیا، اسی طرح احکام سے متعلق بھی حسن ہوگا، اخلاق سے متعلق بھی حسن ہوگا، ارکان سے متعلق بھی حسن ہوگا، اعمال سے متعلق بھی حسن ہوگا، یہ سب حسن اتباع سنت سے حاصل ہوں گے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندے ایمان لائیں اور اس کے اندر حسن بھی پیدا کریں، اسلام لائیں اور اس کے اندر حسن بھی پیدا کریں۔

ضروری احکام کو تحسینیات پر ترجیح دی جائے:

لہٰذا مسائل جاننے کی بھی بہت ضرورت ہے، علماء کو بھی جاننا ضروری ہے اور عوام کو بھی، جب علماء مسائل نہیں جانیں گے، عوام نہیں جانے گی تو شریعت مقدسہ کیسے باقی رہے گی؟ ہماری نماز اور روزے کیسے درست ہوں گے؟ زکوٰۃ اور حج کس طرح ادا کریں گے؟ پس جب یہ ارکان ہی صحیح طور سے ادا نہیں ہوں گے تو ان وظائف کو لے کر کیا کریں گے؟ ارکان اسلام کو چھوڑ کر وظائف کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا، حدیث قدسی میں آیا ہے: ''ماتقرب الی عبدي بشيء احب الی ما افترضته علیه ولا یزال عبدي یتقرب الي بالنوافل حتی احبه'' (بخاری) میرا کوئی بندہ کسی چیز سے بھی میرا تقرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان فرائض سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میں نے بندہ پر فرض کیا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں۔

مثلاً کسی کی چھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے اور وہ ان چھ گھنٹوں کے علاوہ خارج

اوقات میں بھی کام کرتا ہے تو اس کو اصل تنخواہ پر زیادہ کام کرنے کی مزید اجرت ملے گی اور اگر اپنا لازمی کام انجام نہیں دیتا، صرف خارج میں کچھ کام کرلیتا ہے تو اس سے اصل کام کی بھی شاید تنخواہ نہ ملے گی۔ اسی طرح پہلے پانچ اوقات کی نماز پڑھنا پڑے گی، اس کے بعد دیگر نوافل اگر پڑھتے ہیں تو وہ قابل قبول ہیں ورنہ اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس طرح پہلے زکوۃ فرض ادا کرنی پڑے گی، پھر نفلی صدقات قابل قبول ہوں گے، اسی طرح ہر فرض میں یہی ترتیب رہے گی کہ اصل فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کی ادائیگی کا اعتبار ہے، جبھی قرب نوافل سے سرفراز ہوں گے ورنہ نہیں، قرب فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کا قرب بھی ضروری ہے، یہ دونوں مل کر ہی نور علی نور اور سرور علی سرور ہوگا۔ اور اسی سے ولایت خاصہ کا مقام حاصل ہوگا، اس کے متعلق حدیث قدسی میں آیا ہے:

"**فكنت سمعه الذي يسمع به و بصره الذي يبصر به و يده التي يبطش بها و رجله التي يمشي بها.** (مشکوۃ:۱۹۷) میں اس کا کان ہو جاؤں گا جس سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی آنکھ ہو جاؤں گا جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ ہو جاؤں گا جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پیر ہو جاؤں گا جس سے وہ چلتا ہے۔

اس طریقہ سے میرے دوستو بزرگو! فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں لگنا ایسا ہی ہے جیسے دربان سے تعلق پیدا کر کے بادشاہ کے تعلق سے بے نیازی اختیار کرنا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

تحسینیات ضروریات کوجلاء بخشتے ہیں:

اسی طریقہ سے ایک بات اور کہتا ہوں، مشائخ سے بھی تعلق اسی لئے ہوتا ہے تاکہ اللہ سے تعلق پیدا ہو جائے، حضور اکرم ﷺ سے تعلق پیدا ہو جائے، زینہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ چھت پر پہنچا جائے، تو جیسے اگر زینہ کو آپ کاٹ

دیں گے تو چھت تک نہیں پہنچیں گے ، اور اسی طرح کوئی شخص صرف زینہ ہی کو پکڑ کر رہ جائے تو کیا چھت پر پہنچ سکے گا؟ ہر گز نہیں، صرف زینہ کو پکڑنے سے چھت تک رسائی ممکن نہیں ہوگی بلکہ زینہ پر چڑھنا پڑے گا تب چھت پر پہنچو گے، اس طریقہ سے مشائخ سے تعلق اگر نیت کی درستگی کے ساتھ ان کے آداب و شرائط کے ساتھ رکھیں گے، تب ہی اللہ تعالی تک پہنچیں گے، ورنہ نہیں۔

وصول الی اللہ سے محرومی کا سبب:

ان حقائق کو سمجھنا بہت ضروری ہے، خانقاہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”یہ وہ جامہ ہے جس کا نہیں الٹا سیدھا“ بلکہ اس کے بھی کچھ اصول ہیں ، کچھ آداب وشرائط ہیں ،فرائض ہیں ، واجبات ہیں ، جب ان پر عمل ہوگا تب آدمی ترقی کرے گا ، ابن عربی شیخ اکبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”إنما حرم الوصول لتضييعهم الأصول“ اصول اور قواعد کو لوگوں نے ضائع کر دیا اس بنا پر وصول الی اللہ سے محروم ہو گئے۔

اس بنا پر میرے دوستو بزرگو! بہت احتیاط اور تیقظ و بیداری کی ضرورت ہے، شیخ اکبر اپنے زمانے کے متعلق ”آداب الشیخ والمرید“ میں لکھتے ہیں کہ ”خانقاہیں ضائع ہو گئیں ، کوئی شیخ ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے مریدین پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو“ چھٹی صدی کے بزرگ یہ بات لکھ رہے ہیں ، اور اب کیا حال ہے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اگر یہ سب چیزیں مفقود ہوں گی اور اس کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا تو پھر خانقاہ مردہ تصور کی جائے گی، ”خانقاہ“ نہیں ”خواہ مخواہ“ ہو جائے گی۔

میرے دوستو بزرگو! یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو میں ضمناً بیان کرتا رہتا ہوں تاکہ طریق واضح ہو جائے ، میں یہاں اتنی دور سے آتا ہوں بلکہ سالہا

سال سے آتا ہوں، لہٰذا جس مقصد کے لئے آتا ہوں تو اس پر کلام کرنا ضروری ہے، ہمارے بزرگوں کا بھی یہی طریق چلا آرہا ہے کہ برابر بیان فرماتے رہتے ہیں تاکہ کچھ تو لوگ سمجھنے والے پیدا ہو جائیں، اور جب سمجھ لیں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی بھی توفیق مرحمت فرمادے گا۔

تحسینیات کی کمی حاجیات وضروریات کو بھی متأثر کرتی ہے:

ہمارے بڑوں نے یونہی نہیں فرمایا کہ سنت کی بھی تم حفاظت کرو، اگر سنت میں تہاون اور سستی و کسلمندی کروگے تو فرض کے ترک میں مبتلا کر دیئے جاؤگے۔ اور جو شخص فرض کے ترک میں مبتلا ہو اس سے کفر ہو جانا کیا بعید ہے، بہت سنبھل کر قدم رکھنا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا، اللہ تعالیٰ کا یہ دین ہے، اگر تم بے نیاز ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ بے نیاز ہے، سب کو جہنم میں ڈھکیل دے گا کسی کی پروا نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں: **"یا عبادی لو ان اولکم وأخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم ما زاد ذالك في ملكي شيئاً ياعبادي لو ان اولكم وأخركم وانسكم و جنكم كانوا على افجر قلب رجل واحد منكم ما نقص ذالك في ملكي شيئا."**

(مسلم، مشکوٰۃ: ۲۰۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سارے عالم کے لوگ تقویٰ پر ہو جائیں تو میری حکومت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اور سارے عالم کے لوگ فاسق و فاجر ہو جائیں تو ہماری حکومت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ الیکشن سے ہماری حکومت نہیں ہے، فوج سے ہماری حکومت نہیں ہے، ہماری حکومت تو ذاتی ہے، جیسے اللہ کا وجود واجب الوجود ہے، اسی طرح اس کی حکومت اور سلطنت کو کوئی ٹس سے مس نہیں کر سکتا، وہ ہمارے ماننے نہ ماننے پر موقوف نہیں ہے، اللہ کا حکم اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے، ہماری سعادت

ہے کہ ہم شہادت دیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ، اللہ تعالی کی توحید کا اقرار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہماری سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے، اللہ پر احسان نہیں ہے بلکہ اللہ کا کرم ہے کہ انہوں نے شہادت کی توفیق دی۔

تحسینیات سے دین کا حسن وخوبی ظاہر ہوتا ہے:

لکھا ہے علماء نے کہ خوش خلق ہونا یہ عقل کے تمام کی دلیل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ چاہے کتنا بڑا آدمی ہو اگر اس کے اندر اخلاق نہیں ہے تو اس کو بد خلق بھی کہیں گے اور بے عقل بھی کہیں گے۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا ﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝۴ ﴾ کہ کون کہتا ہے آپ کو مجنون ؟جو مجنون رہتے ہیں اس کے یہ اخلاق ہوتے ہیں ؟معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ جیسے احسن الخلق تھے ویسے کمال العقل بھی تھے۔

حفاظت دین-عقائد-حفاظت نفس

مقاصد خمسہ کی بہت سی مثالیں حضرت نے ذکر فرمائی ہیں اس کو مختصراً ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

وحی کی عظمت:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کو جو اتنی بڑی فضیلت حاصل ہے وہ اسی بنا پر کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس وحی لے کر آتے تھے، قرآن پاک لے کر آتے تھے، اس وجہ سے فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو خاص اہمیت حاصل ہے، نبی اکرم ﷺ پر چونکہ قرآن کریم نازل ہو،اس بنا پر آپ کو خاص شرف حاصل ہوا۔

انسانیت کو پھیلانے کے لئے علم نبوت کی ضرورت ہے:

یہ تمام ایٹمی قوتیں اسی ''اقرأ'' ہی کا نتیجہ ہیں جو اللہ کے نام سے کٹ کر بنائی گئی ہیں، جتنی ایٹمی طاقتیں ہیں وہ صرف دس منٹ میں پورے عالم کو تباہ کر سکتی ہیں، لیکن ہزاروں سال ہو گئے یہ لوگ ذرا بھی انسانیت نہیں پھیلا سکے، اس لئے کہ انسانیت کو پھیلانے کے لئے انبیاء کی ضرورت ہے، نبوت کی ضرورت ہے، علم نبوت کی ضرورت ہے بلکہ نور نبوت کی ضرورت ہے، ان ایجادات والوں کی مثال لوہار، بڑھئی جیسی ہے، ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مادہ کو ملایا اس کو ملا یا ایک چیز تیار ہو گئی، یہ کوئی علم ہے جس سے مہلک چیزیں تیار ہوں! علم تو نبی کا ہوتا ہے جو موجب سعادت و موجب راحت ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **واللہ لیتمن اللہ ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لایخاف الا اللہ.** (ریاض الصالحین: ۳۲) بخدا اللہ تعالی اس دین کو کامل کرے گا یہاں تک صنعاء (یمن کے شہر) سے حضر موت تک کوئی سوار جائے تو اس کو اللہ تعالی کے علاوہ کسی کا خطرہ نہیں ہوگا۔اب بھی اس کے اثرات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجود ہیں، سعودی میں جا کر کچھ لیجئے، جو حج کرنے جاتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ بڑی بڑی دکانوں کو کپڑا اڑھایا اور چلے جاتے ہیں، جنہوں نے نبوت کا اثر نہیں لیا، نبی کی تعلیمات کو نہیں لیا وہاں اب بھی گمراہی اور تباہی و بربادی موجود ہے، بلکہ یوں کہئے کہ سب سے بڑے گمراہی کے اڈے یہی مغربی ممالک برطانیہ و امریکہ بنے ہوئے ہیں۔العیاذ باللہ تعالی

لفظ واحد کا اطلاق محل اثبات میں دیگر اشیاء پر بھی ہو جاتا ہے جیسے رجل واحد و درہم واحد (ایک آدمی، ایک روپیہ) مگر لفظ احد کا اطلاق اثباتاً اللہ کے سوا اور کسی پر نہیں ہوتا۔ہاں لفظ احد کا استعمال نفی دیگر میں ہوتا ہے اور اس وقت نفی نہایت مکمل نفی ہوتی ہے۔مثلا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ

لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾(الاخلاص:۴) پر غور کرو کہ کفو الٰہی کی نفی لفظ احد سے کی ہے اور یہ ایسی نفی ہے کہ اس کے بعد کوئی استثناء وغیرہ نہیں ہوسکتا۔(ترجمہ)''کہو اللہ کا کفو کوئی بھی تو نہیں۔''

ملحوظہ:

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید میں لفظ احد بطور اسم پاک صرف ایک ہی مقام ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:۱) میں مستعمل ہوا ہے اور یہ بھی دلائل احدیت میں سے ایک عجیب دلیل ہے، احدیت اپنی شان میں ایسی مکمل ہے کہ تکرار لفظی بھی نہیں ہوا۔

اب یہ بھی غور کرو کہ اس مقام پر بھی اسم احد، الف لام تعریف سے مستغنی ہے، یعنی اسم احد اپنی ایسی شان میں جلوہ گر ہے کہ تعریف کی ضرورت نہیں اور احدیت ایسے کمال میں ہے کہ کسی زائد حرف کا نفاذ بھی نہیں ہوا۔

احد اور صمد سورہ اخلاص میں ہے:

﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (اخلاص:۱، ۲)

کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر! جب یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کے رب کی صفت کیا ہے؟ تو کہہ دیجئے: وہ خدا ایک ہی ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، ذات میں یکتائی اس طرح کی کہ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی الوہیت میں، اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں، وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں، وہی قادر مطلق ہے اور کوئی نہیں، وہی علیم وخبیر ہے، اس کے احاطۂ علم سے کوئی چیز باہر نہیں، خواہ ظاہر ہو یا باطن؛ حتی کہ دلوں کے راز بھی وہی جاننے والا ہے اور کوئی نہیں، وہی رحمان ورحیم ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں، اس کی توحید ذات وصفات اس امر کو مستلزم ہے کہ وہی اللہ بے نیاز ہے، کسی کی اس کو حاجت نہیں؛ بلکہ سب ہی اس کے محتاج ہیں، تو ظاہر ہے صرف ایسا ہی ایک خدا عبادت کا مستحق ہے، ایسے خدا کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کرنا یا اس کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کر لینا عقل وفطرت کے خلاف امر اور انسان کا بدترین ظلم اور ذلیل جرم ہے۔

افسوس کہ اس کی ذات وصفات اور وحدانیت کے سمجھنے میں ٹھوکریں کھانے والوں نے بڑی ٹھوکریں کھائیں، کسی نے دو خالق ''یزدان'' ''اہرمن'' تجویز کئے اور نور وظلمت کو معبود بنا لیا، کسی نے اس کے لیے بیٹا تجویز کرلیا، کسی نے خدائی کو تین خداؤں میں جمع کر دیا، پس سن لینا چاہئے ایسے تمام بعید الفہم لوگوں کو جو اپنی بلادت وحماقت سے یہ کہیں ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ اور ان کو بھی جو یہ کہیں ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور ان مسیحوں کو بھی جو مسیح ابن مریمؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان کو بھی جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، الغرض ہر انسان کو جو خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کرتا ہو یا اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہو؛ یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ وہ خدا ایسا واحد و یکتا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا؛ اس لیے کہ وہ احد وصمد ہے اور احدیت وصمدیت کا تقاضا یہی ہے کہ نہ اس کو کوئی بیٹا اور اولاد ہو اور نہ وہ کسی کی اولاد ہو؛ کیونکہ یہ چیز سراسر شرکت اور احتیاج ہے، لہٰذا احدیت و بے نیازی کے ساتھ کیونکر جمع ہوسکتی ہے اور اس کی یہ شان احدیت اس امر کو بھی مقتضی ہے کہ نہیں ہے اس کا کوئی بھی ہمسر اور مثال ونمونہ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بھی رکھے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اس لیے کہ اگر کسی میں مشابہت ومماثلت فرض کی جائے تو لامحالہ دو کا کسی ایک وصف میں برابر ہونا لازم آئے گا اور یہ برابری خداوند عالم کی شان کبریائی کے بھی منافی ہوگی اور معنوی طور پر وحدانیت کا بھی ابطال لازم آئے گا، جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ واحد و یکتا ایسا بے نیاز ہے کہ اس کو نہ خاندان وقبیلہ کی ضرورت ہے، نہ بقاء نسل کے لیے نہ دیگر کسی امر کے باعث، اور نہ ہی اس کا کوئی نمونہ اور مثال ہے۔ ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ.﴾ (معارف القرآن ادریسی)

خلاصہ کلام یہ کہ شرک کی مکمل نفی کرنے کے لئے صفت احد سے زیادہ مناسب کوئی صفت نہیں تھی، لہٰذا اس کا ذکر کیا گیا، پھر اللہ الصمد سے اخر تک اسی اجمال کی تفصیل کی گئی تا کہ سامع کا ذہن مکمل مرتکز ہوجاوے اور احد فرمایا واحد نہیں فرمایا کیونکہ واحد کے بعد تثنیہ آتا ہے اور احدیت میں ذات کی نفی ہے۔ (قرآنی آیت کے اخیر میں اسماء حسنیٰ لانے کی وجوہات: ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹)

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم جسم نہیں اس لئے ہمارے اندر کسی قسم کے اجزاء نہیں ہیں ، ہم بالذات ہیں، ہم ذاتی اعتبار سے ایک ہیں ، نہ ہمارے اندر جزئیات ہیں نہ اجزاء، اگر "احد" کی جگہ واحد کہہ دیتے تو اللہ تعالی کی اتنی زبردست توحید نہ ہوتی جتنا " احد "میں ہورہی ہے۔

تو سورۂ اخلاص کی ابتدائی دو آیات میں اللہ تعالی نے اپنے لئے دو صفات کی معرفت کروائی اور گویا کہ ان دو صفات کے ذریعہ اپنی تعریف فرمائی اور یہ دونوں صفات اثباتی ہیں، اس کے بعد آئندہ تین صفات سے اپنی تعریف کر رہے ہیں اور وہ تینوں صفات سلبی ہیں ، آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ اثباتی صفات سے تو اپنی تعریف کر لیتے ہیں لیکن سلبی صفات سے تعریف نہیں کرتے ، یہ اللہ تعالی ہی کی شان ہے کہ وہ سلبی صفات سے اپنی تعریف فرمارہے ہیں ، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :﴿لَمْ يَلِدْ﴾ (اخلاص) اس کے اولاد نہیں،﴿وَلَمْ يُولَدْ﴾اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۝۴﴾ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں، یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ اپنی سلبی صفات کو اس طرح بیان کر رہاہے، اور اپنی معرفت ان صفات سلبیہ سے فرمارہاہے۔

اعمال کی قبولیت کا مدار:

میرے دوستو ! اللہ کا شکرادا کریں کہ اس نے ہم کو توحید کی قیمتی دولت سے سرفراز فرمایا ، یہ بہت بڑی دولت ہے ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ توحید مذہب اسلام میں آنکھ کی پتلی کی حیثیت رکھتا ہے ، اس سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں ، اسی طرح ہمارے دین اسلام میں تمام اعمال کا دارومدار بھی توحید پر ہی ہے ، اگر توحید نہ ہوتو پھر سارے اعمال اکارت ، توحید نہیں تو پھر کچھ نہیں ، میرے دوستو ! ایمان کی حفاظت کی سخت ضرورت ہے، ایمان کو بچائے رکھواور

محفوظ رکھو، سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ یہی پوچھیں گے کہ کیا لائے ہو۔ منکر نکیر بھی پہلا سوال یہ کریں گے کہ تمہارا رب کون ہے؟

حفاظت دین کے لئے مکاتب و مدارس کی عجیب حکمت:

دین کی حفاظت کے لئے کھپنا پڑتا ہے تب جا کر دین کی حفاظت ہوتی ہے، یہ در حقیقت اللہ کی حفاظت ہے کہ کچھ لوگوں کو اس لائن پر لگا دیا ہے ورنہ کوئی اس زمانہ میں اس میں لگنے والا ہے؟ جب کہ دنیا کی طرف عام توجہ ہے، چونکہ اللہ کو اس سلسلہ کو باقی رکھنا ہے اس بنا پر لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ فرمادیا ہے، تنگی، ترشی ہی نہیں بلکہ طعن تشنیع سب برداشت کر رہے ہیں، کیسی کیسی مصیبتیں آتی ہیں سب برداشت کرر ہے ہیں؛ لیکن دین کی حفاظت میں لگے ہوئے ہیں، ان کا اس کام میں لگا رہنا ہی یہ بہت بڑے اخلاص کی دلیل ہے، مبارک ہو۔

بہر حال میں کہہ رہا تھا کہ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے'' **و تحفظاً لالفاظه**'' اس کی قرأت سے تلفظ اور الفاظ کا تحفظ ہے، اگر آپ نہ پڑھئے تو آپ کی زبان قرآت میں پھر چلے گی ہی نہیں، چاہے جو بھی سورت ہو، اگر نماز پڑھانا پڑ جائے تو نہیں پڑھا سکتے، اچھے اچھے حافظ کو میں دیکھتا ہوں، جو نماز پڑھاتے رہتے ہیں وہ تو نماز پڑھا دیتے ہیں؛ لیکن جو لوگ پڑھنے پڑھانے کا معمول نہیں رکھتے وہ نماز نہیں پڑھا پاتے، تو معلوم ہوا کہ پڑھنے کی وجہ سے قرآن کی اور اس کے الفاظ کی حفاظت ہوتی ہے، اس بنا پر یہ بہت بڑا کام ہے۔ میرے دوستو! یہ مدارس، یہ مکاتب اگر نہ ہوں تو علم دین ختم ہو جائے گا، محو ہو جائے گا۔

نماز میں خشوع:

بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین چیزیں بیان فرمائیں، پہلی بات تو یہ بیان فرمائی کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو ایسی نماز پڑھو

جیسے رخصت کرنے والے کی نماز ہوتی ہے، عام طور سے لوگ پوچھتے ہیں کہ نماز میں ہم کو خشوع حاصل نہیں ہو رہا ہے اس کے لئے کیا کریں، میں سمجھتا ہوں کہ اس کا اس سے بڑھ کر اور کیا علاج ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ہر نماز کو آخری نماز سمجھے، گویا وہ دنیا سے رخصت ہونے والا ہے تو ان شاء اللہ خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، بزرگوں کی تمام تدابیر ایک طرف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج ایک طرف، کتنا نافع علاج تجویز فرمایا، واقعی اس سے آدمی کو ضرور کچھ نہ کچھ خشوع وخضوع کا استحضار پیدا ہو جائے گا کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کے باوجود، چہرہ تو ہمارا اللہ تعالی کے گھر کی طرف ہے لیکن ہمارا دل اس کے برخلاف ہے، کس قدر تعجب وتأسف کی بات ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہو تو چہرہ جس طریقہ سے بیت اللہ کی طرف ہوتا ہے اسی طریقہ سے تمہارا دل بیت اللہ کے رب کی طرف ہونا چاہئے، یہی نماز میں خشوع ہے۔

میرے دوستو! نماز میں خشوع اور یکسوئی پیدا کرنا بہت ضروری ہے، اور دیکھو! پوری نماز میں تو ہر ایک کو خشوع حاصل نہیں ہوتا، اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اگر شروع میں اللہ کی طرف توجہ کرلیا جائے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ پوری نماز خشوع والی ہو جائے گی، اس بناپر پوری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ سنت کے مطابق نیت ہو، سنت کے مطابق تحریمہ ہو، ان شاء اللہ العزیز اس کی برکت سے اللہ تعالی کے یہاں نماز کو مقبولیت حاصل ہوگی۔

اقامت صلوۃ میں خشوع وخضوع بھی داخل ہے:

میرے دوستو! جب اس کا اہتمام ہم آپ کریں گے تو ان شاء اللہ عبادت کے حسن کا ایک سلسلہ چلے گا، تو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اقامت صلوۃ کا حکم دیا اور اقامت صلوۃ میں جس طرح وضو کا اچھی طرح سنت کے مطابق کرنا اور وقت پر

پڑھنا اور سنت کے مطابق پڑھنا داخل ہیں، اسی طریقہ سے خشوع و خضوع بھی داخل ہے، جس طرح رکوع اور سجود فرض ہے اسی طرح خشوع و خضوع بھی فرض ہے، اب یہ کہ کتنا فرض ہے، اللہ تعالی کے یہاں اس کی کتنی چھوٹ ہے یہ ایک دوسری بات ہے؛ لیکن یہ بات تو مسلم ہے کہ اللہ نے خشوع پر فلاح مرتب فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢ ﴾ (مومنون :۱،۲) یعنی فلاح پائی ان مؤمنین نے جو اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کرتے ہیں ۔ نماز میں وساوس آتے ہیں ، ہر آدمی اس کی شکایت کرتا ہے کہ نماز میں وساوس آتے ہیں ، اس کا علاج ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہر رکن کے بارے میں یہ سوچو کہ تم فلاں رکن ادا کر رہے ہو ، ہر رکن کی طرف اگر توجہ ہوگی تو ان شاء اللہ العزیز اس کی برکت سے اللہ کی طرف توجہ ہو جائے گی۔

حضرت سعید بن مسیب نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ ان کا ہاتھ بار بار اپنی ڈاڑھی پر جا رہا تھا، تو حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا : ''لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۸۷) یعنی اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ معلوم ہوا کہ خشوع کے لوازم میں سے سکون بھی ہے۔ خشوع تو قلب کا فعل ہے لیکن خضوع کا مطلب ہے اعضاء کو ساکن رکھا جائے۔ اب یہ نہیں کہ تھوڑی سی خارش ہوئی اور کھجلاتے ہی چلے جا رہے ہیں ، اس سے عمل کثیر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

نماز جامع العبادات ہے:

میرے دوستو ! حضرت لقمان علیہ السلام نے اقامت صلوۃ کی اتنی جامع نصیحت فرمائی کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا، آدمی جب نماز کو قائم کرے گا تو

وہ اور چیزوں کو بھی قائم کرے گا، یعنی جب وہ نماز کو قائم کرے گا تو زکوۃ بھی ادا کرے گا، وہ تلاوت بھی کرے گا، وہ حج بھی کرے گا، نماز کی اقامت سے ان تمام اعمال کی ان شاء اللہ توفیق ہو جائے گی، آدمی جب ایک خیر کا کام کرتا ہے تو وہ خیر اپنی بہنوں کو بھی سمیٹ لیتی ہے، تو نماز کا یہی حال ہے، یہ جامع العبادات، جامع الاعمال ہے، نماز میں روزہ بھی ہے حج بھی ہے اور زکوہ بھی ہے، آدمی نماز میں کھا پی نہیں سکتا یہ روزہ ہو گیا، آدمی نماز میں تکبیر تحریمہ کہتا ہے یہ تلبیہ کے قائم مقام ہو گیا اور چونکہ نماز میں ستر عورت فرض ہے تو اس کے لئے کپڑا پہننا ضروری ہے اس کے لئے کپڑے خریدے گا تو کچھ پیسے صرف کرنے پڑیں گے، یہ زکوۃ کی شکل ہو گئی، تو نماز جامع العبادات، جامع الاعمال بلکہ افضل العبادات ہے۔

نماز کے وقت کیا تصور کریں؟

نماز بہت بڑی بات ہے، وسیلہ ہے، اللہ تعالی سے مراجعت کا خاص موقع ہوتا ہے، اس بنا پر اس سے دل لگانے کی بھی ضرورت ہے، اب لوگ کہتے ہیں دل نہیں لگتا دل نہیں لگتا، بھائی دل لگاؤ تو لگے گا، اس کے لئے کچھ تھوڑی سی محنت کرو، ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ بھئی تکبیر تحریمہ کے وقت کم سے کم اللہ کا تصور کر لیا کرو، ان شاء اللہ آئندہ نماز اسی کے ساتھ ملحق کر دی جائے گی، غفلت والی نمازیں بھی تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کہتے وقت اس کا تصور کیجیے کہ اللہ تمام چیزوں سے بڑا ہے، کوئی بھی اللہ کے برابر نہیں ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، ان تصورات سے آدمی کہاں سے کہاں ترقی کر جاتا ہے، بہر حال نماز کی اہمیت بہت ہے، اللہ تعالی ہم سب لوگوں کو نماز کی ادائیگی کی سنت کے مطابق توفیق مرحمت فرمائے۔

نماز بندے اور رب کے درمیان کا وسیلہ:

نماز بہت بڑی چیز ہے، جسرۃ بین العبد والرب۔ عبد اور رب کے درمیان میں وسیلہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو توفیق دے، عربی کی عبارت ہے الطھارۃ الانقطاع عن الخلق. طہارت یعنی وضوء یہ اللہ کی مخلوق سے انقطاع کا نام ہے، جب وضوء کیا منقطع ہوگیا۔

حضرت سیدنا زین العابدینؒ جب وضوء کرتے تھے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا، کسی نے کہا حضرت آپ وضوء کرتے ہیں تو چہرہ کیوں زرد ہو جاتا ہے؟ کہا: تم کو نہیں معلوم کس کے سامنے کھڑے ہونے جا رہا ہوں؟ اس کا استحضار ہمارے بزرگوں کو رہتا تھا، وضوء میں بھی رہتا تھا، نماز میں بھی رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقامات بہت بلند کئے، بلند مقامات سے نوازا ہے نماز کی وجہ سے۔

اقامت صلوۃ اور ادائے صلوۃ میں فرق:

چونکہ نماز کی اقامت اہم ہے، اقامت صلوۃ فرمایا، ادائے صلوۃ نہیں، چنانچہ "یابنی! ادالصلوۃ" نہیں فرمایا کہ نماز کو ادا کرو، اس لئے کہ ادا تو جیسے تیسے ہو ہی جاتی ہے، بلکہ اقامت صلوۃ کی تاکید کی، تاکہ نماز سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ پڑھی جائے، بغیر اس کے نماز کی اقامت نہ ہوگی بلکہ اس کی ادائیگی ہوگی۔

جس حدیث شریف میں اسلام کے بنیادی اعمال کو بیان فرمایا گیا ہے اس میں بھی " اقامت صلوۃ" ہی کا لفظ استعمال کیا ہے، ادائے صلوۃ کا لفظ نہیں ہے زکوۃ کے لئے تو اداء زکوۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مگر نماز کے لئے کہیں بھی لفظ اداء کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ نماز ایک مرکب چیز ہے، اس کے بہت سے اجزاء ہیں، اور زکوۃ کے اجزا نہیں ہیں بلکہ اس کے دینے کے ساتھ نیت کر لی جائے تو کافی ہے،

رہی نماز تو اس کے بہت سے اجزاء ہیں، مثلاً قرأت ، رکوع ، سجود ، قعدہ ، پس ضروری ہے کہ جب قرأت کر وتو سنت کے مطابق کرو، رکوع کروتو سنت کی رعایت کرو، رکوع سے اٹھو تو پورا مستوی اور برابر ہو جاؤ، یہ سب نماز کے اجزاء ہیں ، جن میں سے ہر ایک کو سنت کے مطابق ادا کروگے تو اقامت صلوۃ کا اطلاق ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت لقمان نے اپنے لڑکے کو یہ نصیحت کی کہ نماز قائم کرو یعنی سنت کے مطابق ادا کرو، فرائض و واجبات کی رعایت تو ضروری ہی ہے، لیکن اقامت کا تقاضا ہے کہ مستحبات اور آداب کی بھی رعایت کرنا چاہئے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعا بھی فرمائی ہے: **"اللهم اني أسئلك تمام الوضوء و تمام الصلوة و تمام رضوانك و تمام مغفرتك"** (مطالب عالیہ :۱ ۲۵) اے اللہ ! میں تمام وضو کا سوال کرتا ہوں ، یعنی پورے طریقہ پر وضو کرنے کی توفیق مرحمت فرما، کامل نماز پڑھنے کی توفیق مرحمت فرما، اور ظاہر ہے کہ جب وضو پورا ہوگا تو نماز بھی پوری ہوگی اور جب نماز پوری ہوگی، تو پھر اللہ تعالی کی رضا بھی ملے گی ، اور جب رضا مل جائے گی تو اللہ تعالی مغفرت فرمادے گا۔ یہ مغفرت کا عشرہ چل رہا ہے، جب اللہ تعالی اعمال سے راضی ہو جائے گا تو مغفرت فرمادے گا، وضو ٹھیک سے کروگے ، نماز ٹھیک سے پڑھوگے تو اس کے بعد اللہ تعالی راضی ہو جائے گا اور جب راضی ہو جائے گا تو مغفرت بھی فرمادے گا، معلوم ہوا کہ مغفرت کا مدار اعمال پر ہے، جب آدمی نیک اعمال کرتا ہے تو اس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اس کے بعد اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ تو اقامت صلوۃ معمولی چیز نہیں ہے، بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی دولت ہے، لوگوں نے بڑے بڑے فضائل اس کے ذریعہ حاصل کئے، اس کے ذریعہ بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔

تمام شہوات میں قبیح چیز؛ نماز کی اضاعت:

جن آیات کی تلاوت آپ نے کی ہے ان آیات کی تلاوت ابھی تراویح میں بھی کی گئی ہے، ان آیات کی تلاوت کے وقت ایک بات ذہن میں آئی کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے، حضرت سے ہم نے سنا ہے، اس پر ہم ضرور بیان کرنا چاہتے ہیں، کل بھی ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾(مریم:۵۹) ناخلف لوگ پیدا ہو گیے صالحین کے بعد جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور شہوات کا اتباع کیا اس پر نکتہ ایک بیان فرمایا تھا حضرت نے کہ اضاعوا الصلاۃ کو مقدم فرمایا ہے جب کہ واتبعوا الشھوات آرہا ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ واتبعوا الشھوات میں سب داخل ہے، نماز کی اضاعت بھی واتبعوا الشھوات میں داخل ہے، مگر واتبعوا الشھوات سے پہلے اضاعوا الصلاۃ جو فرمایا ہے وہ اس لئے تاکہ اس کی مزید قباحت معلوم ہو جائے، معلوم ہوا کہ نماز کی اضاعت تمام شہوات میں نہایت مضر نہایت قبیح ہے، یہ حضرت نے نکتہ بیان کیا، اس پر بیان کرتے تھے، اس آیت میں بھی کچھ اس قسم کی بات ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

کسی نے اشکال کیا، شاہ عبد العزیز صاحب نے غالباً لکھا ہے کہ زکوۃ کہاں ہے نماز میں ؟ حج تو ثابت کر دیا آپ نے، روزہ بھی ثابت کر دیا، زکوۃ کہاں ہے؟ تو جواب دیا کہ نماز میں یہاں سے یہاں تک کپڑا پہننا ضروری ہے، ستر ضروری ہے، یہ کپڑا بغیر روپیہ کے ملے گا؟ روپیہ بھی خرچ ہو گیا اس کے اندر، فریضہ ادا ہو گیا، نماز میں ستر عورت ضروری ہے، عورت کے لئے بھی مرد کے لئے بھی، تو ظاہر ہے کہ وہ کپڑا مفت میں تو ملے گا نہیں، پیسہ لگاؤ گے تو زکوۃ بھی شریک ہو گئ نماز میں۔

حقیقی روزہ:

حقیقی روزہ یہ ہے کہ غیر اللہ کو دل سے اس طرح نکال دو کہ اس کی طرف توجہ ہی باقی نہ رہے، صرف ترک اکل اور ترک شرب نہیں ہونا چاہئے بلکہ ساتھ ہی ساتھ ترک غیر اللہ بھی ہونا چاہئے۔

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے
خیال رخ دلدار ہے درباں اپنا

اصلی ترک یہ ہے کہ غیر اللہ کو ترک کرو، کھانا پینا کا ترک یہ سب ظاہری روزے کی علامات ہیں؛ لیکن باطنی روزہ یہی ہے کہ دل کے حریم میں غیر اللہ گھسنے نہ پائے۔

بات یہ ہے کہ حج کے موقع پر آدمی حج کی باتیں سنتا ہے، اس وقت حج کے مسائل وفضائل سنائیے تو ہرگز نہیں سنے گا؛ لیکن حج کے موقع پر آدمی چاہتا ہے کہ ذرا مدینہ منورہ کے حالات بھی معلوم ہو جائیں اور مکہ مکرمہ کے حالات بھی معلوم ہو جائیں، نیز چاہتا ہے کہ حج کے مسائل معلوم ہو جائیں۔

روزہ دار کے لئے سب سے بڑی بشارت:

ہمارے بزرگوں کا یہ قول ہے کہ آدھی جان لیتا ہے سینکڑوں جان دے دیتا ہے، یعنی معمولی محنت کے عوض مغفرت جیسی دولت سے نوازتا ہے، چند گھنٹوں کے لئے آپ کو بھوکا پیاسا رکھا، اس کے بعد گناہوں کی مغفرت کا ہو جانا معمولی بات نہیں ہے، اور پھر افطار کے وقت کھلاتا پلاتا بھی ہے، اور اچھے سے اچھا کھانے کا انتظام فرماتا ہے۔

اولہ رحمۃ کا مطلب:

تعبدی امور (عبادات وغیرہ کے جزئیات) میں حکمت ومصلحت تلاش کی جائے یا نہیں اس میں علماء کے مختلف نظریات ہیں، آگے اس پر تفصیلی کلام آرہا ہے، اور یہ بات بھی ذکر کی

جائے گی کہ تعبدی امور میں تعبد کا پہلو ہی غالب ہوگا، حضرت شیخ المشایخ نے بھی "اولہ رحمۃ" کے ضمن میں اسی کو واضح کیا ہے، اگر چہ تیمم کی حکمت کے ضمن میں امام شاطبی، ابن عاشور اور حضرت تھانویؒ نے حکمت ذکر کرتے ہوئے کچھ وضاحت فرمائی ہے، اور حضرت شیخ المشایخ نے بھی تیمم کی بحث ذکر کرتے ہوئے تعبدی امور ہوتے ہوئے بھی حکمت کو ذکر فرمایا۔

پس میں کہہ رہا تھا کہ اللہ کی رحمت ہر وقت ہم پر مبذول ہے، اب یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ " أوله رحمة " اس کا کیا مطلب ہے، میں نے کتابوں میں بہت دیکھا کوئی خاص مفہوم سمجھ میں نہیں آیا، میری تو سمجھ میں یہی آتا ہے کہ رمضان کے اول عشرہ میں اللہ کی خاص رحمت کا نزول ہوتا ہوگا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا، رحمت الٰہی کا تو ہر وقت ہی نزول ہوتا ہے مگر اس عشرہ میں کسی خاص رحمت کا نزول ہوتا ہوگا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا اور یہ فرمادیا کہ "اوله رحمة "اس میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اس عشرہ میں رحمت کو زیادہ طلب کرو، رحمت کا سوال زیادہ کرو، اللہ تعالیٰ جب رحم فرمائے گا تو تمہارے سب کام بن جائیں گے، اس بنا پر اس عشرہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اپنے تمام بھائیوں کے لئے رحمت کی طلب کرنا چاہئے۔

اپنے نفس کی معرفت بھی ضروری ہے:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝﴾ (علق:۱) سے حضرت مولانا علی میاں صاحب نے صرف اتنا ہی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کرائی ہے، آگے حق تعالیٰ کیا بتلا رہے ہیں وہ بھی سمجھ لیجئے، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝﴾ تم کو اللہ نے نطفہ علقہ سے پیدا کیا ہے، یہ بھی ایک قسم کی معرفت ہی ہے، یعنی جس طریقہ سے اللہ نے اپنی

معرفت کرائی کہ بغیر ہمارا نام لئے تمہاری قرأت بیکار ہے اسی طریقہ سے انسان کے نفس کی معرفت بھی کرائی ہے، چنانچہ سمجھ لو کہ تم خون بستہ سے پیدا ہوئے تھے، اس کا استحضار رہے کہ ہم کیا ہیں، اس سے آدمی اعتدال پر رہے گا۔

رمضان اسی لئے آتا ہے تاکہ آدمی فکر مند ہو جائے اصلاح کا، اور اصلاح کچھ کرلے، دروازہ اصلاح کا بھی کھلا ہی رہے گا، بند نہیں رہے گا، یہ علوم بھی رہیں گے، یہ اصلاحات بھی رہیں گے، اب ہمارا کام ہے کہ ہم اس کو بجا لائیں اور اپنی آخرت کو درست کریں، بہر حال مولانا تھانویؒ کی برکت سے میں نے بیان کر دیا، یہ صحبت کی فضیلت میں آتا ہے، اس لئے دل میں داعیہ زیادہ ہوا کہ ان چیزوں کی تھوڑی تشریح کر دوں، اللہ مجھے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

کامیابی کی بات:

رمضان آیا گیا اور تہوار آئے اور گئے، یہ کوئی بہت بڑی کامیابی کی بات نہیں، کامیابی کی بات یہ ہے کہ رمضان شریف آیا ہے، اس سے ہمیں عبرت حاصل ہو، نصیحت حاصل ہو، ہمارے قلب کی کچھ اصلاح ہو، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو، اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو، یہ ہم کو اور آپ کو ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے، رمضان تو ایک مشق کے لئے ہے، رمضان کے بعد بھی ہم لوگ خالی نہیں ہیں، یہ ہر وقت پیش نظر رہے۔

روزہ قرآن کریم کے شکر کے لئے ہے:

بہرحال میرے دوستو اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ ہم کو دیا ہے، مشکل ہے، لیکن طالبین کے لئے، مستحقین کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو اس مہینہ کی بھی قدر کرنے کی توفیق دے، آپ حضرات تشریف لائے ہیں، آپ حضرات سے مجھ کو قوت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی کچھ اپنے کو

سدھارنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اللہ تعالیٰ ہر قسم کی عافیت ہم سب لوگوں کو عطا فرمائے، رمضان ہے، متبرک مہینہ ہے، نبی ﷺ اس کی تعریف کر رہے ہیں، اس کے متبرک ہونے میں کیا شک ہے؟﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ . ﴾(بقرہ:۱۸۵) شہر رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے، اس سے بڑھ کر برکت والا کیا ہوگا؟ ہمارے حضرت سناتے تھے بیان القرآن سے کہ شہر رمضان کے اندر جو خصوصیت آئی ہے وہ نزول قرآن کی وجہ سے آئی ہے، شہر رمضان کی خصوصیت نزول قرآن کی بنا پر آئی ہے، اسی بنا پر روزہ کو فرض کیا گیا شکراً لہ اس کے شکر کے لئے، رمضان کے شکر کے لئے نہیں بلکہ قرآن کے شکر کے لئے کہ اس رمضان میں قرآن نازل ہوا ہے، اس کی وجہ سے رمضان متبرک ہو گیا ہے، اس بنا پر شکراً لہ یعنی قرآن کے شکر کے لئے روزہ رکھا گیا ہے، ایک مہینہ روزہ رکھو، اس مہینہ میں ہم قرآن نازل کئے ہیں، کتنی عمدہ بات ہے، یہ ضرور سناتے تھے ہم کو، ہم لوگوں کو یاد ہے، لیکن بیان القرآن کھولتے تھے، یہ سناتے تھے کہ قرآن کی قدر کرو، اللہ تعالیٰ نے قرآن کا نزول اس میں فرمایا ہے، قرآن کو نازل فرمایا ہے۔

رمضان شفا کا مہینہ ہے:

بہر حال یہ مہینہ ہے، شہر عظیم ہے، شہر مبارک ہے، اور اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا کرنے کا مہینہ ہے، خاص تعلق قرآن سے ہے، جس کا تعلق قرآن سے ہوا، اللہ سے ہو گیا، قرآن پڑھو تو سوچو، اس کا مراقبہ کرو کہ اللہ کو ہم قرآن سنا رہے ہیں، ظاہر ہے کہ حافظ قرآن سناتا ہے کسی کو، اگر غلطی ہوگی تو فوراً روکے گا، ٹوکے گا، تو اللہ تو دل کا بھی واقف ہے، دل کا بھی عارف ہے، اس بنا پر قرآن کو ایسا سناؤ کہ لفظ بھی درست ہو اور معنی کی طرف بھی توجہ ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو توفیق

دیا ہے، اس کے لئے آپ حضرات تشریف لاتے ہیں، بہت بڑی بات ہے، رمضان شریف وہ علاج کا بھی مہینہ ہے، ترقی کا بھی مہینہ ہے؛ بلکہ میں کہوں صحت کا بھی مہینہ ہے، صحت کا مہینہ، شفاخانہ کہتے ہیں، اسپتال کو مریض خانہ کوئی نہیں کہتا، کہتے ہیں شفا خانہ، حالانکہ وہ اس وقت مریض خانہ ہوتا ہے، بعد میں شفا ہوتی ہے، اس لئے رمضان کو شفا کا مہینہ کہو، شفاکا، باطنی گناہوں سے، باطنی امراض سے بچنے کا مہینہ ہے، آدمی کو اہتمام ہونا چاہیے اپنی اصلاح کا اور رمضان آتے آتے تو اصلاح کر ہی لینا چاہیے، حضور ﷺ رجب سے اس کا انتظام کر رہے ہیں رجب، شعبان، رمضان، اس بناپر اس مہینہ میں اپنے امراض کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہیے، پہلے نیکیاں حاصل کرلو، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کے اندر جو کینہ ہے، کپٹ ہے، حسد ہے، بغض ہے، اس سے حفاظت فرمائے، عام ہے مولانا عام ہے، کوئی سیدھی بات کرتے ہی نہیں ہے۔ ہر منٹ کھینچ تان رہتی ہے، الا ماشاء اللہ۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں مصر میں کوئی دو قلب متحد معلوم نہیں ہوتے، تو حضرت فرماتے تھے مصر میں یہ حال ہے تو ہند میں نہیں ہے کیا یہ؟ بہت فرماتے تھے یہ، اس بناپر قلوب کی صفائی ہو، بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو جو مقصد ہے رمضان کا، پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

فرشتوں سے اتم مشابہت معصیت سے بچنے میں ہے:

رمضان شریف ہے بہت بابرکت ہے۔ ہمارے حضرت کا مضمون دو دن سے سنایا جارہا ہے کہ کتنا اہم مضمون ہے، اس میں ایک بات میں نے مولانا سنائی، بہت مجھے پسند آئی ہے اور فرمایا کہ ایک روزہ میں مشابہت فرشتوں سے آتی ہے کھانے

میں، وہ بھی نہیں کھاتے ہیں اور ہم بھی نہیں کھاتے ہیں، اس پر ایک بات اور جو حضرت نے کہی کہ صحیح مشابہت اس صورت میں ہوئی کہ وہ معصیت بھی نہیں کرتے، کھاتے، پیتے بھی نہیں، اور لا یعصون کہ وہ معصیت بھی نہیں کرتے کہ تمہارے روزہ کی برکت یہ ہونی چاہیے کہ کھاؤ، پیو بھی نہیں اور معصیت بھی نہیں تو اتم مشابہت فرشتوں سے ہوگی۔ یہ مجھے بہت پسند آئی بات، حضرت نے یہ کہا ہے۔ ہم لوگ بالکل بیان کرتے ہیں اس کو کہ مشابہت ہر چیز میں آنی چاہیے کہ کھاتے نہیں ہے، ہم لوگ بھی نہیں کھاتے۔ لیکن اصلی مشابہت یا مکمل مشابہت اس صورت میں ہوگی جیسے وہ کھاتے، پیتے نہیں، معصیت بھی نہیں کرتے، تم بھی جب معصیت نہیں کروگے تب صحیح مشابہت ہوگی، اچھی بات ہے۔

رمضان میں کس قسم کی باتیں ہوں؟

یہ رمضان شریف کا مہینہ ہے، اس میں یہ سب باتیں بیان ہونی چاہیے، خالی رمضان کے متعلق باتیں نہ ہو بلکہ رمضان کے آگے تو لعلکم تتقون ہے کہ کتب علیکم الصیام تو رمضان ہی میں ہے لیکن لعلکم تتقون تو دائمی ہے۔ عمل تو تھوڑی دیر کا ہے؛ لیکن اس کے مقاصد بہت طویل ہے۔ تتقون کہ تقوی کے جتنے بھی افراد کہ سب کو بیان کرنا ہوگا کہ تقوی کیا ہے؟ کس کو تقوی کہتے ہیں؟ تقوی کے حصول کے کیا طریقے ہیں۔ تو لعلکم تتقون جو اس کا مقصد ہے اس مقصد کو تو ذکر کرتے ہی رہنا چاہیے، جب تک تقوی نہ حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے دلار:

رہا روزہ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ یا ایھا الذین آمنوا کہ اے ایمان والو! یعنی جو لوگ ہم پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو، ہم پر فدا ہونے کے لیے تیار ہو، ہم ایک مسئلہ بتا رہے ہیں۔ ایک حکم دے رہے ہیں، ذرا سمجھ بوجھ کر اس کو کرنا، گھبرانا نہیں،

پوری تسلی پر تسلی ہے، سب سے پہلے کہہ دیا، یا ایھا الذین آمنوا یعنی اے میرے پیارو، اے میرے محبوبو، اے میرے محبو، اے میرے مقربین اولیاء و صلحاء! سب اس میں آگئے کہ کتب علیکم الصیام اس میں بھی تسلی ہے کَتبتُ نہیں کہا کُتِبَ کہا چونکہ مشقت والا عمل ہے تو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ کرنا ہے اور اس کی صراحت نہ ہو کہ کس نے کیا ہے تاکہ مجھ سے دوری نہ ہو جائے تم کو۔ تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، یہ نہیں کہ اللہ نے فرض کیا ہے، معلوم ہوا کہ اس میں بھی تسہیل ہے یا ایھا الذین آمنوا میں بھی تسہیل ہے، کتب علیکم الصیام میں بھی تسہیل ہے پھر آگے بھی تسہیل ہے کہ یہ مت سمجھنا کہ تم پر ہی یہ آیا ہے، یہ تیسرے درجہ میں تسہیل ہو گئی کہ یہ تم سے پہلے بھی آیا ہے، انہوں نے امتثال امر کیا، تم بھی کرو تم زیادہ مستحق ہو۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم اس کو کر سکتی ہے تو تم تو قوم محمدی ہو، تم کو اس میں زیادہ پیش پیش رہنا چاہیے۔

روزہ کی حفاظت وجود وعدم کے اعتبار سے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے نمیمہ (چغلی) سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ روزے کے جو فضائل ہیں، روزے کے جو برکات ہیں ان اعمال کی وجہ سے وہ ان برکات سے محروم ہو جاتا ہے روزہ تو ہو جائے گا فرض ادا ہو جائے گا مگر روزے کے جو فیوض ہیں، برکات ہیں اس میں کمی آجائے گی اس بنا پر روزے کے ساتھ ساتھ وہ بد اخلاقیاں روزے کے اندر نقص پیدا کر دے، کمی پیدا کر دے اس سے بھی بچنا چاہیے۔ اس بنا پر میں حدیث شریف میں کہا الصوم جنۃ روزہ ڈھال ہے جنۃ مطلب اس کا یہ ہے کہ روزہ جب آئے گا تو وہ بہت سی برائیوں کا ڈھال بن جائے گا۔ اس بنا پر یہ سوچ لینا چاہیے کہ روزہ ہم پر اس لئے فرض کیا گیا ہے تاکہ برائیوں سے ہمارے لئے ڈھال بن

جائے، رکاوٹ بن جائے۔اس بنا پر روزے کا بہت اہتمام بھی ہونا چاہیے، اس کی ادائیگی کا بھی اہتمام ہونا چاہیے اللہ جس کو توفیق دے اعذار سے۔برائیوں سے اسے بچائے رکھے تو ضرور روزہ رکھنا چاہیے۔ سختی ہے کچھ شدت ہوتی ہے لیکن اللہ تعالی اس کا اجر و ثواب بھی اتنا دے گا جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

روزہ رکھنے پر اجروثواب:

حدیثوں میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کی جزا تو فرشتے دیتے ہیں لیکن اس کی جزا أنا أجزي بہ میں خود اس کی جزا دیتا ہوں اس کی جزا کیسے دیتے ہیں یہ مطلب کہ میں اس کی جزا دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے أُجْزِي بہ میں اس کی جزا میں ہو جاتا ہوں میری ذات جو ہے وہ روزے والوں کی گویا کہ اجر ہے۔ اللہ تعالی ہم سب لوگوں کو اس روزے کی قدر کرنے کی توفیق عطافرمائے ،اور اللہ تعالی اچھے طریقے سے حسن نیت کے ساتھ، تقوی کے ساتھ، احتیاط کے ساتھ اس کو ادا کرنے کی توفیق دے، اللہ تعالی ہم سب کے لئے اس کو مفید بنائے، قرآن پاک کی تلاوت ہونی چاہیے، درود شریف کی کثرت ہونی چاہیے، ذکر اللہ کا بھی اہتمام ہونا چاہیے ان شاء اللہ اس کی برکت سے بہت کچھ ہم کو حاصل ہوگا۔

تزکیہ پرفلاح منحصر ہے:

لعلکم تتقون اب اس کا مقصد بیان کیا کہ ہم نے یہ یونہی نہیں کیا ہے بلکہ اس سے تقوی حاصل ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک تقوی کا بڑا درجہ ہے، بڑی اہمیت ہے، جو تقوی حاصل کرتا ہے وہ ہمارے بہت قریب ہو جاتا ہے۔بس یہ کہنے کا مقصد یہ کہ تم اتنا کام کر لو تمہیں تقوی حاصل ہو جائے گا اور تم ہمارے مقرب بن جاؤگے تو اس پر تو بحث ہو سکتی ہے ؟ تقوی پر تو ہو سکتی ہے۔ تمہارا یہ تکلیف

برداشت کرنا تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ بنے گا اور تقویٰ ہمارے قرب کا ذریعہ بنے گا تو تسہیل پر تسہیل تسہیل پر تسہیل کی جارہی ہے۔

اس وجہ سے میرے دوستو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روزہ فرض کیا ہے، تو ظلما نہیں کیا شفقتا کیا ہے، تو یہ ایک ہی راستہ ہے، جب ایک ہی راستہ ہو تو چاہے کتنا مشکل ہو اسی راستہ سے جانا پڑتا ہے دوسرے راستہ سے نہیں جا سکتے جب اس راستہ پر چل کر تکلیف برداشت کروگے تو ہمارے دربار تک پہنچ جاؤگے۔اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ کی دولت سے نواز دے۔اللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَاأَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔ (مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل...) یا اللہ ہمارے نفس کو تقویٰ نصیب فرما دیجئے اور اس کا تزکیہ کر دیجئے؛ کیونکہ تزکیہ پر فلاح منحصر ہے اور دوستی تقویٰ پر منحصر ہے تو دونوں اللہ کے فضل سے مطلوب ہے، ہم اپنی ذات سے کچھ نہیں کر سکتے،أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا یا اللہ ! آپ تو اس نفس کے مولیٰ ہے، ہم تو صاحب نفس ہے، آپ کا بھی حق ہے اس نفس پر، ہم تو صاحب نفس ہے۔تو جیسے صاحب نفس کی ذمہ داری ہے ویسے ولی نفس کی بھی کچھ ذمہ داری ہے، یہ حضرت کا نکتہ ہے، یہ میرا نکتہ نہیں ہے۔

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (بقرہ: ۱۸۳) تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، میں نے فرض نہیں کیا، سمجھ لیجئے ! اس میں شفقت ہے، میں نے فرض کیا کہتے تو یہ شفقت کے خلاف تھا ،فرض کیا گیا ہے لیکن سو فیصد اس وقت فرض ہوگیا، اس لئے ربط یہ ہے کہ ایسی چیز جو چھوٹوں پر بار کا سبب ہو اس کو اچھے انداز میں کہو تاکہ وہ قبول بھی کریں اور کام بھی بن جائے، یہ اللہ نے سکھایا ہے، گویا

تعلیم دینے والوں کو سکھایا ہے کہ بات کام کی ہو تو سختی سے نہ ہو، الل ٹپ نہ ہو، علامہ کشاف لکھتے ہیں جب تم کو دین کی بات کہنی ہو تو سوچ لو کہ کیسے کہیں، کب کہیں، کس سے کہیں، تب تبلیغ تمہاری متاثر ثابت ہوگی، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے سے سکھایا کہ دیکھو کہ (کُتِبَ) فعل مجہول لکھا گیاہے، یہ نہیں کہا کہ میں نے لکھا ہے وہ بار نہ بن جائے، بلکہ لکھا گیا ہے، پھر تفسیر کیا﴿ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، کوئی نئی بات نہیں ہے، ان لوگوں نے جب اس پر اس کی تعمیل کیا تو تم تو امت محمدیہ ﷺ کے لوگ ہو، تم کو تو بدرجہ اولیٰ عمل کرنا چاہئے۔

ولایت کے لیےدو چیزوں کی ضرورت:

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تم کو میں متقی دیکھنا چاہتا ہوں اور متقی کے لئے ضروری ہے اس بنا پر مصلحۃً کُتِبَ کا لفظ کہا، کرنا ضروری ہے اگر نہیں کروگے تو ولایت نہیں ملے گی، ﴿ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾﴾ (یونس: ۶۳،۶۲) ہماری ولایت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایمان اور تقوی، ایمان تو حاصل کر چکے ہو، جب تک تقوی کامل نہ ہو گا ولایتِ کامل تم کو حاصل نہیں ہوگی، اس بنا پر یہاں بطور علاج کر رہے ہیں۔

علم کی زکوۃ وعظ ہے:

ہر چیز کے لئے ایک زکوۃ ہے اور علم کی زکوۃ کیا ہے؟ وعظ ہے، اس کا مطلب یہ کہ لوگوں کو نصیحت کرنا بتلانا، اس کا بھی داعیہ اور جذبہ علماء کے اندر ہونا چاہیے، اللہ تعالی ہم سب کو توفیق دے۔

صحت مطلوبات شرعیہ میں سے ہے:

میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ ہدایت کے لئے اول سبب صحت ہے، شاہ عبد

العزیز صاحب نے لکھا ہے اس کو کہ ہدایت کے من جملہ اسباب میں سے اول سبب صحت ہے۔ جب صحت ہوگی تبھی کچھ عمل کر سکتا ہے، اگر صحت ہی نہیں تو یہ مکلّف ہی نہیں ہے، اسی بنا پر صحت بھی مطلوبات شرعیہ میں سے ہے، پھر اس کی حفاظت ،اس کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے۔ ہمارے حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں دماغ پر جو تیل رکھواتا ہوں، وہ اس لئے کہ سر کا مشین ہے،اس کی حفاظت میرے ذمہ ہے، یہ نیت تھی کہ دماغ صحیح ہوگا، تو ہم اس سے کام کر سکیں گے، تو اس بنا پر صحت کی حفاظت بھی ضروری ہے اور مطلوب شرعی بھی ہے، بہت بڑی بات ہے۔
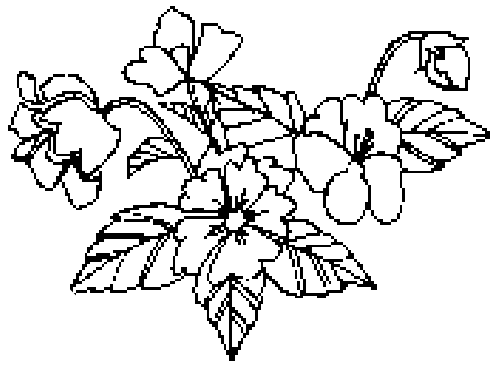
(شرعی احکام کے مقاصد (ابن عاشور))

شریعت کے اقسام کے مقاصد پر جتنی توجہ شیخ محمد الطاہر بن عاشور نے اپنی کتاب ''المقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ'' میں دی ہے اتنا اہتمام کسی اور کے یہاں نہیں ملتا، انہوں نے تفصیل سے ہر قسم کے احکام پر بحث کر کے اس سے وابستہ شریعت کے مقاصد کا استخراج کیا ہے، ابن عاشور کی تفصیلی بحثوں کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

[الف] اسلام کے عائلی قانون کے بنیادی مقاصد یہ ہیں:

(۱) رشتۂ نکاح کو مضبوط کرنا۔

(۲) رشتۂ قرابت کو مضبوط کرنا۔

(۳) رشتۂ مصاہرت کو مضبوط کرنا۔

[ب] اموال کے بارے میں شریعت کے جو احکام ہیں ان کا مقصد پانچ چیزوں میں دائر ہے:۔

(۱) اموال کا گردش کرنا، شریعت یہ چاہتی ہے کہ مال جائز طریقے پر جتنے زیادہ سے زیادہ افراد کے ہاتھ میں گردش کرسکتا ہو گردش کرے، اسی مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے معاملاتی عقود مشروع کیے گئے ہیں، ان میں بعض ایسے عقود بھی ہیں جن میں کسی درجہ میں غرر بھی پایا جاتا ہے، شریعت اس بات کی ہمت افزائی کرتی ہے کہ مال، تجارت کی راہ سے، میراث اور نفقات کی راہ سے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں منتقل ہو، اور مختلف طریقوں سے معاملات کو آسان بناتی ہے۔

(۲) مالیاتی احکام سے اسلامی شریعت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ مالوں کو ضرر اور خصومات سے حتی الامکان دور کیا جائے، اسی لیے شریعت نے دَین کے معاملات میں گواہ بنانے اور رہن (گروی) کی تعلیم دی۔

(۳) تیسرا مقصد مالوں کی حفاظت ہے، اسی لیے شریعت نے بازاروں کے نظام اور ذخیرہ اندوزی کے بارے میں احکام دیئے ہیں، زکوۃ اور مال غنیمت کے مصارف کی تعیین کی ہے، اوقاف عامہ کا نظام مرتب کیا ہے اور دار الحرب میں تجارت کے احکام کی تعلیم دی ہے۔

(۴) چوتھا مقصد اموال کی پائیداری ہے، شریعت مال والوں کے لیے مال کی ملکیت اس طرح ثابت کرتی ہے جس میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا اور نہ کسی نزاع کی گنجائش رہتی ہے، شریعت مالک کو اپنے مال پر پورا اختیار دیتی ہے، اسے مال میں تصرف کی پوری آزادی عطا کرتی ہے اور اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ مالک کی رضامندی کے بغیر مال اس سے نہیں چھینا جائے گا۔

(۵) مالیاتی احکام سے شریعت کا پانچواں مقصد اموال کے بارے میں عدل کا قیام ہے کہ مالوں کا حصول جائز طریقہ سے ہو، ظالمانہ انداز میں نہ ہو اور عمومی مصالح کی حفاظت کے ساتھ مال کا حصول کیا جائے، دوسروں کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔

[ج] جو معاملات اعمال بدنیہ کے بارے میں طے کیے جاتے ہیں (مثلاً اجارہ، مساقات، مفارسہ، مضاربت وغیرہ) ان میں شریعت کے چھ (۶) مقاصد ہیں:

(۱) اعمال بدنیہ کے بارے میں منعقد ہونے والے معاملات کی کثرت۔

(۲) متعارف غرر پائے جانے کے باوجود ان معاملات کی اجازت دینا۔

(۳) ان معاملات میں ایسی شرطوں سے بچنا جو عامل کے لیے انتہائی دشوار ہوں۔

(۴) محض ایجاب وقبول سے ان معاملات کے انعقاد کو لازم نہ ماننا؛ بلکہ اس وقت تک خیار باقی رکھنا جب تک عامل کام شروع نہ کر دے۔

(۵) عمال کو بطور انعام زائد نفع دینے کی اجازت دینا۔

(٦) عامل کے عمل کا معاوضہ جلد از جلد لوٹانا۔

[د] تبرعات یعنی صدقہ، ہبہ، عاریت کے احکام سے شریعت کے چار مقاصد ہیں:۔

(۱) تبرعات کی کثرت کرنا، کیونکہ اس میں عمومی مصالح بھی ہیں اور خاص افراد کے مصالح بھی۔

(۲) یہ تبرعات خوش دلی سے ہونے چاہئیں، پس وپیش اور دباؤ سے نہیں۔

(۳) تبرع کرنے والوں کی خواہش کے مطابق ان کے انعقاد کے وسائل میں توسع کرنا۔

(۴) تبرع کو دوسرے کا مال ضائع کرنے کا ذریعہ نہ بنانا، مثلاً وارث یا قرض خواہ کے حق کو ضائع نہ کرنا۔

[ھ] قضاء اور شہادت کے احکام کے مقاصد:

(۱) مستحقین تک ان کے حقوق پہنچانا۔

(۲) ان چیزوں کی خبر دینا جو حقوق کو ظاہر کرتی ہیں اور ان کی توثیق کرتی ہیں۔

(و) اسلامی سزاؤں کے تین مقاصد ہیں:

(۱) مجرم کی تادیب (یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ تادیب کی تعبیر انتقام وایذاء کی تعبیر کے مقابلہ میں اصلاح سے قریب تر ہے)

(۲) جس شخص کے خلاف جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے اس کو راضی کرنا۔

(۳) جو لوگ مجرموں کے ساتھ زیادتی کریں انہیں زیادتی سے روکنا۔

[ن] ان تمام کلی مقاصد کے تحت فروعی مقاصد ہیں:

حضرت شیخ المشائخ کے مختلف بیانات میں ان تمام مقاصد پر گفتگو ہوئی ہے، نکاح و حج پر مستقل رسالہ اور مالیات پر مستقل ایک وعظ اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ کا رسالہ بھی مجلس میں پڑھا جاتا ہے۔

مقاصد سے متعلق قواعد کا مجموعہ

(ڈاکٹر احمد ریسونی نے نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی میں یہ قواعد الموافقات اور الاعتصام کے حوالے سے جلد اور صفحہ نمبر کے ساتھ درج کئے ہیں)

{اول} شارع کے مقاصد:

(۱) شرائع کا نزول دنیا وآخرت دونوں جہاں میں بندوں کے مصالح کے لیے ہے۔(۲/۶)

(۲) شریعت کے کلی اور جزئی دلائل کے استقراء سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ شارع کا مقصد مصالح ضروریہ، حاجیہ اور تحسینیہ کا تحفظ ہے۔(۲/۴۹-۵۱)

(۳) ضروریات سے مراد وہ امور ہیں جو دین اور دنیا کے مصالح کے قیام کے لیے ضروری ہیں، اس طور پر کہ اگر یہ فوت ہوجائیں تو دنیا کے مصالح درست انداز پر نہ چلیں، بلکہ بگڑ کر زندگی کے فقدان کا سبب بن جائیں اور آخرت میں نجات ونعمت سے محرومی اور بڑے نقصان کا سبب بن جائیں۔(۲/۸)

(۴) حاجیات سے مراد وہ امور ہیں جن کی ضرورت وسعت پیدا کرنے اور حرج وتنگی کو دور کرنے کے لیے پڑتی ہے؛ البتہ ضروری ہے کہ ان کے فقدان سے عمومی بگاڑ اور زبردست نقصان پیدا نہ ہو۔(۲/۱۱)

(۵) تحسینیات سے مراد اچھی عادات کو اپنانا اور ان گندے احوال سے اپنے آپ کو بچانا ہے جن سے عقل نفرت کرتی ہے، اور یہ سب کے سب مکارم اخلاق کے شعبہ میں آتے ہیں۔(۲/۱۱)

(۶) مجموعی طور پر ضروریات پانچ ہیں: دین، نفس، نسل، مال اور عقل۔(۲/۱۰)

(۷) امت اسلامیہ بلکہ ساری امتیں ان پانچوں اصول کے تحفظ پر متفق ہیں (۱/۳۸، ۲/۲۵۵) یہی معاملہ حاجیات اور تحسینیات کا بھی ہے۔ (۳/۱۱۷)

(۸) ان ضروریات کے اصول قرآن میں ہیں اور تفصیل سنت نبویہ میں۔ (۴/۲۸)

(۹) شریعت کے مقاصد ضروریہ حاجیات و تحسینیات کی جڑ ہیں۔ (۲/۱۶)

(۱۰) ان تینوں درجات میں سے ہر درجہ کے لیے کچھ تکمیل کرنے والے امور ہیں کہ اگر یہ مفقود ہو جائیں تو ان کی اصلی حکمت میں کوئی نقص واقع نہ ہو۔ (۲/۱۲)

(۱۱) ہر تکملہ کے لیے بحیثیت تکملہ ایک شرط ہے، وہ یہ کہ اس کے اعتبار کرنے سے اصل کو باطل کرنا لازم نہ آئے۔ (۲/۱۳)

(۱۲) مجموعی حاجیات اور مجموعی تحسینیات میں سے ہر ایک کا ضروریات کے ایک فرد کے درجے میں اعتبار کرنا صحیح ہے۔ (۲/۱۳)

(۱۳) ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے کلی قواعد میں نسخ واقع نہیں ہوا، بلکہ نسخ جزئیات میں واقع ہوا ہے۔ (۳/۱۰۵-۱۱۷)

(۱۴) مفسدہ کے مقابلے اگر مصلحت ہی غالب ہو تو وہی شرعاً مقصود ہے اور اسی کی تحصیل بندوں سے مطلوب ہے۔

اسی طرح مصلحت کے مقابلے مفسدہ ہی غالب ہو تو اس مفسدہ کا ازالہ ہی شرعاً مقصود ہے اور اسی کے لیے نہی اور ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (۲/۲۶-۲۷)

(۱۵) شریعت کے نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعت یا معصیت اس مصلحت کی عظمت کے لحاظ سے بڑی ہوتی ہے جو اس سے پیدا ہوتی ہے اور یہ معلوم ہو چکا کہ سب سے بڑی مصلحت پانچوں امور ضروریہ کا جاری و نافذ ہونا ہے جس کا ہر مذہب و ملت میں اعتبار کیا گیا ہے اور سب سے بڑا مفسدہ وہ ہے جو ان امور ضروریہ میں خلل اور نقص پیدا کرے۔

(۲/۲۹۸-۲۹۹)

(۱۶) مفسدہ کی بڑائی کے اعتبار سے اس کے سد ذریعہ میں تشدد یا توسع ہوتا ہے ع۔ (۱/۱۰۴)

(۱۷) منہیات سے اجتناب قصد شرعی میں اوامر پر عمل سے زیادہ ضروری ہے اور مفاسد کا ازالہ مصالح کے حصول سے زیادہ بہتر ہے۔(۴/۲۷۲)

(۱۸) مکلف کے لئے عبادات میں اصل تعبد ہے نہ کہ معانی کی طرف التفات اور روز مرہ کے معاملات میں اصل معانی کی طرف التفات ہے۔(۲/۳۰۰، ۲۴/۱۳۵)

(۱۹) تعبد کے مقاصد عامہ یہ ہیں: خدا کے حکموں کی اطاعت، اس کے لیے جھکنا، اس کی بزرگی کی تعظیم اور اسی کی جانب توجہ۔(۲/۳۰۱)

(۲۰) دنیا کی پیدائش اس تصور پر مبنی ہے کہ نعمتیں بندوں کو فراہم کی جائیں تا کہ وہ انہیں استعمال کر کے لطف اندوز ہوں اور اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کریں، جس کی وجہ سے اللہ تعالی ان کو آخرت میں بہتر جزا دے، یہ دونوں مقاصد شریعت کے سب سے نمایاں مقاصد میں سے ہیں۔(۲/۳۲۱)

(۲۱) نزول شریعت کا شرعی مقصد بندے کو خواہش نفس کے تقاضے سے نکالنا ہے؛ تا کہ وہ اختیاری طور پر خدا کا بندہ ہو جائے، جیسا کہ وہ اضطراری طور پر خدا کا بندہ ہے۔(۲/۱۶۸)

(۲۲) شریعت اس لئے وضع کی گئی ہے کہ بندوں کی خواہشات شارع کے مقصود کے تابع رہیں، اللہ تعالی نے خواہشات اور نعمتوں میں بندوں کو اتنی وسعت دے دی ہے کہ وہ ان کے لیے کافی ہے، البتہ ضروری ہے کہ وہ نہ کسی مفسدہ کا سبب ہو اور نہ کسی مشقت کا باعث۔(۱/۷۷۳)

(۲۳) خواہش نفس کی مخالفت کی مشقت، قابل اعتبار مشقت نہیں ہے، اس لیے اس میں کسی طرح کی رخصت نہیں۔(۱/۷۳۳، اور ۲/۱۵۳)

(۲۴) مستفتی کو اختیار دے دینا (مثلاً مستفتی سے مفتی کہے: تیرا مسئلہ فلاں کے مسلک کی رو سے حرام ہے؛ لیکن فلاں کے نزدیک جائز ہے، اس کے بعد اس کو اختیار دے دے)،

قصد شارع کے خلاف ہے، کیونکہ یہ خواہش نفس کی پیروی کا دروازہ کھولنا ہے اور شارع کا مقصد بندے کو اتباعِ ہویٰ سے نکالنا ہے۔(۴/ ۲۶۲)

(۲۵) شارع مکلّف بنا کر مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔(۲/۱۲۱)

(۲۶) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شارع ایسے عمل کا مکلف ضرور بناتا ہے جس میں کچھ کلفت اور مشقت ہو؛ لیکن نفس مشقت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ وہ مصالح مقصود ہوتے ہیں جو اس عمل سے بندوں کو پہنچتے ہیں۔(۲/ ۱۲۳-۱۲۴)

(۲۷) جب مشقت معمول سے زائد ہو، اس طور پر کہ اس سے مکلف کو دینی یا دنیوی بگاڑ لاحق ہو رہا ہو تو شارع کا مقصداً اسے بالکلیہ ختم کر دینا ہے۔(۲/۱۵۶)

(۲۸) اور اگر مشقت معتاد اور معمول سے زائد نہیں تو شارع اگر چہ اسے واقع کرنا نہیں چاہتا؛ لیکن اسے ختم کرنا بھی نہیں چاہتا۔(۲/۱۵۶)

(۲۹) عزیمت اصل ہے اور رخصت استثناء ہے، اسی وجہ سے عزیمت شارع کے یہاں سب سے پہلے مقصود ہے، اور رخصت ثانوی طور پر مقصود ہے۔(۱/۳۵۱- ۳۵۳)

(۳۰) رخصت کے اسباب کو نہ شرعاً حاصل کرنا مقصود ہے اور نہ انہیں ختم کرنا مقصود ہے۔(۱/ ۳۵۰)

(۳۱) اگر اول وہلہ میں شارع کی طرف سے ”تکلیف مالا یطاق“ ظاہر ہو تو وہ اس عمل کے سابقہ، لاحقہ یا قرینہ کی طرف راجع ہوگا۔(۲/ ۱۰۷)

(۳۲) احکام شرعیہ میں اصل اعتدال اور سختی اور نرمی کے درمیان توسط ہے، پس اگر کسی ایک طرف جھکاؤ نظر آئے تو وہ اس مخالف میلان کے مقابلہ یا ازالہ کے لیے ہے جو بندوں میں واقع یا متوقع ہے۔(۲۷/ ۱۶۳-۱۶۷)

(۳۳) اعمال میں شارع کا مقصود مکلف کی طرف سے ان کی دائمی پابندی ہے۔ (۲/۲۴۲)

دوم؛ مکلف کے مقاصد:

(۳۴) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور عبادات ومعاملات جیسے تصرفات میں مقاصد معتبر ہیں۔(۲/ ۳۲۳)

(۳۵) مقاصد اعمال کی روح ہیں۔(۲/ ۳۴۴)

(۳۶) شارع مکلف سے یہ چاہتا ہے کہ عمل میں اس کا قصد شارع کے قصد کے موافق ہو، اس کے خلاف کا قصد نہ ہو۔(۲/ ۳۳۱)

(۳۷) جو شخص احکام میں ایسا عمل کرے جو مشروع نہ ہو وہ باطل ہے۔(۲/ ۳۳۳)

(۳۸) جو کسی مصلحت کی طرف اس کے مشروع طریقے سے ہٹ کر چلے وہ اس مصلحت کے خلاف چلنے والا ہے۔(۱/ ۳۴۹)

(۳۹) مشقت کا قصد باطل ہے، کیونکہ وہ شارع کے قصد کے خلاف ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت نے تعذیب نفس کو اپنے تقرب کا ذریعہ نہیں بنایا ہے اور نہ اپنے یہاں درجات کے حصول کا سبب بنایا ہے۔(۲/ ۱۲۹/ ۱۳۴، ع، ا/ ۳۴۱)

(۴۰) مکلف کا حق نہیں کہ وہ اس وجہ سے مشقت کا قصد کرے کہ اس میں اجر زیادہ ہے، لیکن اسے یہ حق ہے کہ اس عمل کا قصد کرے جس میں مشقت کی زیادتی کی وجہ سے اجر بڑھ جاتا ہے، بشرطیکہ بحیثیت عمل اسے اپنائے۔(۲/ ۱۲۸)

(۴۱) عادات اور معاملات کے احکام کی صحت کے لیے یہی کافی ہے کہ ان میں بندے کا قصد شارع کے قصد کے خلاف نہ ہو، البتہ ان میں موافقت ظاہر ہونے کی شرط نہیں ہے۔ (۱/ ۲۵۷)

(۴۲) مال سے متعلق امور میں قصد اور عدم قصد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ہلاکت پر تاوان کے واجب ہونے میں خطا عمد کے مساوی ہے۔(۲/ ۳۴۷)

(۴۳) اسباب کے اپنانے اور اختیار کرنے میں مکلف پر مسببات کا قصد لازم نہیں،

اس پر محض مشروع احکام کے تحت چلنا لازم ہے اور بس۔(۱/ ۱۹۳)

(۴۴) سبب کو واقع کرنا مسبب کو واقع کرنے کے درجے میں ہے، اس مسبب کا قصد کیا جائے یا نہ کیا جائے۔(۱/۲۱۱)

سوم؛ مقاصد شارع جاننے کا طریقہ:

(۴۵) مقاصد شارع کی تحدید ظن وتخمین پر نہیں ہے۔(۱/ ۸۰)

(۴۶) کسی فعل کا امر اس بات کو مستلزم ہے کہ شارع اس فعل کا وقوع چاہتا ہے اور کسی فعل سے نہی اس بات کو مستلزم ہے کہ شارع اس فعل میں وقوع سے روکتا ہے۔

(۲/ ۳۹۳، ۳/ ۱۲۲)

(۴۷) احکام کی علتیں قصد شارع پر دلالت کرتی ہیں، لہذا وہ جہاں کہیں پائی جائیں ان کی پیروی کی جائے گی۔(۲/ ۳۹۴، ۳/ ۱۵۴)

(۴۸) کسی فعل کی تعریف اس بات کی دلیل ہے کہ شارع اس کا وقوع چاہتا ہے اور کسی فعل کی مذمت اس بات کی دلیل ہے کہ شارع اس کا عدم وقوع چاہتا ہے۔(۲/ ۲۴۲)

(۴۹) کسی نعمت پر احسان جتانا اس قصد کو بتانا ہے کہ اس سے لطف اندوز ہوا جائے اور اس پر خداوند قدوس کا شکر ادا کیا جائے۔(۱/ ۱۱۷، اور ۱۲۶)

(۵۰) ہر وہ اصل جو شارع کے تصرفات کے مناسب ہو اور اس کا مفہوم دلائل کے مجموعہ سے ماخوذ ہو یہاں تک کہ وہ قطعیت کے درجے کو پہنچ جائے تو اس پر مسئلہ کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے اور اس کی طرف رجوع بھی کیا جاسکتا ہے، اگرچہ اس کے حق میں کوئی متعین نص نہ ہو۔

(۱/ ۳۹)

(۵۱) اسباب کا نزول یا وضع اس بات کو مستلزم ہے کہ واضع یعنی اللہ تعالی مسببات کو چاہتا ہے۔

(۵۲) ہر وہ ہر وہ شئے جو کسی شرعی مقصد کے لیے مکمّل ہو اور اس کی تقویت کی باعث

ہو وہ بھی ضمناً مقصود ہوتی ہے۔(۲/۳۹۷)

(۵۳) شارع اگر کسی امر میں خاموش رہے جب کہ اس کے بارے میں کلام کا داعیہ موجود ہوتو اس کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ شارع اسے اسی حد پر روکنا چاہتا ہے، جس حد پر اس نے اس کو مشروع کیا ہے۔(۲/۴۱۰، ع ا/۳۶۱)

(۵۴) اگر ہم کسی حکم شرعی کی مشروعیت کی کوئی مستقل حکمت سمجھ لیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی کوئی دوسری حکمت یا تیسری حکمت یا ایک سے زائد حکمت نہ ہو۔(۲/۳۱۱)

ڈاکٹر اسماعیل حسینی نے شیخ محمد طاہر ابن عاشور کے قواعد المقاصد ابن عاشور کی کتاب ''مقاصد الشریعۃ'' سے نقل کئے ہیں، ان کو بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اول مقاصد عامہ کے قواعد:

(۱) شریعت کی حکمتوں اور علتوں کا تعلق معاشرہ اور افراد کے نفع عام سے ہوا کرتا ہے۔ (ص/۱۰)

(۲) مقاصد شریعت کی بنیاد فطرت پر ہوتی ہے۔(ص/۵۶)

(۳) رواداری، وسعت قلبی، شریعت کا اولین وصف اور اس کا سب سے اہم مقصد ہے۔(ص/۶۱)

(۴) قانون سازی کا عمومی مقصد، انسان کے خیر وصلاح کے ذریعہ، نظام عالم کی حفاظت اور اس کے خیر وصلاح کو پائیدار ودائمی بنانا ہے۔(ص/۶۳)

(۵) مقصد عام کے سلسلے میں اصلاح ،عقیدہ وعمل اور معاشرتی امور سب ہی کو شامل ہونا ہے ۔(ص/۵۶)

(۶) سب سے اہم مقصد جلب منفعت اور دفع مضرت ہے۔(ص/۶۵)

(۷) شریعت معمولی مصلحت کی بھی حفاظت کرتی ہے۔(ص/۷۷)

(۸) شارع کا مقصد، مصلحت ومنفعت ہی ہے، لیکن ساری مصلحتیں اس کا مقصود ہی

ہوجائیں یہ کوئی ضروری نہیں۔(ص/۷۹)

(۹) مصالح ضروریہ وہ کہلاتی ہیں جن کی تحصیل پوری امت یا اس کے افراد کے لئے ایک ضرورت بن جائے۔(ص/۷۹)

(۱۰) مصالح حاجیہ وہ کہلاتی ہیں جس کی امت کو اپنے مصالح ومنافع حاصل کرنے اور بہتر طریقہ پر اپنے سارے امور کو انجام دینے کے لئے محتاجی ہوجائے۔(ص/ ۸۴)

(۱۱) مصالح تحسینیہ وہ ہیں جن کے ذریعہ امت کے نظام میں حسن وکمال پیدا ہوجائے، تاکہ وہ پرامن زندگی بسر کرسکے اور اسے ایک خوشنما معاشرہ حاصل ہوجائے۔(ص/ ۸۵)

(۱۲) مصلحت کلی وہ منفعت ہے جس کا تعلق مساوی طور پر پوری امت یا اس کی ایک بڑی جماعت سے ہو۔(ص/۸۹)

(۱۳) مصلحت جزئی وہ منفعت ہے جس کا تعلق ایک دوفرد یا قلیل ہی افراد سے ہو۔(ص/ ۹۰)

(۱۴) مصلحت قطعی وہ ہے جو منصوص علیہ ہو یا استقرائی ہو یا فی نفسہ عقل کے موافق ہو۔(ص/ ۹۰)

(۱۵) مصلحت وہمیہ وہ ہے جس کے مصلحت ہونے کا گمان وخیال ہونے لگے، لیکن غور وتامل کے بعد وہ ایک ضرر معلوم ہونے لگے۔

(۱۶) قانون سازی سے شارع کا مقصد اس قانون کو جاری وساری کرنا اور اس کا احترام ہونا ہے۔(ص/ ۱۳۰)

(۱۷) امت کی شیرازہ بندی سے شارع کا مقصد امت میں قوت وشوکت اور جانب مخالف کے اندر رعب ودبدبہ پیدا کرنا ہوتا ہے اور امت کے دلوں کو مطمئن پُرسکون رکھنا۔

(ص/۱۴۸)

(۱۸) رخصت کے اسباب یا تو وہ ضرورتیں ہوتی ہیں جو ہر زمانے میں ہر شخص کے لئے

عام ہوتی ہیں، یا وہ ضرورتیں جو عام تو ہوتی ہیں مگر خاص ہی اوقات کے اندر، یا پھر خاص ہی اوقات میں کچھ خاص ہی لوگس کی ضرورت ہوتی ہیں۔(ص/ ۱۳۳)

دوم؛ مقاصد خاصہ کے قواعد:

(۱) معاملات سے شارع کا مقصد مختلف قسموں کے ''مستحقین حقوق'' کے لئے ان سے متعلقہ مختلف حقوق کی تعیین کرنا ہوتا ہے۔(ص/ ۱۵۸)

(۲) احکام نکاح سے شارع کا مقصد، مرد کا عورت کے ساتھ ملنے کے سلسلے میں متفق الرائے ہونے کی تمام صورتوں سے عقد نکاح کی صورت کے مخالف ہونے کا واضح ہوجانا ہے، اور اس بات کا بھی واضح ہوجانا ہے کہ عقد نکاح میں توقیت وتاجیل کا دخل نہ ہونا چاہئے۔(ص/۱۸۸)

(۳) تصرفات مالیہ سے شارع کا مقصد، اموال کا پھیلاؤ اور رائج کرنا، مال کا واضح، صاف ستھرا ہونا، اس کی حفاظت واستحکام اور اس میں عدل وتوازن کا قائم کرنا ہے۔(ص/ ۱۸۸)

(۴) عقوبات سے متعلق قانون سازی کا مقصد شارع کا مجرم کی سرزنش اور مظلوم کو خوش کرنا اور مجرموں کی پیروی واتباع کرنے والے کو زجر وتوبیخ اور ڈرانا دھمکانا ہے۔(ص/ ۲۲۵)

الفاظ ومعانی -- ظاہر وباطن کی رعایت

اصولیین اور فقہاء کے اقوال کے تتبع سے بات سامنے آتی ہے کہ وہ لفظ کے ظاہر ومعنی دونوں کو معتبر ماننے کو واجب قرار دیتے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کی خاطر دوسرے کا اہمال ان کے نزدیک سنگین غلطی ہے۔

یہ بات ہم کو ابن قیم کے یہاں بخوبی واضح ہو کر نظر آتی ہے، انہوں نے یہ وضاحت کرنے کے بعد کہ متکلم کا مقصود کبھی عموم لفظ اور کبھی عموم علت سے جانا جاتا ہے، اجتہاد کا مناسب طریقۂ کار بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دونوں فریقوں میں سے ہر ایک سے بسا اوقات متکلم کی مراد سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے، محض الفاظ کا خیال رکھنے والے کبھی تو عام حکم کو

محدود کر دیتے ہیں اور کبھی متکلم کی مراد سے کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر اس کو محمول کر لیتے ہیں، یہی غلطی ان حضرات سے بھی ہوتی ہے جو معانی وحکم کا (ضرورت سے زیادہ) اعتبار کرتے ہیں۔ (اعلام الموقعین: ۱/ ۲۲۰)

مزید فرماتے ہیں: ''رائے وقیاس کے حاملین نصوص کے معانی کو شارع کی مراد سے زیادہ وسعت دے دیتے ہیں اور اصحاب ظواہر شارع کی مراد کے مقابلے میں معانی کو محدود کر دیتے ہیں۔ (ایضا: ۱/ ۲۲۲)

پھر صحیح طریقۂ اجتہاد واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کہنے کا حاصل یہ ہے کہ شارع نے جن الفاظ ومعانی پر احکام کی بنیاد رکھی ہے؛ ان میں سے حد سے تجاوز کیا جائے نہ کوتاہی، الفاظ ومعانی دونوں کو ان کا حق دیا جائے''۔ (ایضا: ۱/ ۲۲۵)

ابن قیم کی یہ عبارتیں الفاظ کے ظواہر ومعانی کے اعتبار کی بابت جادۂ اعتدال متعین کرتی ہیں، نیز نصوص کے فہم اور ان سے نتیجہ اخذ کرنے کا صحیح طریقۂ عمل بھی واضح کرتی ہیں۔

نص میں وارد حکم شرعی کے معنی وحکمت کی رعایت کا یہ اصول ہم کو امام ابن تیمیہ کے اس کلام میں بھی نظر آتا ہے جو باوجود غرر پائے جانے کے زیر زمین موجود سبزی وغیرہ کی بیع کے جواز کی بابت انہوں نے فرمایا ہے، اس سلسلے میں ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ بیع غرر کی بابت جو نہی نص میں وارد ہوئی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ غرر اختلافات، نزاع اور باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے کا سبب بنتا ہے، لیکن زیر زمین موجود سبزی جیسی اشیاء کی بیع میں معمولی سا غرر پایا جاتا ہے، اور اس کی ضرورت بہت ہے، لہذا ایسی بیع کو ممنوع قرار دینے کی صورت میں اختلافات، نزاع اور باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے کے مقابلہ میں زیادہ مفسدہ اور ضرر پایا جائے گا اور یہ اصول متفقہ اصول ہے کہ تحریم کے متقاضی مفسدہ کا مقابلہ اگر خود سے بلند درجہ حاجت سے ہو جائے تو شیئ حرام جائز ہو جایا کرتی ہے، اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ اس وقت حکم شرعی کیا ہوگا؟ جب مفسدہ پایا ہی نہیں جا رہا ہوگا۔ (ابن تیمیہ: القواعد النورانیہ:

۱۴۵-۱۵۵، =معمولی ترمیم کے ساتھ)

ابن تیمیہ جیسے عظیم المرتبت امام نے درج بالا کلام میں بیع غرر کی ممانعت کی حکمت کو دلیل بناتے ہوئے کتنے واضح انداز میں ان معاملات کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جن میں یہ حکمت نہ پائی جا رہی ہو یا پائی تو جا رہی ہو؛ لیکن وہ حرمت کی صورت میں پیش آنے والے مفسدہ سے کم تر ہو۔

= حکم کے ظاہر پر اکتفا نہ کرنے اور اس کی حکمت پر بھی توجہ دینے کے اس اصول پر فقہاء کے کاربند رہنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ نصوص شرعیہ میں پائے جانے والے ظاہری تعارض کو دور کرنے کے لئے اس اصول کو بھی استعمال کرتے ہیں، ذیل میں اس کی ایک مثال درج کی جاتی ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے''۔ (الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت بخاری: ۷۱۵۸، مسلم: ۴۴۶۵، ترمذی: ۱۳۴۴، نسائی: ۸/ ۲۳۷-۲۳۸، ابوداود: ۳۵۸۹، اور ابن ماجہ ۲۳۳۶ پر نقل کی ہے) اور حضرت زبیر بن عوام نے یہ روایت کیا ہے کہ ان کا ایک انصاری سے ایک نہر سے باغ سینچنے کے معاملہ میں جھگڑا ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے انصاری سے کہا کہ پانی کو اپنی چال چلنے دو، انہوں نے یہ بات نہ مانی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے زبیر پہلے تم پانی سے سینچائی کر لینا، پھر پڑوسی کے لئے چھوڑ دینا، یہ سن کر وہ انصاری ناراض ہو گئے، اور کہنے لگے: یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں نا! یہ سن کر (غصہ کی وجہ سے) آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، اور آپ نے فرمایا: اے زبیر! پہلے اپنا باغ سینچ لینا اور پھر پانی روک دینا۔

دوسری حدیث سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ حالت غضب میں فرمایا تھا، تبھی تو آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا تھا، اور ایسی صورت میں حدیث پہلی حدیث کے معارض نظر آتی ہے۔

امام طحاویؒ نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان جمع کی راہ اپنائی تو غصہ کی حالت میں

فیصلہ کرنے کی ممانعت کی حکمت کو دلیل بنایا، انہوں نے فرمایا کہ اس حالت میں فیصلہ کرنے سے روکنے کا سبب یہ ہے کہ کہیں یہ کیفیت حکام سے ناانصافی نہ کروادے، اور یہ سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ میں نہیں پایا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کی ہر بات سے من جانب اللہ معصوم ومحفوظ تھے۔ (مشکل الآثار: ۲/ ۹۶)

الفاظ ومعانی دونوں کی رعایت ضروری:

نصوص کی عبارات کے صرف الفاظ کی رعایت کرنے سے ظاہریہ مطعون ہوا تو ہر لفظ کی صرف باطنی معنیٰ مراد لینے سے باطنیہ موردالزام ٹھہرا، جب کہ اہل سنت والجماعت کے علماء نے نصوص کے حقیقی ومجازی معانی کا لحاظ کیا تو جادۂ استقامت پر برقرار رہے۔

حضرت شیخ المشائخ علمائے ظاہر وباطن دونوں کو اعتدال کی تعلیم دے رہے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنے کی ترغیب فرما رہے ہیں۔

دوستو بزرگو! حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ یہی بیان فرما رہے تھے کہ دیکھو علماء باطن نے، صوفیاء کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو باطنی احوال تھے ان کی حفاظت کی، اور علماء ظاہر نے بھی کم کام نہیں کیا ہے، ان حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر نقل وحرکت کی حفاظت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بیٹھے، کیسے کھایا، کیسے پیا، کیسے چلے، فرمایا کہ یہ کام کم نہیں ہے، اگر علماء باطن نے حال کی حفاظت کی ہے تو علماء ظاہر نے قال کی حفاظت کی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل وحرکت کی حفاظت کی، اور پھر حضرت کی آواز اتنی بڑھی، اتنی بڑھی کہ فالج کا اثر ہوگیا، بہر حال علماء ظاہر نے کچھ بیکار کام نہیں کیا ہے اور نہ کر رہے ہیں، ایک ایک عالم راتوں کو جاگتا ہے، ہم لوگوں کو خود کوئی حدیث تلاش کرنی ہوتی ہے تو گھنٹوں تلاش میں نکل جاتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب بیکار ہے، ہمت ہو تو ہمارے پاس آؤ... چلو...

رہو... تب جانیں، اور جبھی تم کو معلوم ہوگا کہ علماء کتنا کام کرتے ہیں اور کتنی محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں، ایک صاحب تھے میرے یہاں بارہ بجے آئے اور ایک مسئلہ لکھ کر دیا، میں نے کہا کہ اس کے جواب کے لئے بعد میں آؤ، چنانچہ وہ گھوم گھام کر چار بجے آئے، میں نے کہا آپ جب سے گئے اس وقت سے مسلسل اسی جگہ بیٹھا ہوں، تب جا کر یہ مسئلہ حل ہوا، سنئے

خون دل پینے کو لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو

یہ ظاہری تعلیم وتدریس جو ہے یہ معمولی چیز نہیں ہے، میرے دوستو! خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر آدمی محدث بنتا ہے، مفسر بنتا ہے، فقیہ بنتا ہے، حافظ مولوی قاری بنتے ہیں، بہت محنت کرنی پڑتی ہے تب کہیں جا کر کامیابی ملتی ہے۔

محدثین صرف الفاظ کے ساتھ ہی وابستہ نہ رہیں، معانی کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائیں:

اصل میں مجھے یہی بیان کرنا تھا کہ جب کسی کو اللہ تعالیٰ علم دین اور علم حدیث سے مشرف فرماتے ہیں اور علم حدیث کی خدمت کی توفیق مرحمت فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ بھی گوارا نہیں فرماتے کہ وہ باطنی دولت سے محروم رہ جائے، ایک نہ ایک دن اس کو باطنی دولت سے ضرور سرفراز کرتے ہیں، جیسے علامہ دہلان حدیث شریف پڑھاتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی شرح کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو گوارہ نہیں ہوا کہ یہ صرف ظاہری علم تک رہیں اور باطنی علم سے محروم رہیں، چنانچہ ایسے حالات پیش آئے جن کی وجہ سے وہ صاحب نسبت ومعرفت بن گئے اور باطنی دولت سے مشرف ہوئے۔

اظہار نہیں استحضار کی ضرورت، عجیب نکتہ:

جب اپنے گناہوں کو سوچو گے تو رونا آئے گا، زلات سمجھ میں آئیں گی تو غم ہوگا، رقت پیدا ہوگی، حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا رکھو جس میں اپنے زلات کا مراقبہ کیا کرو، اپنی کمیوں کا مراقبہ کیا کرو، جب اپنی کمی اور کوتاہی کا مراقبہ ہوگا تو دل میں رقت پیدا ہوگی اور جہاں ذہن میں یہ آیا کہ اب ہم کو کسی چیز کی کیا ضرورت، ہم تو کمال تک پہنچ گئے، تو اس صورت میں چونکہ اپنے کمال پر نظر رہے گی اور آدمی اپنی زلات اور کمیوں کو بھول جائے گا، اس لئے دل میں رقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب دل نرم نہیں ہوگا تو پھر رونا کہاں سے آئے گا، وہ تو اسی صورت میں روئے گا جب کہ اسے اپنے خطیئہ کا استحضار ہوگا، اس بنا پر خطیئہ کا استحضار ضروری ہے، اظہار ضروری نہیں ہے، پس جب خطاؤں کا استحضار ہوگا تو اس سے توبہ کی توفیق ہوگی، ندامت ہوگی، اور ندامت انسان کو کہاں سے کہاں پہنچادیتی ہے۔

معرفت الٰہیہ کے حقائق:

ظاہری تربیت بھی وہی کرتا ہے اور باطنی تربیت بھی وہی کرتا ہے۔ ظاہری تربیت کے لئے کھانا پینا اور کپڑے کا انتظام وہی کرتا ہے، اسی طرح باطنی تربیت کے لئے تواضع، توکل، نسبت، محبت وہی پیدا کرتا ہے، کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، اور دوسرا پیدا کرسکتا تو پھر ہر شیخ کی اولاد پیر در پیر ہو جاتی، اور سبھی اولاد کی تربیت ہو جاتی اور سبھی صاحب نسبت ہو جاتے اور سبھی کو خلافت مل جاتی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے اختیار میں رکھا ہے، یہ تکوینی چیز ہے، شیخ کی اولاد کے لئے بھی وہی ضروری ہے جو سب کے لئے ضروری ہے، ہر باپ چاہتا ہے کہ ہمارا لڑکا صاحب نسبت ہو جائے، ہماری دولت کو حاصل کرلے لیکن اگر وہ رخ نہ کرے اور

حصول کی کوشش نہ کرے تو کچھ نہیں ملتا، محروم کا محروم ہی رہ جاتا ہے۔

تو جب ظاہری حالات میں اور ظاہری امور میں یہ بات ہے تو باطنی امور میں کیا یہ بات نہیں ہوگی، میرے دوستو! اللہ تعالی نے یہ سب نظام قائم کر رکھا ہے، جس طرح ظاہری نظام ہے باطنی نظام بھی ہے، ظاہری نظام میں تو وسائط کی وجہ سے خرابی بھی آسکتی ہے لیکن باطنی نظام میں کوئی خرابی نہیں آسکتی، اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کو بہت بڑی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا، ایسی رسالت کہ اب کسی کو رسالت دے کر مبعوث بنا کر بھیجنے کی ضرورت نہیں، سب نبیوں کی نبوت، رسولوں کی رسالت اس درجہ کی نہیں تھی کہ اس کے بعد رسالت کی ضرورت نہ پڑے مگر حضور اکرم ﷺ کی رسالت اتنی عظیم تھی کہ اس کے بعد رسالت کی ضرورت ہی نہیں، کتاب ایسی اللہ تعالی نے دیا کہ اس کتاب کے بعد کسی کتاب کی ضرورت ہی نہیں۔

حدیث کا ظہر و بطن:

﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (اعراف: ۵۶) محسنین کے معنی یہی ہے کہ اپنے عمل میں حسن پیدا کرو، ہمارے عمل میں حسن پیدا ہوگا سنت کی اتباع سے، ہماری شادی بیاہ سب سنت سے دور ہوتی چلی جارہی ہے، بہر حال سلم کے معنی بیان کیا ہم نے، بہت لوگوں نے پسند کیا، اور ایک اور تقریر بیان کردوں، مولانا تقی الدین صاحب ہی کے یہاں سمینار تھا حضرت شیخ الحدیث صاحب پر، بہت علماء آئے ہوئے تھے، شاید آپ میں سے کوئی گیا ہوگا، ہم کو پانچ منٹ کا وقت دیا گیا اخیر میں، ہم گئے ہم نے کہا صبح سے لے کر اب تک حدیث پر بیان ہورہا ہے، حدیث کے اندر کیا ہے؟ جیسے قرآن کے اندر ظہر ہے اور بطن ہے، اور حدیث ترجمان ہے کس کی؟ قرآن کی تو ظاہر بات ہے کہ متن میں جب ظہر اور بطن ہے

تو اس کی شرح میں بھی ظہر اور بطن آئے گا، اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کے لئے ظہر اور بطن ہے، حدیث کے لئے بھی ایک ظاہر اور باطن ہے، اب تک ظہر کے متعلق بات ہو رہی تھی، اب بطن کے متعلق بات شروع کیجئے، اتنا سننا تھا کہ مولانا ضیاء الدین صاحب اچھل کر آگے اسٹیج پر آگئے، اللہ کا شکر ہے کیا بتاؤں، اب اس بناء پر اس کی بھی ضرورت ہے۔

میرے دوستو! قرآن کے لئے بطن ہے کیسے معانی ہیں؟ کتنے معارف ہیں؟ اب تک کوئی سمجھ نہیں سکتا، کتنے علوم ہیں، کتنے معارف ہیں قرآن میں، اسی طرح حدیث کے بھی مفہوم ہیں، کیسی کیسی حدیث کی کتابیں لکھی جاتی ہیں، بطن ہی کی تشریح ہو رہی ہے، خود حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ میں بیان کروں تو گردن ہماری مار دی جائے، (بخاری: کتاب العلم، باب حفظ العلم)، وہی بطن ہے۔ بہر حال میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ہمارے درمیان رکھا ہے، حدیث کو ہمارے سامنے رکھا ہے، بہت بڑی نعمت، بہت بڑی دولت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ اس کے علم میں بھی لگیں، اور اس کی تدوین اس کی تشریح میں بھی لگیں، اور اس پر عمل کرنے میں بھی لگیں، ان شاء اللہ العزیز اس کی وجہ سے اللہ کی رحمت نازل ہوگی ہمارے اوپر۔

مشائخ کے یہاں فساد کا سبب:

چنانچہ مشائخ کے یہاں جو فساد پیدا ہوتا ہے وہ اسی بنا پر پیدا ہوتا ہے، جب شیخ کے دل میں مریدین کی اتنی وقعت ہو کہ وہ جو کہے اس کو مان لیا جائے، تو پھر وہیں سے خانقاہ فاسد ہونا شروع ہو جاتی ہے، اسی طرح جتنے ادارے اور مدارس میں فساد ہو رہا ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے، بلکہ گھروں میں بھی فساد کی وجہ

یہی ہے کہ بیوی بچوں کی شکایات کو ماں باپ کے مقابلہ میں مانی جارہی ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ، اب کیا ہوگا، جو نہ ہو جائے کم ہی ہے، دن رات یہ باتیں سننے میں آتی رہتی ہیں، اس لئے یہ حزن و غم کی باتیں زبان پر آرہی ہیں، ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بہت ہی متیقظ اور بیدار مغز شیخ تھے، اس لئے فرماتے تھے کہ خادموں کو شیخ کے سر پر تیل رکھتے وقت غیبت کرنے کا خوب موقع ملتا ہے، جب وہ تیل رکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ شیخ ہمارے تابع ہے، میں اس وقت اس کا سرپرست ہوں، اس لئے جو چاہتا ہے کہتا ہے، ایک خادم نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کی حضرت مصلح الامتؒ سے اسی تیل رکھنے کے وقت شکایت کیا تھا، اس لئے حضرت مصلح الامتؒ نے اس کو نکال دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں کی اصلاح وتربیت سے شیخ کو بھی غافل نہیں ہونا چاہئے اور معمولی سے معمولی بات پر روک ٹوک اور نکیر کرنا چاہئے ورنہ خانقاہوں میں بھی فساد آجائے گا۔

عبادات وعادات کی حکمتوں میں فرق

شیخ عبدالرحمٰن کیلانی امام شاطبیؒ سے معمولی سا اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ......

امام شاطبیؒ نے ایک جانب تو یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ بس احکام پر عمل کرلیا جائے (اوران کی جزوی حکمتوں یا علتوں پر غور نہ کیا جائے) اور دوسری طرف وہ طہارت اور استقبال قبلہ جیسے عبادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والے احکام کی حکمتوں کو واضح کرتے ہوئے یہ تحریر فرماتے ہیں: ”نماز سے پہلے طہارت انسان کو ایک عظیم عبادت کے لیے تیار ہونے کا احساس دلاتی ہے، پھر جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت قبلہ رو ہوتا ہے تو اس طرح اس کو ایک عظیم ہستی کے حضور میں حاضر ہونے کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح وہ

عبادت کی نیت کرتا ہے تو اس کے دل میں خشوع وخضوع کے احساسات پیدا ہوتے ہیں، پھر بار بار تکبیر کہنے، تسبیح بیان کرنے اور تشہد پڑھنے سے اس کو بار بار یہ تنبہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عظیم رب کے سامنے حاضر ہے؛ لہذا اسے غافل نہیں ہونا چاہئے''۔(الموافقات: ۲/ ۲۴)

مندرجہ بالا اقتباس میں ذکر کئے گئے تمام احکام تعبدی ہیں، اس کے باوجود امام شاطبیؒ ان کی خاص حکمتوں اور علتوں کے بیان سے رکے نہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ کی شرطوں کے بیان میں نصاب کی تکمیل، حولان حول اور مال کے نامی ہونے کی شرط کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''مال کے اوپر ایک سال کا عرصہ گزر جانا، اور اس کا نامی ہونا ملکیت کے نتیجہ یا غنیٰ کی حکمت کے لئے مکمل ہے''۔

(ایضا: ۲/ ۲۶۲-۲۶۳)

آگے چل کر یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:''بالکل واضح بات ہے کہ حولان حول نصاب کے حصول کی حکمت یعنی غنیٰ کا مکمِّل ہے، صرف نصاب پر ملکیت سے ہی اس کا حکم لگانا اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ وہ اس سے اپنے مصالح کے حصول میں فائدہ اٹھانے پر قادر نہ ہوجائے۔ اسی قدرت کے لئے (جس سے کہ غنیٰ [مالداری] ظاہر ہوتی ہے) شارع نے حولان حول کو مناط کا درجہ دے دیا ہے''۔(ایضا: ۲/ ۲۶۷)

ظاہر ہے کہ زکوۃ کے احکام عبادات کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، عادات کے قبیل سے نہیں، اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امام شاطبیؒ بلا جھجک ان کی خاص حکمتوں کو دریافت کرتے ہیں اور بیان بھی۔

یہی بات ہمیں امام شاطبیؒ کے استاذ امام مقری کے یہاں نظر آتی ہے، وہ بھی زکوۃ کی شرطوں کی حکمتیں بیان کرتے ہیں کہ یہ شرطیں عدل کو یقینی بناتی ہیں اور غنی وفقیر یا بالفاظ دیگر زکوۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کے حالات کا خیال رکھتی ہیں، خود امام موصوف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:''شریعت نے زکوۃ دینے والے اور لینے والے کے درمیان عدل سے کام لیا

ہے، اسی وجہ سے زکوۃ کو صرف مال نامی سے ہی متعلق کیا گیا ہے، چاہے یہ مال فطری طور پر نامی ہو، جیسے چوپائے اور غلہ سبزی وغیرہ کی کھیتی، اور چاہے اس کو نامی مان لیا گیا ہو جیسے تجارت میں استعمال ہونے والے نقدین (سونا، چاندی)، اسی طرح کم مال میں زکوۃ فرض نہیں کی گئی ہے؛ بلکہ متوسط اور اعلیٰ درجہ کی مالداری میں فرض کی گئی ہے۔ اسی طرح اگر درمیان میں کسی وجہ سے مالداری جاتی رہے تو بھی ساقط ہو جاتی ہے''۔ (المقری: القواعد: ۲/ ۴۹۰)

ہاں اس قاعدہ (عبادات میں اصل توقف یعنی بلا علت وحکمت پر غور کئے عمل کرنا ہے) کو دو حالتوں میں صحیح مانا جا سکتا ہے:

پہلی حالت: جب کہ حکم ایسا ہو کہ اس کی حکمت وعلت کا ادراک نہ کیا جا سکے، یعنی خود اس حکم کی نوعیت ہی اس بات کی مقتضی ہو کہ اس میں توقف کیا جائے اور اس کی حکمت کی تلاش میں محنت صرف نہ کی جائے، مثلاً فجر میں دو رکعتوں، ظہر میں چار رکعتوں اور مغرب میں تین رکعتوں کی مشروعیت کی حکمت۔ یا اوقات نماز (زوالِ شمس، غروب شمس، غیبوبتِ شفق اور طلوع فجر) کی حکمت، اس لئے کہ ان اسباب کی حکمت وعلت کا ادراک کیا ہی نہیں جا سکتا، لہذا ایسی صورت میں بس شارع کے حکم وبیان پر توقف کر لیا جائے۔

یہی حال زکوۃ کے بعض احکام کا ہے، مثلا مال کی مختلف قسموں میں زکوۃ کی واجب مقدار کا ادراک ہماری عقل سے پرے ہے کہ سونے چاندی میں چالیسواں حصہ، قدرتی پانی سے سیراب ہونے والی زمین میں دسواں حصہ اور انسانی محنت کے ذریعہ سیراب ہونے والی کھیتی میں بیسواں حصہ اور چالیس بکریوں میں ایک بکری بطور زکوۃ نکالنا۔

مختلف اموال کی ان مختلف مقداروں کی خاص حکمت ہماری عقل سے پرے ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ انجام کار یہ حکم عدل وانصاف پر قائم ہے۔

ان اور ان جیسے دیگر تعبدی احکام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ ان میں شارع کے بیان پر توقف کیا جائے، لیکن ایسا ان کے تعبدی ہونے کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ ایسا اس لئے ہے کہ ان

کی نوعیت اس کی متقاضی ہے، امام شاطبیؒ نے اس قاعدہ کی جو مثالیں ذکر کی ہیں ان میں سے زیادہ تر اسی قبیل کی ہیں کہ ان کی ذاتی نوعیت کی وجہ سے ان کی حکمت کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری حالت: حکم شرعی پر غور کرنے سے کوئی علمی فائدہ حاصل نہ ہو، اور کوئی فقہی نتیجہ بھی برآمد نہ ہوسکے، اور اس میں گفتگو شریعت میں بے جا دخل اندازی اور نرا تکلف ہو۔

امام مقریؒ نے یہ بات ان الفاظ میں کہی ہے: ''مشروعیت کی حکمتوں کی تلاش میں زیادہ چھان پھٹک کرنا محققین اہل علم کے یہاں علم کی بس ظاہری زیب و زینت سے تعلق رکھتا ہے اصل علم سے نہیں، برخلاف احکام کی علتوں کے استنباط کے، لہٰذا حکمتوں کی تلاش میں- خاص طور پر ان احکام میں جن میں تعبد کا پہلو ظاہر ہے- زیادہ مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہئے کہ ایسی صورت میں سنگین غلطی میں مبتلا ہونے کا ڈر رہتا ہے، ایسے احکام میں فقیہ کے لئے منصوص ظاہر یا قریب بظاہر پر اکتفا کرنا بہتر ہے''۔ (القواعد: ۲/ ۴۰۶)

مثلاً نماز کے اوقات کی حکمت کی تلاش کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ: ''زوال شمس سے معمولات میں تبدیلی آجاتی ہے، لہٰذا اس وقت عبادت سے آغاز کرنے کا حکم دیا گیا، عصر کا وقت طلب معاش کا وقت ہے، تو گویا کہ عصر کی نماز کی مشروعیت کے ذریعہ مکلفین سے یہ کہا گیا کہ آخرت کے لئے بھی کچھ انتظام کرلو، مغرب کا وقت بھی معمولات کی تبدیلی کا وقت ہے، عشاء سونے کا اور فجر لذت کا وقت ہے''۔ (ایضا: ۲/ ۴۰۷)

اسی طرح کی حکمتوں کی تلاش (جن کا کوئی فقہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، نہ ان سے کسی حکم شرعی کی دریافت ہوتی ہے) نرا تکلف اور حدود سے تجاوز ہی ہے، ایسی صورت میں یہ کہنا صحیح ہے کہ عبادات میں اصل توقف ہے۔

تعبدی احکام کی تعلیل اور ممکنہ صورتوں میں ان کی حکمتوں کے خیال رکھنے کی ہماری رائے کو تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ تعبدی احکام کے اصول کا استقراء بھی یہ بتاتا ہے کہ ان احکام کا تعلق ان کی حکمتوں اور علتوں سے ہے مثلاً:

نماز کی مشروعیت کی غایت خود اللہ سبحانہ وتعالی نے یہ واضح فرمائی ہے کہ ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ﴾[عنکبوت:۴۵](ترجمہ: بلاشبہ نماز بے حیائی اور غلط کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے)، روزہ کی حکمت کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[بقرہ:۱۸۳](ترجمہ: تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے والوں پر کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرنے لگو)، حج کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۙ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ﴾[حج:۲۷-۲۸](ترجمہ: اورلوگوں میں حج کی منادی کردو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دُبلے پتلے اونٹوں پر بھی اور دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے، وہ اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں)۔

اس آیت میں حج کو لوگوں کے دنیوی واخروی منافع (مثلا تجارت، عبادت، اور مغفرت) کی حکمت سے وابستہ کیا گیا ہے۔(تفسیر قرطبی:۲/۴۱، شوکانی: فتح القدیر:۳/۴۴۸)

زکوٰۃ کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾[توبہ:۱۰۳](ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں)۔

احادیث نبویہ میں بھی تعبدی احکام کو ان کی خاص حکمتوں سے مربوط کئے جانے کی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع میں) کھڑا تھا کہ اپنی سواری سے گر پڑا، سواری نے اس کو کچل ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: بیری کے پانی سے اس کو

غسل دو، اور دو کپڑوں سے کفن دو، لیکن اس کے جسم پر خوشبو لگانا نہ ہی اس کا سر ڈھکنا، کہ یہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھے گا''۔(بخاری:۱۲۶۷، مسلم:۱۲۰۶، نسائی:۵ / ۱۹۶)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خوشبو لگانے اور سر نہ ڈھانکے جانے کی حکمت یہ بتائی ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنی زندگی کے آخری حال (احرام پہنے اور تلبیہ پڑھتے) اٹھے گا۔لہذا اس کے ساتھ محرم والا ہی معاملہ کیا جائے۔

استقراء جہاں ایک جانب بعض تعبدی احکام میں حکمتوں کی جانب توجہ نہ کیا جانا بتاتا ہے، وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکمتوں کے قابل ادراک ہونے کی صورت میں بہت سے تعبدی احکام میں حکمتیں بیان بھی کی گئی ہیں۔

یعنی احکام کی علتوں اور شریعت کی ان حکمتوں کا بیان جو شریعت کا مصلحت سے ربط ظاہر کرتی ہیں اصل ہے، یہی بات قاضی ابویعلی نے بھی کہی ہے، فرماتے ہیں: ''اصل یہ ہے کہ اصول (احکام شریعت) کی علت کا بیان ہی اصل ہے، شاذ و نادر اس سے مختلف ہوتا ہے، لہذا عام اور ظاہر کو ہی اصل کا مقام حاصل ہے''۔(ان کا یہ قول ان کتابوں میں منقول ہے: آل تیمیہ: المسودۃ: ۳۹۸، فتوحی شرح الکوکب المنیر: ۴ / ۱۵۲)

نوٹ: اب تک ذکر کئے گئے دلائل کی بنیاد پر میری رائے یہ ہے کہ زیر بحث قاعدہ کو معمولی ترمیم کے ساتھ یوں ہونا چاہئے تھا، تعبدی احکام میں جن حکمتوں کا ادارک نہیں کیا جاسکتا: اصل حکمتوں کی جانب توجہ کئے بغیر حکم پر عمل ہے۔

اس بات پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد عادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والے اکثر احکام میں تشریع سے مقصود حکمتوں کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے، امام شاطبیؒ نے چند ایسے احکام کا ذکر کیا ہے جو عادات کے قبیل سے ہیں، اس کے باوجود ان کی حکمتوں کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

مثلاً عورت کی عدت (عدت مطلقہ اور عدت متوفی عنہا زوجہا دونوں) میں مہینوں کی تعداد، کفارۂ یمین میں دس مسکینوں کو اور کفارۂ ظہار میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، حدزنا میں سوکوڑے

اور حد قذف میں ۸۰ کوڑے لگانے کا حکم، نیز میراث میں مختلف لوگوں کے مختلف حصے۔

ان احکام کی جزوی حکمتیں قابل ادراک نہیں ہیں، ہاں عام یا کلی حکمتوں کا ادراک ممکن ہے، مثلا میراث کے احکام کی یہ کلی حکمت کہ رشتہ داری جیسی ہوگی حصہ ویسا ہی ملے گا، اسی طرح عورت کی عدت کی عام حکمت استبراء رحم ہے، حدزنا وحد قذف عمل زنا وقذف سے باز رکھنے کے لئے مشروع ہیں کہ یہ اعمال اسلام کے کلی مقاصد کو نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن دونوں میں کوڑوں کی مقدار کی جزوی حکمت نا قابل ادراک ہے۔

اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کی طرح عادات سے تعلق رکھنے والے بعض احکام کی حکمتیں بھی نا قابل ادراک ہوتی ہیں، لہذا ایسے احکام میں بھی شان مسلمانہ کے مطابق یہ مانتے ہوئے ہم عمل کرتے ہیں کہ ان میں انسانوں کی مصلحت پوشیدہ ہے؛ اگر چہ اس کا ادراک ہماری عقلیں نہیں کر پا رہی ہیں۔

عادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والے ان احکام میں جن کی حکمتیں ادراک سے پرے ہوں مجتہد کی ذمہ داری ہے: تعبد، حکم شرعی کے سامنے مکمل خودسپردگی اور منصوص حکم پر عمل۔

(الموافقات: ۲/ ۳۰۷)

احکام شرعیہ کی حکمتوں کے ادراک کے باوجود ان میں تعبد کے پہلو کا خیال رکھنا ضروری ہے:

احکام شرعیہ کی بابت ان کی حکمتوں کا خیال رکھا جانا ہی اگر چہ اصل ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تعبد کے پہلو کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جائے، اس لئے کہ احکام شرعیہ میں بیک وقت دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، اور یہ کوئی تضاد وتعارض نہیں ہے کہ ان احکام میں اس اعتبار سے کہ اکثر اوقات ان کی حکمتیں قابل ادراک ہوتی ہیں 'معقولیت'' (حکمت کا خیال رکھا جانا) پائی جاتی ہے، اور دیگر اعتبار سے یہ تعبدی ہوتے ہیں''۔ (الموافقات: ۲/ ۳۱۰-۳۱۷، اختصار کے ساتھ)

ان کے تعبدی ہونے کی پہلی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مکلف پر ان احکام شرعیہ پر عمل لازمی ہوتا ہے، چاہے وہ ان کی مقصود حکمت کو سمجھے یا نہیں۔

احکام کے تعبدی ہونے کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی حکم شرعی کی ایک حکمت کے ادراک کا یہ لازمی نتیجہ نہیں ہے کہ اس میں اور حکمتیں پائی نہیں جاتیں، لہذا قطعی طور پر یہ فیصلہ کر لینا بالکل صحیح نہیں ہے کہ اس حکم سے مقصود صرف وہی حکمت ہے جس کا ہم نے ادراک کر لیا ہے، اس لئے کہ یہ ایک بے دلیل بات ہے، لہذا جب حکم شرعی میں اور حکمتوں کے وجود کا امکان رہا اور ہم ان سے واقف نہیں ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تعبداً بے حکمتوں کے ادراک کے اس حکم پر عمل کر رہے ہیں۔

ان تمام وجوہ کی بنیاد پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ احکام کی حکمتوں کے ادراک کے بعد بھی ان میں تعبد کی صفت پائی جاتی ہے، اس طرح وہ بات مزید مؤکد ہوجاتی ہے جو مصلحت شرعیہ سے وابستہ ضوابط کی تشریح میں گذر چکی ہے کہ احکام شرعیہ تبھی مصالح کی تکمیل کرتے ہیں جب وہ شارع کے حکم کے موافق ہوں، نہ کہ اس وقت جب کہ بندوں کی خواہشات وشہوات کے تقاضے سے ان پر عمل کیا جائے، اس سے یہ بات مزید معلوم ہوجاتی ہے کہ حکم شرعی کی ''معقولیت'' کے باوجود اس پر تعبد کا رنگ رہتا ہے۔

شریعت کے سلسلے میں یہ کہنے میں مجتہد کے لئے زبردست رہنمائی پائی جاتی ہے کہ وہ جلب مصالح اور دفع مفاسد کی بنیاد پر قائم ہے، یا بالفاظ دیگر اس میں معقولیت پائی جاتی ہے، نیز اس سے مجتہد کو حکم شرعی کے دائرہ کی توسیع کے لئے احکام کے خاص معانی پر غور وفکر کرنے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔

مشقت، عزیمت، رخصت کی مثالیں

شیخ عبدالرحمان الکیلانیؒ نے امام شاطبیؒ کا قاعدہ ذکر کرتے ہوئے دلائل شرعیہ سے دین کے احکام میں عدم مشقت کو ثابت کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''شارع مشقت والے کاموں کا بندوں کو مکلف نہیں کرتا''۔(الموافقات:۲/۱۲۱)

(الف) اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾(مائدہ:۶)(ترجمہ: اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی حرج مسلط کرے، بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاکیزہ کرے اور اپنی نعمتیں تم پر مکمل کرے تاکہ تم شکر گزار بنو) اسی طرح دوسری جگہ پر ارشاد ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ﴾ (حج:۷۸)(ترجمہ: اور اس نے تم پر دین میں کوئی حرج مسلط نہیں کیا ہے، یہ تمہارے دادا ابراہیم کا طریقہ ہے)۔

ان دونوں آیتوں سے استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں دین میں کسی بھی طرح کے حرج کی نفی کرتی ہیں، اس لئے کہ لفظ ''حرج''، نفی کے سیاق میں نکرہ آیا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ نفی کے سیاق میں نکرہ عموم پر دلالت کرتا ہے، لہذا ان آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ ہر طرح کا حرج چاہے بڑا ہو یا چھوٹا واضح ہو کہ مخفی شریعت میں نہیں پایا جاتا۔(ابن عطیہ: المحرر الوجیز: ۴/ ۳۷۵)

اس طرح ان آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حرج کا ازالہ یکے از مقاصد شریعت ہے، یہ معنی پہلی آیت ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ میں تو صراحتًا پائے جاتے ہیں، اس لئے کہ یہ آیت یہ بتاتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی حرج کی مشروعیت کا ارادہ فرماتا ہے نہ اس کا قصد کرتا ہے۔

اس آیت کی بابت یہ بات مزید خیال رکھنے کی ہے کہ اس سے متصلاً پہلے پانی نہ پائے جانے

یا پانی کے استعمال کی صورت میں نا قابل برداشت مشقت ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت دی گئی ہے، یعنی یہ آیت تیمم کی رخصت کا سبب بیان کرنے کے لئے اس موقع پر آئی ہے۔

شیخ ابن عاشورؒ نے اس آیت میں مذکور حرج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جس حرج کی اس موقع پر نفی کی گئی ہے وہ بعض صورتوں میں حسی ہے، جیسے مرض وسفر کے باوجود بندوں کو پانی کے ذریعہ طہارت حاصل کرنے کا حکم دیا جائے، جب کہ بعض دیگر صورتوں میں یہ نفسیاتی حرج ہوتا ہے جیسے کسی نقصان، سفر یا پانی نہ پائے جانے کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی صورت میں نماز سے روک دیا جائے کہ مسلمان نماز سے راحت حاصل کرتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے''۔

ہم نے پیچھے یہ ذکر کیا تھا کہ حرج کا تعلق کبھی جسم انسانی سے ہوتا ہے اور کبھی انسانی احساسات (یا نفسیات) سے، اور دونوں طرح کے حرج کا ازالہ شریعت کے پیش نظر ہے، ابن عاشور کی یہ عبارت ہمارے بیان کی تائید کرتی ہے۔

دوسری آیت ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ ﴾ (حج: ۷۸) سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت ابراہیمی سمیت پچھلی شریعتوں میں بھی رفع حرج بطور ایک مسلم اصول کے رہا ہے، اس سے بھی مزاج شریعت کے اس پہلو پر روشنی ملتی ہے کہ شریعت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس پر عمل پیرا ہوا جائے، اس کی ہدایات کا خیال رکھا جائے، مکلفین کو حرج سے بچانے کی وجہ سے انسان کے اندر احکام خداوندی کی پیروی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اکتاہٹ اور بے دلی کی کیفیت سے بچا رہتا ہے، اور اس کے اندر شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا فطری جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس طرح رفع حرج کا یہ اصول یا قاعدہ شریعت اور تکلیفات شرعیہ پر عمل کرنے کا سبب بنتا ہے۔

(ب) آیت قرآنی ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (بقرہ: ۱۸۵) (ترجمہ: اللہ تعالی

تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالی کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس کا شکر کرو)۔

اس آیت میں استدلال یوں ہے کہ اس میں اس بات کی صراحت پائی جاتی ہے کہ شارع امت کے ساتھ یسر کے حصول اور عسر کے ازالہ کا خواہاں ہے۔(ابوحیان: البحرالمحیط: ۲/ ۴۲)اور یسر کے خواہاں ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ شریعت کے اصول وفروع میں حرج نہ پایا جائے، ﴿وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ میں عسر کے ارادہ کی نفی یہ بتاتی ہے کہ عسر شارع کے مقصد سے مناقض ومتصادم ہے۔

(ج)﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴿۲۸﴾﴾(نساء: ۲۸)
(ترجمہ: اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہارے لئے سہولتیں پیدا کرے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے)
اس آیت سے بھی ضمنی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی اس امت کے لئے یسر کا قصد کرتا ہے عسر کا نہیں، اور وہ اپنی تشریعات میں مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرماتا ہے ،اور نرمی کی اس روش کا مطلب یہ ہے کہ مشقت کا وہ قصد نہیں فرماتا۔یعنی شارع کو مقصود تخفیف ہے،تشدید یا مشقت میں ڈالنا نہیں۔

یہ بتانے کے بعد- کہ اللہ تعالی بندوں کے ساتھ نرمی اور تخفیف کا معاملہ فرماتا ہے-فرمایا: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾(نساء: ۲۸)''اس جملے سے تخفیف کا سبب اور اس دین وشریعت کی خصوصیت بتانی مقصود ہے، نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لوگوں کی طاقت واستطاعت کا خیار رکھنے میں یہ دین دیگر تمام ادیان سے فائق ہے''۔(التحریر والتنویر: ۵/ ۲۲)

جب انسان فطرتاً ہی ضعیف وکمزور واقع ہوا ہے اور اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ مشقتوں کے تحمل کی قدرت نہیں رکھتا تو پھر یہی مناسب ہے کہ شریعت (جو اس کو ہر طرح کے احکام دیتی ہے) بھی اس کی اس فطرت کا خیال رکھتے ہوئے آسان ہو سہل ہو، مشقت اور حرج سے ہر طرح محفوظ ہو اور اس طرح اس میں انسان کی فطرت اور اس کی استطاعت کا مکمل خیال

رکھا جائے، فطرت انسانی کے تقاضوں کے مطابق تشریع میں یہی زبردست حکمت مقصود ہے۔

یہاں پر یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آیت کریمہ کے اس فہم کو یہ بات کچھ نقصان نہیں پہنچاتی کہ اس آیت سے پہلے ان عورتوں کا تذکرہ ہے جن سے نکاح حرام ہے اور پھر آزاد عورتوں سے نکاح نہ کرسکنے کی صورت میں باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت کا تذکرہ ہے۔ اس لئے کہ آیت اپنی مراد میں عام ہے، جو تمام مسائل، جزئیات اور صورتوں میں تخفیف کے ارادۂ الٰہی ہونے کا پتہ دیتی ہے، اسی لئے اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ سے یہ منقول ہے: ''یعنی وہ چاہتا ہے کہ تم کو باندیوں سے نکاح کرنے کی اور ہر اس چیز کی جس میں تمہارے لیے آسانی ہو تمہیں اجازت دے''۔ (تفسیر طبری: ۸/ ۲۱۵، شوکانی: فتح القدیر: ۱/ ۴۵۶)

(د) آیت قرآنی: ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (اعراف: ۱۵۷) (ترجمہ: اور وہ [رسول] ان سے وہ بوجھ اور طوق اتارتا ہے جو ان پر لدا ہوا ہے) ''اِصر'' عربی زبان میں بوجھ کو کہتے ہیں، اور یہاں اس سے مراد غیر معمولی مشقتوں کا شرعی طور پر مکلف بنانا ہے، اور یہ ''حرج'' کی ہی دوسری تعبیر ہے، حرج کو بوجھ سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا کہ جس شخص کو شریعت نے اس حرج سے چھٹکارا دلایا ہے وہ بوجھ تلے دبا تھا، اللہ نے اس پر سے یہ بوجھ ہٹا دیا۔ (زمخشری: کشاف: ۲/ ۱۶۶)

اس آیت میں شریعتِ توراۃ کے خارج از تحمل مشقت والے احکام کو اصر (بوجھ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے سنیچر کے دن کام کرنے جیسے بہت سے گناہوں پر قتل کی سزا، اور ایسے ہی بہت سی طیب غذاؤں کی تحریم، اس بوجھ کی نفی مزید واضح ہوکر اس آیت میں سامنے آتی ہے، ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ (بقرہ: ۲۸۶) (ترجمہ: اے ہمارے رب! اور ہم پر بوجھ نہ لادیئے جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلے والوں پر لادا تھا)

أغلال غل کی جمع ہے، جو لوہے کے اس رنگ کو کہتے ہیں جو قیدی یا مجرم کی گردن میں ڈالا جاتا ہے، اس میں چمڑے کا پٹہ یا لوہے کی زنجیر لگی ہوئی ہوتی ہے جو قیدیوں کے ذمہ دار کے

ہاتھ میں ہوتی ہے، یہ لفظ استعارۃً اس حکم کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جو مشقت کا باعث ہو اور استطاعت سے باہر ہو۔ (الراغب الاصفہانی: مفردات القرآن: ٦١٠)

یہ آیت بھی یہی بتاتی ہے کہ شریعت میں حرج نہیں پایا جاتا، اگر پایا جاتا تو وہ بوجھ اور طوق ہم پر باقی رہتے جو ہم سے پہلوں پر تھے۔

رفع حرج کے دین وشریعت میں معتبر اصول ہونے پر دلالت کرنے والے دلائل میں سے یہ چند تھے، ان کے علاوہ اور دلائل بھی اس قبیل کے نصوص میں پائے جاتے ہیں، ذیل میں صرف ان کا اجمالی تذکرہ کیا جارہا ہے اور بے جا طوالت سے بچنے کے لئے ان پر کوئی کلام نہیں کیا جائے گا کہ پچھلے دلائل سے رفع حرج کی حجیت ثابت ہو چکی ہے۔

آیت قرآنی ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ ﴾(بقرہ:٢٨٦) (ترجمہ: اور اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، اس کے نیک اعمال اس کے حق میں مفید ہیں اور برے اعمال کا وبال اس پر ہے۔

حدیث نبوی: ''بلا شبہ دین آسان ہے، اور جو کوئی بھی دین میں شدت کی راہ اختیار کرے گا، ہار بیٹھے گا، پس معتدل اور صحیح راہ اپناؤ۔ (بخاری:٣٩، نسائی:٨/١٢١-١٢٢، ابن حبان:٣٥٣)

''جو کوئی بھی دین میں شدت کی راہ اختیار کرے گا ہار بیٹھے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص دینی اعمال میں یسر کو چھوڑ کر شدت کا ہی طالب نہ رہے، اگر ایسا کیا تو اعمال دینیہ سے عاجز آ جائے گا۔

معتدل راہ اپنانے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال میں میانہ روی اختیار کرو، افراط وتفریط سے بچے رہو، اگر بالکل ٹھیک طریقہ پر نہ پہنچ سکو تو اس کے قریب تک پہنچ جاؤ۔ (ابن حجر: فتح الباری:١/٩٤)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو بھیجتے وقت فرمایا تھا: ''یسر کا معاملہ کرنا عسر کا نہیں، خوش خبریاں دینا، لوگوں کو اپنے سے دور نہ کرنا''۔ (بخاری:١٦٢٤، ابن حبان:٥٣٧٦)

اس حدیث میں ہدایت نبوی: ''یسر کا معاملہ کرنا، عسر کا نہیں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع حرج مکمل شریعت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے، دعوت الی اللہ میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے اور کسی بھی صورت میں اس سے اجتناب مناسب نہیں۔

یہ چند عام دلائل تھے جو زیر نظر قاعدہ کی حجیت ثابت کرتے ہیں۔ (مزید دلائل کے لئے ملاحظ ہو: ڈاکٹر محمد شریف الرحمونی: الرخص الفقہیۃ من القرآن والسنۃ: ۵ ۱۳ - ۲۱۴)

دلائل کی دوسری قسم ان خاص نصوص پر مشتمل ہے جن کی رو سے عزیمت کے احکام پر عمل کرنے کی صورت میں پیش آنے والی مشقت کا خیال رکھتے ہوئے ایسی رخصتیں مشروع کی گئی تھیں جو مکلفین کے لئے تخفیف اور تیسیر کا باعث ہوں، تاکہ ان کو مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس طرح تمام وہ نصوص جو رخصتوں کی مشروعیت بتاتے ہوں رفع حرج اور دفع مشقت کے مقصد شریعت ہونے پر ایک دلیل سمجھے جائیں گے۔ مثلاً:

(الف) آیت قرآنی ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾﴾ (فتح:۱۷)

اس آیت میں جہاد میں شرکت نہ کرسکنے والے معذور افراد کی بابت یہ فرمایا گیا ہے کہ جہاد میں شرکت نہ کرنے کا ان کو کچھ گناہ نہ ہوگا، یعنی ان کے عذر کی بناء پر ان کے لئے جہاد میں عدم شرکت کو جائز قرار دے دیا گیا ہے (کہ بصورت دیگر ان کو حرج کا سامنا کرنا پڑتا)۔

(احکام القرآن:۱۶/ ۲۷۳، فتح القدیر:۵/ ۵۰)

(ب) آیت قرآنی ﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ﴾ (بقرہ:۱۸۵) (ترجمہ: تو تم میں سے جو ماہ [رمضان] پائے وہ اس کے روزے رکھے اور ہاں! جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کر لینی چاہئے۔)

اس آیت میں مریض و مسافر کے لئے اصل حکم شرعی (رمضان میں روزہ رکھنے) سے

رخصت اس لئے رکھی گئی ہے کہ روزہ کی مشقت تو قابل تحمل تھی، لیکن اب مرض وسفر کی مشقت مل کر دو مشقتیں ہوگئیں ؛ لہذا ان سے مکلّف کو محفوظ رکھنے اور روزہ چھوڑنے کے گناہ سے بچانے کے لئے یہ رخصت مشروع کی گئی۔

(ج) آیت قرآنی ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا﴾ (نساء:۱۰۱) (ترجمہ: اور سفر میں تم پر نماز میں قصر کرنے میں کچھ گناہ نہیں، گر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تم کو پریشانی میں ڈال دیں گے، بلا شبہ کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔)

اس آیت میں بھی پچھلی دونوں آیتوں کی طرح مسافر کو عام طور پر پیش آنے والی مشقت کی رعایت کی گئی ہے، اس مشقت کی وجہ سے قصر صلاۃ کا حکم دیا گیا تا کہ اس مشقت میں تخفیف کردی جائے۔ (ابن العزی: احکام القرآن: ۱/ ۴۸۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یعنی سفر میں قصر پر مداومت اس کے لئے مزید دلیل فراہم کرتا ہے۔ (مسلم: ۶۸۳، نسائی: ۳/۱۱۸)

(د) آیت قرآنی ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (نحل:۱۰۶) (ترجمہ: جو اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کرنے کا مرتکب ہو، سوائے اس کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔)

اس آیت کا سبب نزول اس سے استدلال کی وضاحت کردیتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کو دین کی راہ میں جب بہت ستایا گیا تو انہوں نے کفار کے مطالبہ پر مجبور ہوکر (نہ کہ اختیاری طور پر) کچھ ایسی بات کہہ دی جو وہ کہلوانا چاہتے تھے۔ (واحدی: اسباب النزول: ۱۹، ثعالبی: الجواہر الحسان: ۲/ ۲۲۳، ابن عطیہ: المحرر الوجیز: ۸/ ۵۱۵)

تو اللہ سبحانہ وتعالی نے یہ آیت نازل کر کے ان کو کلمۂ کفر ادا کرنے کے اصل حکم شرعی (ارتداد) سے مستثنی کردیا، اب یہ استثنائی حکم ہر اس شخص کا ہوگا جس نے کلمات کفر حضرت

عمارؓ کی سی مجبوری میں ادا کئے ہوں گے کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، خاص سبب کا نہیں۔

(ھ) حدیث نبوی: ''اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''۔(بخاری: ۸۸۷، مسلم: ۲۵۲، ابوداود: ۴۷، ترمذی: ۲۳، نسائی: ۱/ ۱۲)

یہ حدیث بھی یہ بتاتی ہے کہ رفع حرج شارع کو مقصود ہے کہ مشقت کا مظنہ ہونے کی بناء پر ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، ظاہر ہے ایسا مکلفین کے لئے تیسیر کے خیال سے کیا گیا ہے، اور تیسیر کی ہی وجہ سے حکم استحبابی رہا وجوبی نہیں ہوا۔(نووی: شرح مسلم: ۳/ ۱۴۳)

(و) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سے گر پڑے، آپ کا دایاں پہلو زخمی ہوگیا، ہم آپ ﷺ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے، اسی اثناء میں نماز کا وقت آ گیا تو آپ ﷺ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی''۔(بخاری: ۶۸۹، مسلم: ۴۱۱)

آپ ﷺ کا دایاں پہلو زخمی ہونے کی وجہ سے تخفیفی حکم (بیٹھ کر نماز پڑھنا) مشروع ہوا، تاکہ نماز مرض میں زیادتی اور زخم کے مندمل ہونے میں تاخیر یا غیر معمولی مشقت کا سبب نہ بنے۔

سطور بالا میں درج کئے گئے عام وخاص نصوص سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ شارع کا مقصود تیسیر اور رفع حرج ہے، اسی لئے وہ عارضی حالات کی مشقتوں سے انسان کو بچانے کے لئے ایسے حکم مشروع کرتا ہے، جو یا تو مشقت کو ختم ہی کردیں یا پھر کم از کم اس کے تناسب میں کمی کردیں۔

اس قاعدہ کے معتبر ہونے کی تیسری دلیل اجماع ہے، امت کا اجماع ہے کہ تکلیفات شرعیہ میں حرج نہیں پایا جاتا، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرج شارع کو مقصود نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو شریعت میں تناقض ضرور پایا جاتا۔(الموافقات: ۲/ ۱۲۲)

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ قاعدہ قطعی طور پر حجت ہے، اسی بات کو امام شاطبیؒ نے یوں فرمایا ہے: ''رفع حرج کے دلائل قطعیت کا درجہ رکھتے ہیں''۔(ایضاً: ۱/ ۳۴۰)

(قاعدہ): اگر کوئی مشقت مکلف کے لئے ایسی غیر معتاد یعنی اس کی عادت اور اس کے معمول سے اس طور پر باہر ہو کہ اس کے لئے کسی دینی یا دنیوی فساد کا باعث ہو تو اس کو مکمل طور پر دور کرنا شارع کو مقصود ہے''۔ (قواعد المقری:۲ /۴۱۱)

امام شاطبیؒ کا ذکر کردہ یہ قاعدہ اس مشقت کی تعیین کے لئے عام ضابطے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کو رفع کرنا شارع کو مقصود ہے، اس کی رو سے مشقت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مشقت معتادہ: وہ مشقت جس کو قبول کرنے اور جس پر عمل کرنے کے لئے دل آمادہ ہوں۔

(۲) مشقت غیر معتادہ: وہ مشقت جس کو اس جیسے عمل میں غیر مانوس سمجھا جائے۔

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ امام شاطبیؒ نے صرف معتاد ہونے یا غیر معتاد ہونے کو ہی تیسیر کا سبب بننے والی یا نہ بننے والی مشقت کے درمیان حد فاصل قرار نہیں دیا ہے، بلکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے غیر معتاد ہونے کی حقیقت بھی واضح کی ہے؛ تاکہ یہ معاملہ (معتاد غیر معتاد ہونا) مکلفین کی خواہشات کے تابع ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کو معروف اور معلوم شرطوں کے ساتھ مقید کر کے حد درجہ منضبط کر دیا جائے۔

مشقت غیر معتادہ کی بابت امام شاطبیؒ کے کلام کے تجزیہ سے میں نے یہ پایا کہ وہ دو ذریعوں سے اسے ممیز کرتے ہیں۔

(۱) مشقت کے نتیجہ میں وجود میں آنے والے نتائج۔

(۲) مشقت کا سبب بننے والے امور۔

ان دونوں ذرائع کی تفصیل وتوضیح سے ہمارے لئے معتاد وغیر معتاد مشقت کی وضاحت ہو جاتی ہے، مشقت غیر معتادہ کے یہ دو نتائج سامنے آتے ہیں:

(اول) ''یہ ڈر کہ راہ رَو راہ میں ہمت ہار جائے گا، عبادت سے نفور ہو جائے گا، اور تشریعات کو ناپسند کرنے لگے گا، اس سب کو جامع الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب اس

کے جسم، عقل، مال یا حال پر فساد کے اثر انداز ہونے کا ڈر ہو۔

(دوم) یہ خوف کہ بندہ اپنی مختلف ذمہ داریوں کو انجام نہیں دے پائے گا، جیسے اہل وعیال کا خیال رکھنا یا اس جیسی دیگر ذمہ داریاں، کہ بسا اوقات بعض اعمال میں مشغولیت ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مانع ہوتی ہے''۔(الموافقات: ۲/ ۱۳۶)

مشقت غیر معتادہ کے مذکورہ بالا پہلے نتیجہ کو ''دینی یا دنیوی فساد واقع ہونے کا خوف'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، زیر بحث قاعدہ میں امام شاطبیؒ نے یہی تعبیر اختیار کی ہے، دینی فساد یا خلل کا مطلب ہے: عبادات سے دوری، تشریعات کی بابت ناپسندیدگی، فرض کا تعطل، یا حرام کا ارتکاب، اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث میں ملتی ہے، مثلاً آپ ﷺ کا یہ فرمان: ''وہ اعمال اختیار کرو جو تمہاری استطاعت میں ہوں، بخدا اللہ نہیں اکتائے گا، ہاں تم اکتا جاؤ گے''۔(حوالہ گزر چکا)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، وہاں دوستونوں کے درمیان رسی بندھی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اس رسی کا کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے باندھی ہے، وہ نماز پڑھتی رہتی ہیں، تھک جاتی ہیں یا سست پڑ جاتی ہیں تو اس کو پکڑ لیتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس رسی کو کھول دو، جب تک نشاط رہے انسان نماز پڑھے، تکان یا سستی محسوس ہو تو بیٹھ جائے۔(حوالہ گزر چکا)

یہ بات حضرت معاذؓ کی ایک روایت سے بھی معلوم ہوتی ہے، حضرت معاذ کے لمبی نماز پڑھانے پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: معاذ! کیا تم فتنہ پرور ہو؟ فرمایا: تم میں سے بعض لوگوں کو دور بھگاتے ہیں، جو کوئی بھی لوگوں کو نماز پڑھائے مختصر پڑھائے، کہ مقتدیوں میں ضعیف، عمر دراز اور ضرورت مند سبھی ہوتے ہیں۔(مسند احمد: ۳/ ۳۰۸، بخاری: ۷۰۲، مسلم: ۴۶۶، ۱۸۲)

ان تمام احادیث سے ایسے تمام افعال کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے جو مکلف کے لئے

دینی فساد کا باعث ہوں یعنی اس کے اندر اکتاہٹ، تکان اور بے رغبتی کے احساسات پیدا کریں یا شریعت کے حکموں پر عمل کرنے سے اس کو روکنے کا ذریعہ بنیں، اسی لئے امام شاطبیؒ کا کہنا ہے کہ: ''اس سب کی معقول المعنیٰ علت مذکورہ احادیث کی روشنی میں طاعات کی جانب سے بے رغبتی، اکتاہٹ اور اس کے تئیں ناپسندیدگی اور کراہیت کے احساسات ہیں''۔

(الموافقات: ۲/ ۱۳۷)

اس بات کی تائید رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: ''یہ دین محکم ہے، اس میں کمال میانہ روی کے ساتھ حاصل کرو اور عبادت خداوندی کو اپنی نگاہوں میں مبغوض نہ بناؤ''۔ (مسند بزار کے حوالہ سے یہ حدیث مجمع الزوائد (۱/ ۶۳) میں نقل کی گئی ہے)

پر مشقت عبادات ادا کرنے کا انجام اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا ہے، آپ کا ارشاد: ''اور عبادات خداوندی کو اپنی نگاہوں میں مبغوض نہ بناؤ'' سے اس انجام کی مکمل وضاحت ہوجاتی ہے، اب تک کی گفتگو دینی نقصان یا خلل کے تعلق سے کی گئی تھی۔

دنیاوی خلل یا نقصان سے مراد مکلف کے جسم، مال یا حال کو پہنچنے والا نقصان ہے، اس کی صورتیں بہت ہیں، مثلاً کسی مریض کا ایسے احکام شرعیہ پر عمل کرنا جو اس کے مرض میں اضافہ کرے یا شفایابی میں تاخیر کا باعث ہو، جیسے مریض کے لئے روزہ، وضوء میں جس کو مشقت ہو اس کے لئے وضوء یا کسی ایسے شخص کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جو اس پر عمل نہایت مشقت کے ساتھ ہی کر سکتا ہو۔

یہ تمام صورتیں مکلف کے لئے خلل یا نقصان کا سبب بنتی ہیں، ہمیں علماء سلف کے یہاں اس کی رعایت ملتی ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نمازی کو ضعف ونقاہت ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے''۔ (البہوتی: کشاف القناع: ۱/ ۵۸۸)

اب تک کی گفتگو غیر معتاد مشقت کے پہلے نتیجہ کے متعلق تھی۔

غیر معتاد مشقت کا دوسرا نتیجہ مختلف حقوق کے مزاحم ہونے کے وقت کوتاہی کا اندیشہ ہے،

اس کا مطلب یہ ہے کہ مکلف احکام شرعیہ کی ادائیگی کا پابند ہے اور اس کے لئے ان احکام پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے؛ لیکن اگر کسی ایک حکم کی صحیح طریقہ پر عمل آوری دوسرے اعمال بالخصوص حقوق العباد (جیسے والدین، اہلیہ، اولاد، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق) کا خیال نہ رکھنے دے، اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ کے دیگر احکام میں کوتاہی کا مرتکب ہوتو ایسی صورت میں وہ سزاوار ملامت ہوگا اور اسے معذور نہ سمجھا جائے گا، کہ مکلف سے تمام احکام شرعیہ پر اس طور پر عمل کرنے کا مطالبہ ہے کہ کسی ایک کے نتیجے میں دوسرے احکام پر عمل پیرا ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ آئے اور اس کو کسی طرح کا نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ (الموافقات: ۲/ ۱۳۴)

یعنی غیر معتاد مشقت کے نتیجے میں حقوق کے باہم مزاحم ہونے کے وقت مکلف کی جانب سے کوتاہی پائی جاتی ہے۔

مشقت معتادہ کی قسمیں بیان کر کے امام شاطبیؒ نے اس سلسلے میں مزید وضاحت کردی ہے، اس لئے کہ کبھی کبھار کسی مشقت پر غیر معتاد ہونے کا گمان ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ مشقت معتادہ ہوتی ہے، اس سلسلے میں امام شاطبیؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ تمام معتاد مشقتیں ہم پلہ نہیں ہوتیں، فرماتے ہیں: ''فجر کی سنتوں میں ایسی مشقت نہیں پائی جاتی جیسے صبح (یعنی چاشت) کی دو رکعتوں میں پائی جاتی ہے، نماز کی مشقت روزہ کی مشقت جیسی نہیں اور روزہ کی مشقت حج کی مشقت جیسی نہیں، اور ان تمام عبادات میں پائی جانے والی مشقت جہاد میں پائی جانے والی مشقت سے مختلف ہے۔ یہی حال دیگر اعمال شرعیہ کا بھی ہے، ہر عمل کی اپنی مشقت معتادہ ہوتی ہے جو اس جیسے اعمال کی مشقتوں کے برابر ہوتی ہے، لہذا وہ بالجملہ غیر معتاد نہیں ہوتی''۔ (الموافقات: ۲/ ۱۵۶)

امام شاطبیؒ نے مزید یہ بھی واضح کیا ہے کہ مشقت معتادہ کی دو انتہائیں اور ایک معتدل یا درمیانی صورت ہے: ''بلند انتہاء یا درجہ کی مشقت وہ مشقت معتادہ ہے جو خود تو غیر معتاد نہ ہو؛ لیکن اس سے زیادہ مشقت پائے جاتے ہی مشقت غیر معتادہ ہوجائے گی، اور مشقت معتادہ

کی پست انتہا وہ ہے جو اگر کچھ اثر انداز ہو بھی، تو عمل (جس میں یہ مشقت پائی جائے گی) کی جانب مشقت کی نسبت نہیں کی جائے گی، اور ایک درجہ معتدل مشقتوں کا ہے، یہی زیادہ پائی جاتی ہے"۔ (ایضا: ۲/ ۱۵۷-۱۵۸)

مشقت معتادہ کی روشنی میں حدیث شریف کی تشریح:

مشقت کے سلسلے میں حضرت شیخ المشائخ نے بہت تفصیل سے مواعظ میں ذکر کیا ہے، اور مشقت معتادہ کو مثالوں سے سمجھایا ہے اور خود وظائف میں بھی اس کا لحاظ کرتے ہوئے لوگوں کو مختصر وظائف بتائے اور بھی دوسرے احکام میں مشقت اور سستی کا فرق بیان کرتے ہوئے بزرگوں کے واقعات بھی ذکر فرمائے۔

اگر سمجھ کر ہو تو ظاہر ہے جیسا میں نے بیان کیا تھا کہ اس کے قرب کی کوئی انتہا نہیں ہے، لیکن بغیر سمجھے پڑھنے سے بھی قرب حاصل ہوتا ہے، مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ سمجھنے کا کوئی درجہ نہیں ہے، ہمارے حضرت اس پر اکثر بیان کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے "والذي يقرأ القران و يتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران" (مشکوٰۃ: ۱۸۴) یعنی جو اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو عمدہ قاری ہے، ترتیل سے عمدہ پڑھتا ہے اس کو ثواب کم ملتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اٹک اٹک کر پڑھ رہا ہے اور اس میں جو محنت و مشقت اٹھا رہا ہے اس کا الگ سے ثواب مل رہا ہے، حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو روانی اور ترتیل سے پڑھ رہا ہے اس کو ثواب کم ملے گا، بلکہ یہ تو ترغیب ہے کہ ایک تو پڑھنے کا ثواب ملے گا اور ایک اٹک اٹک کر پڑھنے میں جو مشقت ہو رہی ہے اس کا ثواب ملے گا، اسی طریقہ سے بغیر سمجھے ہوئے تلاوت کرنا بھی مفید ہے جیسے کہ سمجھ کر پڑھنے والے کو فائدہ ہوگا، چونکہ ایک جماعت ایسی ہے جو یہ کہتی ہے کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ ہے، تو اس کے جواب میں کہا جاتا

ہے کہ نہیں بلا سمجھے بھی تلاوت کرنے سے ثواب ملے گا۔

بندوں کو مشقت کی نیت سے عبادت کرنے کے بجائے ثواب کی کثرت کی نیت کرنی چاہیئے:

ان جزاؤں کا استحضار بھی ہونا چاہیئے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہجہاں کے وزیر شیخ فرید کو لکھا کہ جس طرح اعمال کو مستحضر رکھتے ہو اس طرح جزاؤں کو مستحضر رکھو، تاکہ تمہارے اعمال میں اثر و نشاط پیدا ہو جائے اور اعمال کی طرف رغبت پیدا ہو جائے، جب جزائیں سامنے ہوں گی تو پھر عمل کرنے میں آسانی ہوگی، جیسے دوا کتنی ہی کڑوی ہو لیکن چونکہ معلوم ہے کہ اس کے استعمال سے کھانسی یا اور جو کوئی بیماری ہوگی وہ دور ہو جائے گی، آرام مل جائے گا، راحت ہو جائے گی تو پھر اس کو استعمال کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا، اس دوا کی کڑواہٹ برداشت کرتا ہے کیونکہ اس کی جزاء کو سامنے دیکھ رہا ہے، اس لئے کڑواہٹ کے باوجود اس دوا کو پی لیتا ہے، اس طریقہ سے میرے دوستو! جب کسی عمل کی جزا مستحضر ہوگی اور اس کو یقین ہوگا کہ اس عمل پر اللہ تعالیٰ مجھے یہ بدلہ عنایت فرمائیں گے تو پھر اس کا عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

اجرت بقدر مشقت ہوتی ہے:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ جزاء کو مستحضر رکھنے سے عمل کی طرف رغبت اور اس میں سہولت ہوتی ہے، مثلاً تراویح ہے، اس کو ادا کرنے میں کچھ نہ کچھ تو محنت و مشقت ہے ہی، جوانوں کو کم اور بوڑھوں کو کچھ زیادہ "**الاجرۃ بقدر المشقة**" یعنی اجرت بقدر مشقت ہوتی ہے؛ لیکن جب اس کا بدلہ اور ثواب مستحضر رہے گا تو پھر اس محنت و مشقت کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی، اور بالکل آسان معلوم ہوگی، چند دن کے لئے اگر ہم اپنی شہوات کو ترک کر دیں گے تو پھر

ہم اپنی مرضی و شہوت کے مطابق آخرت میں مزے کریں گے، کل میں نے کہا تھا کہ "چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات" یہاں خوب مزے کرلو، گل چھرے اڑا لو، ﴿ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ۝ ﴾(مرسلات:۴۶) (تم کسی قدر کھالو اور فائدے اٹھالو، بیشک تم گنہگار ہو) لیکن اگر تم یہاں کی شہوات کو ترک کردو گے تو پھر تمہارے لئے یہ کہا جائے گا "چار دن کی اندھیری اور پھر اجالی رات ہے" وہاں پر مزے ہی مزے ہوں گے، پھر تم سے کہا جائے گا ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (مرسلات: ۴۳) یعنی اپنے اعمال کے صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو۔

مشقت معتادہ وغیر معتادہ کی تشریح:

صلاحیت سب کے اندر ہے، یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ صلاحیت نہیں ہے بالکل غلط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اخلاق کی اصلاح کرنے کا، نفس کو پاک کرنے کا، دل کی اصلاح کرنے کا، اگر صلاحیت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا حکم ہی نہیں دیتا، لہٰذا ہر آدمی کے لئے اصلاح نفس فرض عین ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ قد أفلح من زكها ﴾ (شمس) فلاح پائی اس نے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی اس کو اخلاق ذمیمہ سے پاک صاف کیا، اس سے معلوم ہوا کہ سب کے اندر صلاحیت ہے کہ اس کے ذریعہ سے اپنے کو سنوار سکتا ہے، اپنے کو وہ درست کرسکتا ہے۔

اسی طرح تمام کفار عرب کے اندر صلاحیت تھی، نہ کہ صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اندر ہی صلاحیت تھی، لیکن اس صلاحیت کو کفار نے استعمال نہیں کیا، کسی کو خاندان مانع ہوا اور کسی کو اپنی امارت مانع ہوئی، کسی کو اپنا مال مانع ہوا، کسی کو کچھ مانع ہوا، کسی کو کچھ مانع ہوا، کسی کو کچھ، اس بنا پر کہ انہوں نے اپنے نفس کو جوں کا توں چھوڑا یعنی اصلاح میں ہاتھ نہ لگایا اور جہنم رسید ہوگئے اور جہنم کو قبول کرلیا لیکن نفس کی اصلاح کو گوارہ نہیں کیا۔

ایک صاحب نے ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب سے کہا کہ حضرت! جوذی استعداد عالم ہوتے ہیں وہ ادھر نہیں آتے، فرمایا کہ نہیں، بلکہ ادھر کی استعداد ان کو نہیں ہوتی، اس بناپر ادھر نہیں آتے، اس استعداد کو جو ادھر لانے والی ہے اس کو معطل چھوڑے ہوئے ہیں، الفاظ کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، اس لئے معانی میں آنا ہی نہیں چاہتے، غور کریں کہ جب ظاہری الفاظ پر محنت کرتے ہیں تو علوم و معارف کھلتے ہیں، تو جب باطنی امور پر محنت کریں گے تو کیا معانی واسرار نہ کھلیں گے؟

اس بناپر اس کی بھی اللہ نے استعداد دی ہے، اب اگر آدمی اس پر محنت کرتا ہے، اللہ کی طرف چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو نواز دیتے ہیں اور نہیں تو ویسے ہی مہمل کا مہمل رہ جاتا ہے، آپ دیکھ لیجئے دنیامیں کتنے لوگ ہیں، مواقع بھی ان کو حاصل ہیں لیکن بزرگوں کے پاس نہیں جاتے، ان سے کوئی تعلق وربط نہیں رکھتے، جس کی بناپر وہ استعداد دبی کی دبی ہی رہ جاتی ہے اورابھرتی نہیں۔

آپ لوگوں کو میں نے کل سنایا تھا کہ علامہ دہلان کیا تھے، کیاان کے اندر استعداد نہیں تھی؟ استعداد تھی لیکن ابھارنے کی ضرورت تھی، چنگاری لگانے کی ضرورت تھی، پھر اس کے بعد کتنے بڑے صاحب طریق ہوئے، سلسلہ والے ہوئے، کتنے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ کہاں سے کہاں پہنچادیا یعنی بہتوں کو صاحب نسبت و معرفت بنادیا۔

الٓمٓ میں عجیب علمی نکتہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سب سے پہلے الٓمٓ فرمایا جس سے یہ تعلیم دیا کہ ان حروف مقطعات کے معنیٰ و مطلب سمجھنے کے درپے نہ رہو بلکہ اس کے بعد کی

آیات کو اپنے علم کا جولا نگاہ بناؤ، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سکوت ہی کو سکھلایا ہے، نیستی کی تعلیم دی ہے، اس لئے کہ علم کی نیستی مال کی نیستی سے کم نہیں ہے، اس لئے کہ مال تو آدمی ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتا مگر علم کو تو خوب ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اب ایسی صورت میں کہا جائے کہ خاموش رہو، اپنی زبان بند رکھو، اس کو تسلیم کرنا معمولی بات نہیں ہے۔

مشقت کو مشقت کی نیت سے نہیں، ثواب کی زیادتی کے لیے کریں:

میرے دوستو بزرگو! غور فرمایئے! حضرت آدم علیہ السلام نے کتنی معرفت کی بات کہی ﴿ربنا ظلمنا انفسنا﴾ کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ہم کو تو آپ نے آگ سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا، لہٰذا ہم برتر ہیں، اس لئے سجدہ نہیں کریں گے، اس نے اللہ کے مقابلہ میں اپنی ایک رائے قائم کی، اللہ کے حکم کے سامنے ایک قیاس جاری کیا، اللہ کے صریح ارشاد کی اس نے مخالفت کی، چنانچہ اس کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ ہوا، اور آدم علیہ السلام اپنی غلطی کا اعتراف کرکے آگے بڑھتے چلے گئے، ترقی کرتے چلے گئے، خلعت خلافت سے نوازے گئے، ان کو کیا کچھ مرتبہ ملا... اللہ غنی ... کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، امتی نبی کے درجات کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔

مولانا عبدالحہ فرنگی محلیؒ نے کہا ہے کہ کسی نبی یا کسی ولی نے عافیت کے غیر کا سوال نہیں کیا ہے، سب نے عافیت کا سوال کیا ہے لیکن اگر اس کے باوجود مصیبت آئی ہے تو اس پر انہوں نے صبر وتحمل سے کام لیا، انبیاء کی سیرت یہی ہے، ان کا طریق یہی ہے کہ وہ بھی مصیبت کا سوال نہیں کرتے، کیونکہ مصیبت کو مانگنا بھی ایک دلیری کی بات ہے، یہ بھی ایک کبر کی بات ہے۔ مصیبت نہ مانگو، بلکہ یہ کہو کہ اے اللہ! ہم کو آزمائش سے بچائے رکھئے، ہم کمزور ہیں،

ہم ضعیف ہیں، ہم آزمائشوں کا تحمل نہیں کر سکتے، لیکن اگر کوئی مصیبت آ گئی تو پھر صبر وتحمل ہی کرنے میں فلاح ہے، اللہ کی طرف سے وہ چیز آئی ہے، اگر قبول کر لیتے ہو تو کیا کچھ اس کے عوض میں اللہ تمہیں دے گا، تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ عزیمت کی طرح رخصت کو بھی پسند فرماتا ہے، لیکن تتبع رخصت نہ ہو:

حدیث میں آتا ہے کہ **"ما یصیب المسلم من نصب ولا و سب ولا ہم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الأکف اللہ بھا من خطایاہ."** (مشکوۃ ۱۳۴) یعنی کسی مسلمان کو جب کوئی رنج، دکھ، فکر، حزن، ایذاء اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ دور کرتا ہے۔

حضرت عمار کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ان کی شرمگاہ پر برچھا مارا گیا تھا اور اس سے قبل کفار نے ان سے بہت کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دو، لیکن انہوں نے گالی نہیں دی اور کہا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا، آخر جب وہ نہیں مانیں تو ان کی شرمگاہ پر برچھا مار کر شہید کر دی گئیں، حضرت عمار انہیں کے لڑکے تھے، ان سے جب کہا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہو تو انہوں نے صرف زبانی طور پر برا بھلا کہہ دیا، اور پھر روتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے، کہا کیا غلطی ہو گئی؟ کہا؛ میں نے اپنی جان بچانے کے خاطر آپ کو برا بھلا کہہ دیا ہے، فرمایا تمہارے دل میں تو کوئی فتور نہیں تھا؟ کہا کہ نہیں، فرمایا کہ اگر پھر موقع آوے تو پھر کہہ دینا اور جان بچا لینا۔

علماء لکھتے ہیں کہ ماں نے عزیمت پر عمل کیا اور بیٹے نے رخصت پر عمل کیا، دونوں سنتیں جاری ہو گئیں، اگر کوئی ایسا موقع آجائے تو زبان سے کہہ کر اپنی

جان بچالے، یہ بھی سنت ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس پر بہت کلام کرتے تھے کہ یہ شریعت محمدیہ کی طرف سے رخصت ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں "ان اللہ یحب ان یوخذ بر خصه کما یحب ان یوخذ بعز ائمه" [کنز العمال ۳ ۳۴] کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عزیمت کو پسند کرتا ہے اسی طرح رخصتوں کو بھی پسند کرتا ہے، اس کا علم بھی بہت ضروری ہے۔

جزاء کے استحضار سے اعمال کا شوق بڑھتا ہے:

میں اس پر کہہ رہا ہوں کہ ان چیزوں کی بھی قدر کی ضرورت ہے، جس طرح اعمال کی قدر ہے، اسی طرح جزاؤں کو بھی پیش نظر رکھو، اعمال کا جیسے شوق ہونا چاہیئے، اسی طرح جزاؤں کی بھی امید ہونی چاہیئے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شیخ فرید کو لکھا جو شاہجہاں کا سب سے بڑا وزیر تھا کہ جس طرح اعمال کو پیش نظر رکھتے ہو ان کی جزاؤں کو بھی پیش نظر رکھو، مثلاً رمضان میں روزہ رکھنا ہے، تلاوت کرنا ہے، ذکر اور دعاؤں میں لگنا ہے، یہ سب تو ہے لیکن بعض دفعہ جزاؤں کا استحضار نہیں رہتا، جزاؤں کا استحضار رکھو گے تو اعمال کا ذوق وشوق اور بڑھ جائے گا۔ اس وجہ سے اعمال میں ذوق وشوق جزاؤں کے استحضار سے ہوگا۔

نیتوں کے اعتبار سے قصد عبد اور ریا کاری کی مثالیں

قصد عبد قصد شارع:

(قاعدہ) "عادات سے متعلق عمل کی صحت میں اس وقت کوئی شک نہیں ہوتا جب وہ مقاصد تابعہ کے موافق انجام پائے اور مقاصد اصلیہ بھی اس کے ساتھ پائے جائیں"۔

(الموافقات: ۲ / ۲۰۷)

قاعدہ کی تشریح وتفصیل:

اللہ سبحانہ وتعالی نے بندوں کو دوطرح کے اعمال کا حکم دیا ہے:(ا) نماز، روزہ، حج اور زکوۃ جیسے عبادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والے اعمال (۲) بیع، نکاح، لباس اور تمام مباحات جیسے عادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والے اعمال۔

اس وقت ہماری بحث کا موضوع عادی اعمال ہیں، تعبدی نہیں، مکلف اپنی ذاتی منفعت کے لئے اگر عادی اعمال کو انجام دے تو اس کا یہ عمل صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مقاصد اصلیہ اس کے ساتھ پائے جائیں۔

مقاصد تابعہ کے ساتھ مقاصد اصلیہ کا وجود ''کبھی تو بالفعل پایا جاتا ہے، مثلا مکلف یہ کہے کہ اس غذا، لباس، نکاح یا بیع وشراء کو شریعت نے میرے لئے جائز قرار دیا ہے، اور میں یہ عمل اسی لئے کرر ہا ہوں کہ شریعت کی جانب سے اس کی اجازت ہے'' اور کبھی ایسا بالقوۃ ہوتا ہے، مثلا: ''مکلف جائز عادی اعمال کرے، لیکن عمل کرتے وقت اس کو اس کے جائز ہونے کا خیال ہی نہ آئے، اس کے ذہن میں یہ رہے کہ اس عمل کے تبعی مقصد (ذاتی منفعت) تک وہ فلاں جائز راستہ سے پہنچ رہا ہے، اسی وجہ سے وہ ایک جائز کام کرے، ایسی صورت میں اللہ کے حکم کی تعمیل کے نتیجے میں مقصد اصلی بالقوۃ پایا جارہا ہے بالفعل نہیں''۔(الموافقات: ۲/ ۲۰۷)

اس طرح مکلف نے عمل عادی میں بھی مقصد تابع کا خیال رکھ کے ذاتی منفعت بھی حاصل کی، اور شریعت کے موافق عمل کر کے اللہ کے حکم کی تعمیل بھی، لہذا اس کا عمل صحیح ہے کہ وہ مقصد اصلی کے مطابق واقع ہورہا ہے۔

اس قاعدہ کے دلائل:

شاطبیؒ نے اس قاعدہ کے لئے مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے، ہم یہاں ان دلائل کا اجمالی تذکرہ کرر ہے ہیں:

(الف) عمل عادی میں مکلف کے لئے اگر اپنی ذاتی منفعت کا خیال رکھنا صحیح نہیں ہوتا،

تو مکلف کے لئے عادی عمل کو کرنا تبھی جائز ہوتا جب اس کا قصد محض حکم خداوندی کی تعمیل کا ہوتا، اور اس کے قصد میں کسی بھی طرح کی ذاتی منفعت کا دخل نہیں ہوتا، بلکہ مضطر کے لئے بھی اکل میتہ کھانے کی اجازت اسی وقت ہوتی جب وہ اس نیت کا استحضار کرتا اور صرف اسی مقصد سے عمل کرتا۔ (الموافقات: ۲/ ۲۰۸)

(ب) ''عادی اعمال میں ذاتی منفعت کے حصول کی خواہش اور مقصد تابع کی رعایت اگر ممنوع ہوتی تو یہ عادی اعمال روزہ، نماز اور زکوۃ جیسے تعبدی اعمال کے مثل ہوجاتے، یعنی ان میں بھی نیت اور حکم خداوندی کے امتثال کا قصد لازمی ہوجاتا، حالانکہ اگر کوئی شخص نکاح ریاء کے جذبہ سے یا اس لئے کرتا ہے کہ اس کا شمار پاک دامنوں میں ہو تو بھی اس کا یہ نکاح صحیح ہوجائے گا، اس لئے کہ نکاح میں نیتِ عبادت کی شرط مشروع نہیں ہے کہ ریاء کاری اور شہرت کی طلب اسے نقصان پہنچائیں، جب کہ عبادات میں محض تعظیم خداوندی کا جذبہ مقصود ہے''۔
(ایضاً: ۲/ ۲۲۲)

(ج) عادی اعمال میں ذاتی منفعت کی خواہش اگر صحیح نہ ہوتی تو قرآن وسنت میں ان کو نعمت خداوندی کے طور پر پیش کرنا صحیح نہ ہوگا، مثلاً اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا ﴾[روم:۲۱] (ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں؛ تاکہ تم ان سے آرام پاؤ)، ﴿ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ﴾[بقرہ:۲۲] (ترجمہ: جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی)، ﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ [قصص:۷۳] (ترجمہ: اسی نے تمہارے لئے اپنے فضل وکرم سے دن رات مقرر کردیئے ہیں؛ تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو) یہ اور اس طرح کی دیگر آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ذاتی منفعت کی طلب (جیسے زرق کی خواہش

،نکاح کے ذریعہ انس وراحت کی طلب) کو مقصد بنانا جائز ہے۔

اب تک کا کلام اس صورت سے متعلق ہے کہ عمل عادات یا عبادات کے قبیل سے ہو، اگر عمل کا تعلق عبادات سے ہو تو اس کا حکم اگلے قاعدہ سے واضح ہو رہا ہے۔

(قاعدہ) : **''عبادات سے متعلق عمل اگر مقاصد اصلیہ کے موافق ہو اور اس کے ساتھ مقاصد تابعہ پائے جائیں تو مقصد تابع کے بدلنے سے اس کا حکم بھی بدلے گا''۔**

قاعدہ کی تشریح:

اس قاعدہ کے الفاظ امام شاطبیؒ کے نہیں ہیں، بلکہ امام موصوف نے عبادات کے قبیل سے تعلق رکھنے والے عمل کا جو حکم اس صورت میں بیان کیا ہے کہ یہ عمل مقاصد اصلیہ کے موافق ہو اور مقاصد تابعہ بھی اس کے ساتھ پائے جا رہے ہوں، راقم نے اس سے اس قاعدہ کا استخراج کیا ہے، اپنے مطالعہ سے میں اس نتیجہ تک پہنچا کہ ایسے عمل کا حکم ساتھ میں پائے جانے والے مقصد تابع کے بدلنے سے بدلتا رہے گا۔

حکم کی اس تبدیلی کی تفصیل یہ ہے کہ: عبادات میں مقصد اصلی ہے محض اللہ سبحانہ وتعالی کی جانب توجہ اور اس کے لئے خشوع وخضوع، جب کہ وہ مقصد تابع جس میں ذاتی منفعت کا خیال رکھا جاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

(پہلی قسم) : ذاتی منفعت اخروی ہو، مثلا اللہ کی عبادت کوئی جنت کی طلب یا دوزخ سے بچنے کے لئے کرے، خود اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے مقربین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ (سجدہ:۱٦) (ترجمہ: اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں) تو ایسا عمل صحیح ہوگا، اس لئے کہ شریعت نے اس ذاتی منفعت کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس اخروی منفعت کا طالب اپنے عمل میں نہ حدود سے تجاوز کرتا ہے، نہ کسی مقصد اصلی کی مخالفت کرتا ہے اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، کہ وہ اس منفعت کی عبادت نہیں کر رہا؛ بلکہ اس ذات کی عبادت کر رہا ہے جس کے اختیار میں اس منفعت سے نوازنا

ہے۔(الموافقات:۲/ ۲۱۵-۲۱۶)

(دوسری قسم): مطلوب ذاتی منفعت دنیوی ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

(پہلی صورت): جس کے نتیجے میں ظاہری ہیئت درست ہو، لوگوں میں اس عمل کرنے والے کے لئے حسن ظن اور اس کے تئیں عقیدت پیدا ہو۔

(دوسری صورت): جس کا تعلق کسی دنیوی غرض سے ہو، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ غرض جو خود عامل کی ذات کے ساتھ خاص ہو، ریا کاری کی طلب ہرگز نہ ہو، دوسری قسم میں وہ دنیوی غرض آتی ہے جس میں ریا کاری ہوتا کہ اس عمل کے ذریعہ جاہ و مال حاصل کر سکے۔

اور اگر مقصد اصلی عمل میں راجح ہو اس طور پر کہ وہ پہلے تو اخروی ثواب اور رضائے خداوندی کا قصد کرے اور اس کے بعد عارضی طور پر تابع قصد پایا جائے، جو مرجوح ہو راجح نہیں، اس طور پر کہ اگر وہ نہ پایا جائے تو عامل عمل کو نہ چھوڑ دے، تو ایسا عمل معتبر و صحیح ہوگا، مقصد اصلی اور مقصد تابع دونوں کے ایک دوسرے پر غلبہ یا ایک کے ہی پائے جانے کا احتمال ہونے کی بناء پر اس کی چار صورتیں ہیں: (الاحیاء:۱۰/ ۱۲۴، صنعانی: سبل السلام: ۴/ ۱۸۶)

(پہلی صورت): مکلف کا مقصد اصلی حصول ثواب نہ ہو، بلکہ وہ عبادت ریا کاری کے جذبہ سے کرے، تنہائی میں نہ کرے، تو یہ ریاء کی سب سے زیادہ نامناسب صورت ہے، یہ تو گویا بندوں کی عبادت ہے۔

(دوسری صورت): مکلف ثواب کا قصد تو کرے؛ لیکن یہ قصد ضعیف ہو، اور مکلف کو فعل پر آمادہ ریا کاری نے ہی کیا ہو، ہاں اس نے ثواب کی بھی نیت کر لی ہو، تو یہ عمل بھی پچھلی صورت کی طرح باطل ہوگی۔

(تیسری صورت): دونوں مقصد برابر کے ہو، فعل پر مکلف کو آمادہ دونوں کریں، اس طور پر کہ دونوں میں سے کسی ایک مقصد کی بھی تکمیل نہ ہونے سے وہ عمل نہ کرے، ایسے مکلف کے قصد کو برابر صحیح و خراب کہا جائے گا۔ اس صورت میں غالباً نہ اس کو ثواب ملے گا نہ گناہ۔

(چوتھی صورت): یہ ہے کہ لوگوں کی اس کے عمل سے آگاہی اس کے نشاط میں اضافہ کرتی ہو، لیکن اگر لوگ آگاہ نہ ہوں تو وہ عبادت نہ چھوڑے۔

یہ صورت اس وقت ہمارا موضوع ہے، اس کی بابت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے: ''ہمارا خیال یہ ہے کہ ثواب مکمل طور پر حبط نہ ہوگا، ہاں اس میں کمی آجائے گی، یا ریاکاری کے بقدر سزا دی جائے گی، اور طلب ثواب کے بقدر ثواب دیا جائے گا''۔ (الاحیاء: ۱۰/ ۱۲۴)

نماز کی بابت کے اس قول کو بھی اسی نقطۂ نظر پر محمول کیا جائے گا، اگر کسی شخص نے نماز اس جذبہ سے پڑھی کہ لوگ اسے نماز پڑھتا دیکھ کر اس کے مسلمان ہونے کی گواہی دیں تو یہ ممنوع ریاء نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ اس نماز سے حکمرانی یا اپنی گواہی قبول کئے جانے کے لئے لوگوں کی نگاہ میں اپنا رتبہ ظاہر کرنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، گناہ والی ریاء تو یہ ہے کہ انسان نماز کا اظہار دنیا کے حصول اور اس سے متمتع ہونے کیلئے کرے، یہ نیت کافی نہیں ہے یعنی اس نیت کے ساتھ پڑھی گئی نماز کا اعادہ اس پر لازمی ہے۔ (ابن العربی: احکام القرآن: ۴/ ۵۱۱)

یعنی ابن العربی کے نزدیک باطل عبادت وہ عبادت ہے جس میں دنیوی غرض کا حصول ہی اصل مقصود ہے، رہی وہ عبادت جس میں مقصد تابع مرجوح ہو کر مخلوط ہو تو وہ باطل نہیں ہے، مقصد تابع کے مرجوح ہونے کا پتہ اس طرح چلے گا کہ مکلف اپنے مقصد تابع پر نظر ڈالے، کیا اس کے فوت ہونے سے عبادت کے استمرار پر کوئی اثر پڑے گا؟ اگر مقصد تابع کے فوت ہونے سے مکلف طاعت وعبادت کو چھوڑ دے تو پھر وہ مقصد اصلی پر راجح ہے، اس سے مرجوح نہیں۔

لیکن اگر مقصد تابع کے فوت ہونے کے باوجود وہ اپنی عبادت کا سلسلہ قائم رکھے تو پھر ایسا قصد مرجوح ہے اور وہ قصد اپنی اصلی حالت (تابعیت) پر ہی باقی رہے گا۔

اس سب کے بعد ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ عبادت کے ساتھ تابع مقاصد پائے جانے کی صورت میں حکم تابع مقصد اور اوپر کی گئی تفصیل کے مطابق عمل پر اس کے اثرات کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے۔

ہم عبادت کے ساتھ ان تابع مقاصد کے پائے جانے کی صورت میں عبادت کے صحیح ہونے کے لئے ان مقاصد کی بابت چند شرطیں لگا سکتے ہیں:

(الف) : یہ تابع مقاصد اصل مقصد سے مغلوب و مرجوح ہوں، یعنی تابع ہوں متبوع نہیں، دنیوی منفعت غالب نہیں مغلوب ہو۔

(ب) : مقصد تابع ایسا ہو جس کا عبادت کے ساتھ جمع ہونا ممکن ہو، ایسا نہ ہو جس کے پائے جانے سے عمل سرے سے باطل ہی ہو جائے، جیسے نماز میں کھانا، پینا، اور گفتگو کرنا، یہ مقاصد اگر چہ تابع ہیں لیکن عبادت کے نقیض ہونے کی بنا پر نا قابل قبول ہیں۔

(ج) : مقصد تابع ریاء کاری یا حب جاہ نہ ہو، کہ یہ مقاصد عبادات سے مقصود حقیقت (خضوع) کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

(د): مقصد تابع کے فوت ہونے سے ترک عمل لازم نہ آئے۔(الموافقات: ۲/ ۳۹۸) مثلا مال اور جان کی حفاظت یا لوگوں سے منفعت کے حصول کے لئے عبادت کرنے والا۔

یہ وہ عام ضابطے ہیں جو امام شاطبیؒ کے ذکر کردہ قواعد اور عام معانی کی روشنی میں مکلف کے قصد کو شریعت کے قصد سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔

قصد عبد کا قصد شارع کے مطابق ہونا ضروری ہے:

حضرت شیخ المشائخ نے نیت کی درستگی کے سلسلے میں کئی بیانات میں اخلاص کی تلقین کی ہے، اور ریا کاری، نام ونمود سے بچنے کی تلقین کی ہے، اسی طرح نجی مجلسوں میں جب لوگ نیتوں کے متعلق سوالات کرتے ہیں تو آپ مختلف اعتبارات کا لحاظ فرما کر جواب دیتے ہیں، مقاصد شرعیہ کی اس بحث کا تعلق تصوف واحسان سے بہت زیادہ ہے۔

میرے دوستو! حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ پاک نے کس بنا پر مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا، اس سے قطع نظر کرکے یہ سوچو کہ ہمارے لئے تو ان کی وجہ سے اتنی بڑی چیز حاصل ہو گئ، جس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ﴿و کذلك ننجی

المؤمنین﴾ (انبیاء) یعنی ایسے ہی ہم مؤمنین کو نجات دیتے رہیں گے، یہ صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں ہے، کسی چیز کے بارے میں اللہ نے ایسا وعدہ نہیں فرمایا، صرف اسی آیت کریمہ کے بارے میں کہا ہے کہ جس طرح اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات بخشی تو سارے عالم کے لئے قیامت تک کے لئے یہ نسخہ ہے کہ جب کوئی بھی مسلمان مصیبت میں گھر جائے تو اس کو پڑھے، اور دل سے پڑھے صرف رسمی نہیں تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نجات دے گا، ایک لاکھ اور پچاس ہزار مرتبہ پڑھنے سے کچھ نہیں ہوگا بلکہ دل سے پڑھنا ہوگا اور سمجھنا ہوگا کہ واقعی میں ظالم ہوں، واقعی میں گنہگار ہوں، خطاوار ہوں، جب کہیں جا کر اس کا پڑھنا کارگر ہوگا، یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو خطاوار سمجھ کر پڑھا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ظلمات وآفات سے نجات دیا، یہ نہیں کہ ایک لاکھ مرتبہ پڑھتے چلے جائیں اور اپنے کو سب سے متقی اور پرہیزگار بھی سمجھتے رہیں، اس سے کچھ نہیں ہوگا، اس بناپر باطنی کیفیت یعنی ظلم وزیادتی کے اقرار واعتراف کو اس کے ساتھ لگانا ہوگا تب نجات ملے گی، حضرت یونس علیہ السلام نے صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ دل کے استحضار کے ساتھ کہا تھا کہ اے اللہ ہم نے غلطی کی، آپ کے حکم کے بغیر ہم نے ہجرت کرلی۔

اور دیکھئے! اصلاح میں حضرت حکیم الامت کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، ایسا نہیں ہے کہ عامی کو تو ضابطہ کا پابند بنایا اور عالم کو نہیں، دیکھئے! ایک عالم تھے انہوں نے حضرت تھانویؒ کو عربی میں خط لکھا، بہت بڑے عالم تھے، حضرت تھانویؒ نے ان کو اردو میں جواب دیا کہ مفیض کو مستفیض سے اعلیٰ ہونا چاہئے، آپ عربی لکھنے پر قادر ہیں اور میں قادر نہیں ہوں، اس بناپر آپ کو مجھ سے کوئی فیض نہیں پہنچ سکتا۔

اصلاح قول وحال کی مختلف کوششیں:

بغیر قلب کی درستگی کے یہ ہاتھ پیر قابو میں آنے والے نہیں، ان کو قابو میں لانے کے لئے دل کی درستگی ضروری ہے، اس کے لئے ذکر و شغل ہے، جب آپ نوافل پڑھیں گے تو قرب حاصل ہوگا اور جب قرب ہوگا تب اس ہاتھ کو یہ مرتبہ ملے کہ بندہ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ یہ نہیں کہ معصیت کرتا ہے اور اللہ کا ہاتھ بن جائے، جب وہ معاصی سے بچے گا اور اپنے ظاہر و باطن کی حفاظت کا خوب خیال رکھے گا تو پھر ہاتھ پیر کی مجال نہیں کہ وہ دوسری طرف جائے اور نافرمانی کرے۔ زبان کی مجال نہیں کہ وہ غلط باتیں کہے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ اپنے قلب کی اصلاح کرلی جائے کیونکہ "الظاھر عنوان الباطن" جب باطن ٹھیک ہوگا تو وہ ظاہر پر اثر انداز ہوگا، دل پر کوئی اثر ہوتا ہے تو فوراً چہرہ پر اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں، اسی طرح معصیت کا بھی معاملہ ہے، جب قلب معصیت سے خالی ہوگا تو ان شاء اللہ اس کے ہاتھ پیر سب معصیت سے بچتے رہیں گے اور چہرے پر نورانیت ہوگی۔

قصد عبد کا قصد شارع کے موافق نہ ہونے کا وبال:

دیکھئے! یہ جو دل میں غرور اور فخر ہوتا ہے، اس کی بھی کچھ وجہ ہوتی ہے، کوئی اپنے مال پر فخر کرتا تو کوئی اپنے علم پر، مجمع البحار میں ہے "**إن للعلم طغياناً كطغيان المال**" جیسے صاحب مال کو مال سے طغیان ہوتا ہے ویسے ہی صاحب علم کو علم سے بھی طغیان ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ ایسے ہی عبادت میں بھی طغیان ہوتا ہے، عبادت کرکے بھی آدمی عجب میں مبتلا ہو جاتا ہے، دوسروں کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے، بس وہیں سے وہ تنزل کا شکار ہو جاتا ہے، اور اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ "**کم رأینا شیوخاً سقطوا**" بہت سے

مشائخ کو ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے مرتبے سے ساقط ہو گئے۔ اس لئے کہ جب ان کی نظر اپنے عمل پر ہوئی، اپنے مقام پر ہوئی، وہیں سے اللہ گرا دیتا ہے، پر آگے نہیں بڑھاتا، بلکہ پست فرماتا ہے پس ہم کو کیا حق ہے کہ ہم دعوائے کمال کریں بلکہ ہم کو تو فنا اور فروتنی اختیار کرنی چاہیئے، اس میں عافیت ہے۔

جب دل پر محنت ہوتی ہے تو......

بہر حال میرے دوستو بزرگو! یہ طریق ہے، طریق کے اندر حقیقت ہے، شریعت کے اندر حقیقت ہے ''له ظهر و بطن'' اس شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، قرآن کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، اللہ تعالیٰ کے بندے جب اپنے قلوب کو صاف کرتے ہیں تو قرآن کریم کے معانی ان پر منکشف کر دیئے جاتے ہیں، کھول دیئے جاتے ہیں، جب آدمی قرآن کریم کے الفاظ پر محنت کرتا ہے تو الفاظ کی روانی اس کے اندر پیدا کر دیتے ہیں اور جب دل پر محنت کرتا ہے تو قرآن کے معانی اس پر منکشف کر دیئے جاتے ہیں، یہ ظاہر اور باطن دونوں ضروری ہیں، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

احمد خستہ جان کیوں اتنا تو بے قرار ہے:

آج عصر بعد کی تعلیم میں جو رقت آمیز روایتیں سنائی جا رہی تھیں، ان کو سن کر میں ڈر گیا اور دل میں کہا کہ یا اللہ! ہم لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟ کیونکہ دن رات قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے میں ہم لوگ مصروف ہیں، پھر بھی نیت صحیح نہ ہو تو پھر کیا ہوگا!؟ یہ سوچ کر میں بہت زیادہ متاثر ہوا، مگر مجھے حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آگیا تو ذرا تسلی ہوئی،

احمد خستہ جان کیوں اتنا تو بیقرار ہے
وہم و گمان سے بھی سوا رحمت کردگار ہے

اللہ کی رحمت بہت بڑی ہے، بس آدمی کوشش کرے، سعی کرے، اللہ تعالیٰ نے جب علم دیا ہے تو امید ہے کہ وہ خیر ہی کا معاملہ فرمائے گا، لہٰذا نیت کی درستگی کا اہتمام کرنا چاہئے، اور حق تعالیٰ کی ذات سے ناامید بھی نہیں ہونا چاہئے، جب اللہ تعالیٰ نے ظاہری دین سے ہم کو متصف کیا ہے، کچھ پڑھنے پڑھانے کی توفیق دی ہے، تو پھر امید رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے کرم سے باطنی دین سے بھی ہم کو نوازیں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ لگا رہے، بہت زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اگر تھوڑی سی بھی توجہ رہے گی تو پھر اللہ تعالیٰ ضرور نوازیں گے۔

ریاکاری سے بھی کوئی کام کرے تو اسے روکو مت:

میرے دوستو بزرگو! ان چیزوں کو بھی سیکھنا ضروری ہے، میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کہیں آپ ان کو چھوٹی چھوٹی چیزیں نہ سمجھئے گا، یہ بہت بڑی چیزیں ہیں، انہیں سے اللہ کا یہ راستہ طے ہوتا ہے، آپ نے کوئی معمولی چیز اللہ کے راستہ میں دیدیا اور کسی کا دل خوش ہو گیا اور اس نے دعا دیا، بس آپ کا کام بن جائے گا، ابواللیث سمرقندیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ریاکاری سے بھی کنواں بنوائے، مسافر خانہ بنوائے، پل بنوائے تو اسے بنانے دو، کیونکہ کنواں اگر ریاکاری سے بنوادیا اور کسی مخلص نے اس سے پانی پی کر اسے دعا دے دیا تو اس کا تو کام ہی بن جائے گا، کیونکہ دعا دینے میں تو وہ مخلص ہے، اس وجہ سے کوئی ریاکاری سے کوئی کام کرے تو اسے روکو مت، اس وقت خلوص کی بحث زیادہ مت چھیڑ دو، اگر ایک دم سے خلوص کی بحث چھیڑ دوگے تو جو کرنے والا ہے وہ بھی نہیں کرے گا، ہو سکتا ہے کہ بعد میں اس کی نیت صحیح ہو جائے، ان چیزوں کا استحضار بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔

یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں لیکن اجر وثواب کے اعتبار سے بہت بڑی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت ابوذر غفاری نقل فرماتے ہیں کہ **"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا طبخت مرقة فاكثر ماءها و تعاهد جيرانك"** (رواہ مسلم، مشکوۃ :۱۷۱) جب سالن بناؤ تو ذرا شوربہ میں پانی زیادہ ملالیا کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال کیا کرو۔ ایک چھوٹا عمل اور کتنا بڑا ثواب، یہ چھوٹی باتیں کہنے میں ہیں لیکن درحقیقت اللہ کے نبی نے ان سب باتوں کی تعلیم دی ہے، اور اس پر پوری پوری کتابیں مدون ہیں، بخاری شریف، مسلم شریف اور احیاء العلوم وغیرہ سب اسی کے لئے تو لکھی گئی ہیں، دعا کیجئے اللہ تعالی ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، اخلاقیات اور آداب شرعیہ کو اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، ہمارے اندر جو رذائل اور بداخلاقیاں ہیں انہیں اللہ تعالی دور فرمادے اور اخلاقی اور عملی محاسن پیدا فرمادے۔

نیت ریا بھی شرک ہے:

بہرحال اپنے امراض کی فکر ہم کو خود کرنی ہوگی، ایسا تو نہیں کہ ہم نفاق میں مبتلا ہیں، ایسا تو نہیں کہ حسد میں ہم مبتلا ہوں، غور کرنا ہوگا آپ کو غور کرنا ہوگا، ریا تو نہیں ہے؟ **ان يسير الرياء شرك** (ابن ماجه ۳۹۸۹، كتاب الفتن، باب من ترجى له السلامة من الفتن) تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے، میں دیکھتا ہوں کہ اس کی طرف کے کام تو ہے لیکن اس کے ساتھ ریا بھی ہے، تم دوسروں سے اجر طلب کرنے کے کیوں طالب ہو؟

امام غزالیؒ کا ملفوظ:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے: **طلب الجاه بواسطة العبادات**۔ یہ ریا کی تعریف ہے، یہ کر رہا ہے عبادت، اور مقصود یہ ہے کہ لوگ ہم کو بزرگ سمجھے، **طلب الجاه**

بواسطة العبادات. یہ امام غزالیؒ لکھ رہے ہیں، جاہ کو طلب کرنا عبادات کے راستہ سے یہ ریا ہے اور ریا کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں **ان یسیر الریاء شرک.** (ابن ماجہ ۳۹۸۹) ریا جو ہے یہ شرک خفی ہے، ایک شرک جلی ہے، لا الہ سے اس کی (شرک جلی کی) بھی نفی کرنی چاہیے اور اسی لا الہ سے شرک خفی کی بھی نفی کرنی چاہیے، شرک جلی میں معبودیت میں آدمی شریک کرتا ہے اور شرک خفی میں مقصودیت میں شریک کرتا ہے، شرک جلی میں ایک معبود کو دس معبود بناتا ہے اور شرک خفی میں معبودیت میں شریک نہیں کرتا ہے لیکن مقصودیت یہاں کرتا ہے، خدا کیا ہے؟ مقصود بھی ہے اور خدا ہی ہے جو دینے والا بھی ہے، وہی معطیٔ حقیقی ہے اس وجہ سے مقصود بھی وہی ہے اور معبود بھی وہی ہے، جس طرح معبود میں شرکت منع ہے، مقصود میں شرکت منع ہے، معبودیت میں اگر شرکت کیا تو شرک جلی ہے اور مقصود میں شرکت کیا تو یہ شرک خفی ہے، کفر تو نہیں ہے؛ لیکن شرک تو وہ بھی ہے، حضور ﷺ خود فرمار ہے ہیں اس بنا پر ہم کو اپنے آپ میں غور کرنا چاہیے، ہم عمل بھی کر رہے ہوں اور اللہ کے نزدیک اس عمل کا کوئی درجہ نہ ہو، مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی وقعت نہ ہو، ہمارے عمل جو ہے سنت کے مطابق اگر ہے، خلوص کے ساتھ ہے تو ایک ذرہ ہمارا پہاڑوں کے برابر ہے، چنانچہ آتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صحابہ کا ایک مشت جو احد پہاڑ کے برابر ہے۔ (بخاری: کتاب فضائل الصحابة) اور ہمارا کیا ہے؟ احد پہاڑ کے برابر سونا ایک مشت جو کے برابر بھی نہیں ہے، اس بنا پر کہ خلوص نہیں، وزن خلوص سے پیدا ہوتا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ (حج: ۳۷)

تقوی سے وزن پیدا ہوتا ہے، سبحان اللہ وبحمدہ میں وزن ہے، جب

خلوص سے کہو گے، تب وزن آئے گا، خلوص سے پڑھو، اللہ تعالیٰ نے ہم سب لوگوں کو یہ موقع دیا، اس مہینہ میں اپنی اصلاح کریں، میں اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں، حضرت عمرؓ تشریف لے جارہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی دعامیں ہم کو نہ بھولئے گا، (أبو داود: کتاب الصلاۃ، باب الدعاء) ہم اگر کہیں تو کیا؟ اس بناپر بیماری بھی ایسی ہے کہ ہم تو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے ہم بیان کریں گے، کر سکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دیا۔ میں نے چلتے چلاتے اپنی عورتوں سے کہا، جو لوگ آئے ہیں میری بیماری سے غمگین معلوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ لوگوں کا حق ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آپ حضرات کے طفیل سے مجھے بھی کچھ نعمت عطافرمائے، اس بناپر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے، یہ قرآن پڑھا اسی کی تفصیل ہے، اسی پر مستقل بحث ہوگی۔

عمل کا مدار اخلاص پر ہے:

بہر حال یہ اخلاص تھا اور عمل کا مدار اخلاص ہی پر ہے، اخلاص کے بارے میں ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک بادشاہ تھا، وہ کہیں گیا گرمی میں، کسی چھپّر میں گس گیا، اس نے کہا بھائی مجھے بہت پیاس لگی ہے، وہ گیا ایک انار لے آیا اور نچوڑا، خوب بڑے گلاس میں دے دیا، پی لیا اس نے، اب دیکھئے بادشاہ کی نیت کہ بڑے مزہ میں یہ لوگ ہیں، ایک انار لے آیا نچوڑا اور پورا دے دیا، سیر اب ہوگئے، پس ان پر ٹیکس لگانا چاہیے، یہ نیت کرکے گیا، دوسری مرتبہ پھر آیا، تو کئی انار نچوڑے، تب بھی اتنا عرق نہیں آیا اس میں، تو اس نے کہا کہ کیا بات ہے بھائی! اس مرتبہ تو ایک انار تم نے نچوڑا اور پورا گلاس بھر گیا، اب کئی انار میں نہیں نکلا، کیا بات ہے؟ اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہی بادشاہ ہے اور اس نے کہا: ایسا لگتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کی نیت خراب ہو گئی ہے۔ برکت اٹھ جاتی ہے، ملکوں کی برکت اٹھ رہی ہے، بد

نیتی کی وجہ سے کوئی اطمینان نہیں ہے، میرے دوستو! فوراً اس کا اثر ظاہر ہوگیا، اب بھی ظاہر ہوتا ہے، مگر جب ہمارا اور آپ کا ذہن ان کی طرف رہتا ہے، کتنے نیک نیت لوگ تھے پہلے، نیتوں کی برکت سے ان کو برکات ملتی تھی، ثمرات ملتے تھے۔

ایک عالم دین کی اصلاح:

میرے دوستو! ایک عالم آدمی تھے، بہت بڑے تھے، انہوں نے لکھا احتیاج اور افتقار پر مقفع عبارت، انہوں نے کہا ہے کہ احتیاج اور افتقار دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، تو کہا کہ جاؤ کہہ دو ان سے یہ جگہ دل کو درست کرنے کی ہے، زبان کو درست کرنے کی جگہ نہیں ہے، اصلاح کر دیا، جواب بھی نہیں لکھا اس پر، مقصد کو بتلایا ہے، یہ خانقاہیں تربیت اخلاق کے لئے ہیں، تزکیت نفوس کے لئے ہے۔ ایک صاحب کو میں نے کہا، بہت بڑے، ان کا نام آپ لوگ جانتے ہیں لیکن میں کہوں گا نہیں، میرے ساتھی تھے وہ تو چلے گئے تھے، پھر آئے، میں نے کہا مولانا رہو، یہاں پر لکھو، پڑھو، دیکھو کتنے مواقع ہیں، تو اس پر مجھ سے کہا، ہمارے حضرت نے کہ آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ رہو، اصلاح کرو، اپنے نفس کی، تم نے یہ کیوں کہا؟ ہماری خود پکڑ ہو گئی، ہم سمجھے ہم نے بڑی عمدہ بات سے سمجھایا ہے ان کو، ان کو رہنا ہی نہیں ہے۔

کبر عدم علم کا دروازہ ہے:

دوستو! اصلاح نفس بہت بڑی چیز ہے، بنیاد اسی پر ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ (شمس: ۹، ۱۰) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ (اعلیٰ: ۱۴، ۱۵) اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے، اس کی اہمیت سمجھ میں بھی آجائے۔ آپ لوگوں نے سنا ہوگا مستحیی اور متکبر علم حاصل نہیں کر سکتا، امام

بخاریؒ نے کہا ،ہمارے حضرت کہتے تھے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ مستحیی جو کسی کے سامنے جھکے نہیں وہ مستحیی نہیں ہے بلکہ وہ بھی متکبر ہے، تو ایک ہی چیز ہوئی ، جو حیاء مانع استفادہ ہو وہ حیاء مذموم ہے محمود نہیں ہے۔حیاء کا بھی موقع ہوتا ہے جو تم کو جھکنے سے مانع ہو جائے اہل علم کے سامنے یہ حیاء محمود نہیں ہے۔ہمارے بزرگوں کے یہاں ان چیزوں کا بہت زیادہ خیال تھا۔

باغ لگانے والے کی نیت:

کسی نے باغ لگایا تو حضرت تھانویؒ نے پوچھا کہ یہ باغ کیوں لگایا آپ نے ؟تو ان صاحب نے کچھ کہا ہوگا، حضرت تھانوی نے فرمایا کہ یہ نیت کیجیے کہ لوگ باغ کے سائے میں آئیں گے ٹھہریں گے اور سکون حاصل کریں گے، کہا کہ یہ ٹھیک ہے۔ ایک تو یہ نیت ہے کہ پانچ درخت آم کے لگوادیے ،خوب آم آئیں گے اور خوب کھائیں گے، بعض لوگ یہ بھی نیت کرکے رکھتے ہیں کہ غریب کو دیں گے نہیں، اگر آئے گا بھی تو اس کو مار کر بھگا دیں گے۔اور ایک نیت یہ بھی ہے کہ یہ باغ ہیں،اس میں سے پھل آئیں گے، اس کو لوگ کھائیں گے، اس کے سائے میں بیٹھیں گے۔ثواب ملے گا کہ نہیں ؟

حضرت مولانا سمرقندی کی نصیحت:

اسی طرح علماء نے لکھا ہے، مولانا سمرقندی ایک بہت بڑے آدمی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ریاء کاری سے بھی کوئی باغ یا چشمہ یا کنواں کھدواتا ہے تو کرنے دو ، سمرقندی نے لکھا ہے ہم لوگوں کو سنایا حضرت کی مجلس میں جو ابھی تک یاد ہے۔اگر کوئی ریاکاری سے کام کر رہا ہے، کوئی ریاکاری سے چیز لگا رہا ہے تو لگانے دو، کہا:اس نے ریاکاری سے لگایا؛ لیکن جس کو آرام ملا اس نے دعا دیا، یا اللہ اس اے ،سی (A.C.) لگوانے والے کو اجر و ثواب دے تو

اس کو ثواب ملے گا کہ نہیں ؟وہ ریاکار ہے لیکن یہ دعا کرنے والا تو مخلص ہے۔ کتنی عمدہ بات ہے،اسی لیے کبھی کسی پر طعن تشنیع نہ کرو۔

سعی اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو:

میں نے کہا کہ دیکھیے اللہ کا شکر ہے، سعی دونوں طرف سے ہے، ان کی بھی سعی دوڑ دھوپ ہے اور ہماری بھی سعی دوڑ دھوپ ہے، لیکن بون بعید ہے کوئی نسبت نہیں ہے۔ایک آدمی جمعرات کو جاتا ہے جدہ سے طواف کرنے کے لیے ،عمرہ کرنے کے لیے اور ایک آدمی مکہ سے آتا ہے جدہ شراب پینے کے لیے۔ دوڑ دھوپ تو دونوں کی ہے لیکن ایک جدہ سے مکہ جا رہا ہے اچھی نیت سے اور دوسرا مکہ سے جدہ جا رہا ہے بری نیت سے۔دونوں کی گاڑی اگر ٹکرا جائے دونوں مر جائے تو نتیجہ کیا ہو گا ظاہر ہے۔اس بناء پر اپنی ہر حرکت ،ہر سکون میں اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کو طلب کرنا چاہیے کہ یا اللہ ہمارا سکون میں رہنا یہ بھی آپ کے لیے ہے، اور چلنا پھرنا یہ بھی آپ کے لیے ہے۔اس بناء پر ہم اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ دین کی باتوں کو سننے سنانے کے لیے یہاں جمع ہوتے ہیں۔

نیت کی بڑی حیثیت:

اس بناء پر اللہ تعالی نے فرمایا: اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى (لیل:۴) کہ دوڑ دھوپ ہے، سڑک پر چلے جایئے ہم بھی آ رہے ہیں، وہ بھی آ رہے ہیں جا رہے ہیں، کوئی تربوز خریدتا ہے گرمی میں کھانے کے لئے اور کوئی مریض کے لیے،وہ بھی خرید رہا ہے،ہم بھی خرید رہے ہیں ،اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى کوششیں مختلف ہیں اور ان سب کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ عطاء فرمائیں گے ۔ نية المؤمن خير من عمله. (شعب الایمان:۵/۳۴۳،رقم:۶۸۰۷) مؤمن کی نیت کی بڑی حیثیت ہے۔بڑی عظمت و وقعت ہے۔

بہر حال یہ ذہن میں بات آئی تھی، میں نے آپ حضرات سے عبرت و نصیحت کے لیے عرض کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس طریق پر لگایا ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، یہ راستہ متیقن ہے موہوم نہیں ہے۔ جو اس پر چلے گا پہنچے گا اللہ تعالیٰ کی طرف، کیونکہ یہ سنت کا راستہ ہے اور سنت کے راستے پر چل کر کوئی شخص گمراہ نہیں ہوا ہے۔

برصراطِ مستقیم کسے گمراہ نیست

جو سنت کے راستے پر چلتا ہے وہ گمراہ نہیں ہے۔اس بناء پر اس کی عظمت سمجھانے کے لیے میں نے یہ بیان کر دیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا اخلاص:

آپ کو معلوم ہے حضرت شیخ الہند اسیر مالٹاؒ نے بیان کیا تھا ایک دن، ایک مرتبہ رو رہے تھے، حضرت مدنیؒ گئے کہا حضرت کیوں رو رہے ہیں ؟ کیا یہ جو خبر اڑی ہے کہ کل پھانسی ہو جائے گی ہم لوگوں کی، اس پر رو رہے ہیں ؟ کہا کہ اس پر نہیں رو رہا ہوں میں، بلکہ اس بات پر رو رہا ہوں کہ ہماری جان بھی چلی جائے اور اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے قبول بھی نہ کرے تو ؟ اس پر رو رہا ہوں، یہ ہے اخلاص کہ اپنے کام پر نگاہ نہیں ہے اپنے اخلاص پر نگاہ ہے۔اللہ کو پسند آئے یا نہ آئے، ہمارا قتل ہونا بھی اللہ کو پسند آئے یا نہ آئے ؟ (اس پر نظر تھی ان حضرات کی)

اس بناء پر اپنے اکابر کی سیرت کو پیش نظر رکھیں گے تو ان شاء اللہ ترقی کریں گے، ان شاء اللہ روشنی آپ کو ملے گی۔اس بناء پر ان چیزوں کی طرف بھی التفات بہت ضروری ہے اور خانقاہوں کا یہ ہی مقصد ہے۔سیرت سلف کا مطلب ہی ہے کہ نماز میں ان کی کیا سیرت تھی ؟ معاملات میں ان کی کیا سیرت تھی ؟میں نے تو بہت لکھا ہے، اقوال سلف میں یہی چیزیں لکھا ہوں، اللہ

تعالیٰ مجھے بھی عمل کی توفیق دے اور آپ کو بھی۔

نفاق سے دوری اخلاص کی سیڑھی ہے:

مولانا ظہیر الحسن صاحب بہت بڑے عالم تھے خانقاہ کے وہ تھے۔ پہلے تو وہی تھے اب ان کے لڑکے ہیں۔ کہا کہ یہ شخص ویسے ہیں جن کو ہم نے حضرت تھانوی کے زمانہ سے اخلاص ہی پر بحث کرتے سنا ہے اور آج بھی وہی بحث جاری ہے ان کی۔ حضرت تھانوی کے زمانہ میں بھی وہی اخلاص وہی اخلاص۔ تھانویؒ کا نام نہیں لیا شروع سے کہا کہ شروع سے۔ اخلاص کی بڑی قدر تھی، ہم لوگوں کو جلالین وغیرہ بالترتیب نہیں پڑھایا، کہا جو نفاق کی آیتیں ہیں پہلے وہ پڑھو۔ نفاق سے نفرت آجائے گی تو اخلاص آجائے گا۔ ہم لوگ جلالین پوری پڑھے ہی نہیں۔ فرمایا کہ ہر وقت نگاہ اسی پر رہتی تھی کہ ہدایت ان لوگوں کو مل جائے، اخلاص مل جائے، نفاق سے دوری ہو جائے۔ ہر وقت یہ ہی حال ہے، بالکل عجیب و غریب قسم کے آدمی تھے۔ کتابیں ختم نہیں ہوتی تھی۔ جلالین پڑھائی ہی نہیں، کہا چلو کشاف پڑھ لو۔ کشاف میں جلالین بھی آہی جائے گی، بس اب جو کہو ہم لوگ تو کرنے کو تیار ہی تھے، کبھی روح المعانی کا مقدمہ پڑھو۔ اب روح المعانی کا مقدمہ مولوی صاحب شرح جامی پڑھنے والا کیا پڑھ سکتا ہے۔ ہم ہی کو پڑھنا پڑتا تھا اور ہمیں کو مار کھانا پڑتا تھا، جو پڑھے گا وہی تو مار کھائے گا۔ اب ظاہر ہے شرح جامی کا طالب علم اور روح المعانی کا مقدمہ، بہت مشکل ہے، دیکھیے گا تب معلوم ہوگا۔ کہتے تھے کہ مطالعہ نہیں کیا انہوں نے ؟ ارے مطالعہ ؟ دیکھیں گے تب بھی آپ کے سامنے ہم لوگ بھول جائیں گے۔

نفاق سے ڈرنا مخلص ہونے کی علامت:

صحابہ کرام سترہ یا انیس صحابی ایسے تھے، جو اپنے اوپر نفاق کا شبہ ظاہر کرتے

تھے، نفاق تو کفر ہے، حضرت عمرؓ حضور کے جو راز دار صحابی حضرت حذیفہ بن یمان تھے ان سے فرماتے تھے کہ بتلاؤ! تم حضور کے رازدار ہو، میرے متعلق حضور کو نفاق کا شبہ تو نہیں ہے؟(مسند بزار:۷/۲۹۳، رقم:۲۸۸۵) اتنا بڑا شبہ حضرت عمر کو (خلیفہ راشد کو)، مخلص کی علامت یہ ہے کہ نفاق سے ڈرتا ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ اخلاص کا دعوی کرتا ہے، ہم سبھی کو ڈرنے کی بات ہے، خواجہ معصومؒ پر کیا مصیبتیں تھیں وہ تو نہیں معلوم؛ لیکن ایک مصیبت تو یہی ہے کہ ان کے والد جیل میں تھے، سالہا سال سے جیل میں تھے، اجین کی جیل میں تھے، مولانا علی میاںؒ نے لکھا ہے کہ گوالیار کی جیل میں تھے، بہت شبہ ہوتا ہے؛ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ مولانا عبد الشکور صاحب نے لکھا ہے کہ اجین کی جیل میں تھے اور اجین گوالیار کا ایک حصہ ہے، تو مولانا علی میاںؒ نے گوالیار جو لکھا ہے وہ صوبہ کے اعتبار سے اور انہوں نے لکھا قصبہ کے اعتبار سے، اجین دیکھا ہے میں نے، اندر نہیں گیا لیکن دیکھا ہے۔

تتبع رخص واتباع ھویٰ

قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں جہاں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہیں اتباع ہویٰ سے بار بار منع فرمایا گیا، اسی لئے حضرات فقہائے کرام احکام میں اتباع ہویٰ کے سخت مخالف ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ جس مسئلہ میں جس امام کے مسلک پر عمل کرنا چاہے کر سکتے ہیں تو وہ دین کو کھلونا بنا دیں گے؛ لہذا اتباع ہویٰ سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ عوام کو امام واحد کی تقلید کا پابند کیا جاوے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے فتاوی (ج:۲،ص/۲۴۰) میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص خواہشات کی پیروی کرنے کیلئے ائمۂ مجتہدین کے مذاہب تلاش

کرتا ہے اور اپنی خواہش پر عمل کر کے اس کو کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے، تو وہ خدا تعالی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متبع نہیں؛ بلکہ متبع ہویٰ ہے، **لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح الذریعة ان یکون التحریم والتحلیل بحسب الاھواء.** اسی طرح کتاب المیز ان میں بھی ہے: ص/ ۲۸۔

شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے اختیار کرے، تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کرے گا کل دوسرے مسلک پر، اور اس طرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔ (البلاغ، مفتی شفیع صاحب نمبر: ۴۱۹)

المسودة لابن تیمیہ میں ہے: **لو اخذت برخصة کل عالم اجتمع فیک الشرکة، وفی المعنی آثار عن علی وابن مسعود ومعاذ وسلیمان. وفیه مرفوعًا عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعن عمر.** (المسودة: ص/ ۴۲۳)

علامہ شوکانی تتبع رخص کے بارے میں فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر مقلد ہر مذہب کے آسان قول کو اختیار کرے تو ابواسحق مروزی کہتے ہیں کہ اسے فاسق قرار دیا جائے گا، ابن ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ فاسق قرار نہیں دیا جائے گا، امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبیذ کے مسئلہ میں اہل کوفہ (حنفیہ) کے قول پر اور سماع موتی کے مسئلے میں اہل مدینہ کے قول پر اور متعہ کے مسئلہ میں اہل مکہ کے قول پر عمل کرے تو وہ فاسق ہو جائے گا، اور حنابلہ کے قاضی نے خاص طور پر مجتہد کو فاسق قرار دیا جب کہ مجتہد کا اجتہاد رخصت تک نہ پہونچے اور عامی جو اس مسئلہ اور رخصت میں اس مجتہد کی اتباع کر لے، حالانکہ وہ اس مسئلہ میں تقلید کی وجہ سے اتباع نہیں کر رہا ہے؛ (بلکہ تتبع رخص کی خاطر ایسا کر رہا ہے) تو چونکہ اس اتباع کی وجہ سے اس نے اپنے فریضہ تقلید میں کوتاہی کی، اس لئے فاسق قرار پائے گا، ہاں! اگر عامی تقلید کرتے ہوئے رخصت پر عمل کرے تو اسے فاسق نہیں قرار دیا جائے گا؛ کیوں کہ

اس نے اس شخص کی تقلید کی جسے اجتہاد کا حق ہے، اور ابن عبدالسلام نے کہا کہ اس کے فعل کو دیکھا جائے گا، چنانچہ اگر اس نے ایسا کام کیا جس کا شریعت میں حرام ہونا مشہور رہے تو وہ گنہگار ہوگا ورنہ نہیں"۔(ارشاد الفحول: ۲۷۳،مباحث فقہیہ: ۱۷۴)

حضرت قاضی مجاہدالاسلام فرماتے ہیں:

عام فقہاء کے درمیان جو مذہب مشہور ہے وہ تتبع رخص کا جائز نہ ہونا ہے؛ حتی کہ بعض حضرات نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ تتبع رخص کا محرک تشہی اور اتباع ہویٰ ہے، جسے کتاب وسنت نے صراحۃً حرام قرار دیا ہے، اور فقہاء کا بھی اس کی حرمت پر اتفاق ہے، اس کے علاوہ اگر ہم تتبع رخص کو مباح قرار دیں تو تکلیف ہی باقی نہیں رہے گی ؛ حالانکہ شریعت نے انسان کو ایسے احکام کا مکلف بنایا ہے جو اس کے نفس پر گراں ہوں۔

امام شاطبیؒ الموافقات فی اصول الشریعۃ میں لکھتے ہیں:

"تتبع رخص خواہشات نفسانی کی طرف مائل ہونا ہے، اور شریعت اتباع ہویٰ سے روکتی ہے؛ لہٰذا یہ اس متفق علیہ اصول کے خلاف ہے"۔

تتبع رخص کو مطلقا مباح قرار دینے کا دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ دین لوگوں کے ہاتھوں کھلونا ہوجائے گا، اور اگر یہ مرض اسلامی معاشرے میں عام ہوجائے تو فسق وفجور اور لاقانونیت عام ہوجائے گی اور شریعت کے مصالح بلکہ اس کے بنیادی مقاصد معطل ہوکر رہ جائیں گے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ فریقین کے تفصیلی دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں جس قول کی طرف میرا رجحان ہے اس میں قدرے تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ تتبع رخص عام حالات میں تشہی، لہو ولعب اور خواہشات کی پیروی کی بنیاد پر ناجائز ہے، ہاں! اگر کسی خاص مسئلہ میں عذر یا مرض کی ضرورت کی بنیاد پر ہو تو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، وہ تتبع رخص جس کے ممنوع ہونے پر بعض حضرات نے اجماع کا دعوی کیا ہے وہ یہ ہے کہ

انسان ہر مسلک میں سے اس قول کو اختیار کرے جو اس کے لئے آسان ہو اور یہ کسی واقعی عذر اور ضرورت کے پیش نظر نہ ہو؛ بلکہ محض خواہش نفس کی پیروی میں ہو؛ کیوں کہ اگر اس کا دروازہ کھول دیا جائے تو یہ شریعت کے احکام سے آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا، اور دین کھلونا اور مذاق بن کر رہ جائے گا، تتبع رخص کی اس قسم میں یہ صورت داخل ہے کہ انسان تشہی اور لہو ولعب کی غرض سے مختلف مسائل میں مختلف فقہاء کے اقوال اختیار کرے، مثلاً: ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا، لیکن اسے اندیشہ ہوا کہ اس جرم کی بنیاد پر اس پر حد زنا قائم کی جائے گی، اس لئے اس نے ولی اور گواہ کے بغیر اس عورت سے شادی کر لی اور اس نے بالغہ عورت کے نکاح کی صحت کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرلیا جو بالغہ کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری قرار نہیں دیتے، اور گواہ کے بغیر نکاح صحیح ہونے کے سلسلہ میں امام مالکؒ کا قول اختیار کرلیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تتبع رخص کی یہ صورت شریعت کے ساتھ کھیل اور مذاق ہے، جسے کوئی فقیہ تو کیا؛ کوئی صاحب عقل انسان بھی گوارہ نہیں کرسکتا، اور فقہاء عقل ودانش کے لحاظ سے تمام لوگوں سے فائق اور شریعت کے مقاصد سے سب سے زیادہ واقف ہیں، وہ بھلا اس کی اجازت کیوں کر دے سکتے ہیں؟! اور جہاں تک خاص حالات میں رخص مذاہب سے استفادہ کی بات ہے مثلاً: زوج مفقود الخبر کے مسئلہ میں، اور بعض دوسرے مسائل میں فقہاء حنفیہ نے امام مالکؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، اسی طرح فقہاء شافعیہ نے فقہ مالکی اور فقہ حنفی کے بعض اقوال کو اختیار کیا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور یہ بات کسی طرح مناسب نہ ہوگی کہ ہر مکلف کو اس کی رخصت دی جائے کہ وہ اپنی زندگی کے مسائل میں اپنی خواہش کے مطابق جس قول کو چاہے اختیار کرے، یہاں تک کہ وہ ایک دن کسی مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرے، اگر اس سے اس کی غرض پوری ہوتی نظر آئے، اور پھر کل بعینہ اسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول اختیار کرلے، کیوں کہ دوسرے دن امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنے سے اس کا مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے، اور یہ بات مخفی نہیں کہ

اتباع شریعت میں تکلیف ہوتی ہے اور مشقتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، لہٰذا شریعت کا کوئی حکم مشقت سے بالکلیہ خالی نہیں ہوسکتا بلکہ ہر حکم شرعی میں کچھ نہ کچھ مشقت ہے، ہاں! یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا، پس حرج، مشقت اور تنگی کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں ائمہ کے اقوال میں آسان قول کو اختیار کرنے کے سلسلے میں کوئی ضابطہ مقرر کردیا جائے، تاکہ تباہ کن اباحت پسندی اور دین سے متنفر کرنے والی تنگی دونوں کا سدباب ہوسکے، اس سلسلہ میں درج ذیل اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ''**الامر إذا ضاق اتسع**'' مشہور فقہی قاعدہ ہے، اس کی رو سے جب کسی مسئلہ میں تنگی پیدا ہوگی تو شریعت اس تنگی کو دور کرکے وسعت پیدا کرے گی، تو جب کسی مبتلی بہ کو کسی امر میں ایسی تنگی، حرج اور دشواری پیش آئے، جسے وہ برداشت نہیں کرسکتا تو ایسی صورت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرے جس میں دفع حرج و مشقت ہو۔

(۲) لیکن اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ ان ارباب علم وذکر اور اصحاب فتوی سے رجوع کرے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں، اور ورع وتقویٰ کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے دین کی اساس اور بنیاد سمجھے جاتے ہوں، تاکہ وہ خواہش نفس اور شیطان کے مکروفریب کا شکار نہ ہو، کیوں کہ ایک عامی انسان بسا اوقات ضرورت اور اتباع ہویٰ کے درمیان فرق نہیں کرسکتا ہے۔

(۳) اس پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب سے تجاوز نہ کرے جو صدیوں سے مدون اور منقح صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں اور جن پر زمانہ قدیم سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے! کیوں کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے مذاہب جو فقہی کتابوں کے ذخیروں میں منقول ومذکور ہیں وہ عام طور پر ثقہ راویوں کی روایت سے مروی نہیں ہیں اور ثقہ علماء فقہاء کی زبانی

ہر دور میں تواتر کے ساتھ نقل نہیں ہوئے ہیں، اسی طرح وہ شرائط اور قیود بھی ہمیں معلوم نہیں ہیں جو ان کے نزدیک معتبر رہی ہوں گی۔

(۴) لیکن اگر مسئلہ عموم بلوی کی وجہ سے اجتماعی ہوگیا ہو یا ایسا مسئلہ جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی یا نئے عرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، خاص طور پر لوگوں کے معاملات، مثلاً: تجارت، صنعت و حرفت اور تجار، صنعت کار اور اہل پیشہ کی عادات سے متعلق ہو، خصوصاً بین الاقوامی معاملات میں، تو ایسی صورت میں علماء راسخین اور اصحاب تقویٰ فقہائے کرام پر لازم ہے کہ وہ ان مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل شریعت کے مقاصد اور قواعد کلیہ کی روشنی میں نئے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ تلاش کریں اور ان کے لئے ائمہ ہُدیٰ میں سے کسی ایک کے قول سے دوسرے کے قول کی طرف درج ذیل شرطوں کے ساتھ عدول کرنا جائز ہے:

(۱) دوسرا قول شاذ نہ ہو۔

(۲) نص سے ٹکراتا نہ ہو۔ (مباحث فقہیہ: ۱۸۲)

حضرت داودؑ کے قصہ میں حضرت تھانویؒ کی تحقیق:

سورۃ: صٓ کے دوسرے رکوع میں حضرت داود علیہ السلام کے پاس ان کے عبادت خانے میں دیوار پھاند کر اہل مقدمہ کے آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور قصے کہ اخیر میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ﴾ فَتَنّٰهُ کی تفسیر میں قول مشہور کسی عورت سے نکاح کرنے کے واقعہ کو محققین نے باطل قرار دیا ہے اور بعض نے داود علیہ السلام کا ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾ بلا تحقیق کہہ دینا اس کی تفسیر میں کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی گستاخیوں پر غصہ آ گیا تھا، اس سے استغفار کیا، مگر غصہ آنا ثابت نہیں کر سکتے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ داود علیہ السلام کے صبر و تحمل کا امتحان مقصود تھا کہ آیا زور سلطنت میں متواتر گستاخیوں پر دارو گیر کرتے ہیں یا غلبۂ نور نبوت سے عفو فرماتے ہیں،

چنانچہ اس میں صابر ثابت ہوئے؛ لیکن انبیاء کی جلالت شان عدل کے جس درجۂ علیا اور ذروۃ قصویٰ کو مقتضی ہے اس سے بظاہر ایک گونہ بعید اتنا خفیف سا یہ امر پیش آ گیا کہ بعد قیام برہان شرعی خواہ وہ بینہ ہو یا اقرار بجائے اس کے کہ صرف ظالم سے خطاب فرماتے کہ تو نے ظلم کیا؛ اس مظلوم سے خطاب فرمایا کہ تجھ پر ظلم کیا، جس سے ایک طرف کی طرفداری متوہم ہوتی ہے، اور گو مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرفداری بھی عبادت ہے، خصوصا مقدمہ ختم ہو چکنے کے بعد، لیکن فریق مقدمہ ہونے کی حیثیت سے اور عدم تبدل مجلس تخاصم اور مجلس واحدہ کے جامع المتفرقات ہونے کی حیثیت سے اس توہم طرفداری کا بھی نہ ہونا اعدل واکمل تھا، سو داود علیہ السلام غایت تقویٰ سے اتنی بات کو بھی مخل کمال صبر ومنافی ثبات فی الامتحان سمجھے اور انہوں نے اس سے بھی اپنے رب کے سامنے توبہ کی۔ الخ۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ’’بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مبنی خود منصوص قرآنی ہے اور ﴿اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ کے ساتھ اس قصہ کا یاد دلانا قرینہ ہے کہ اس میں بھی صبر علی الاقوال تھا؛ گو دونوں جگہ اقوال میں کفر اور سوء ادب کا اختلاف ہے، البتہ یہ امر مظنون ہے کہ داود علیہ السلام نے اس کو مبنی سمجھا ہو، سو چونکہ اور تفسیروں کا مبنیٰ بھی قرآن میں نہیں، اس لئے یہ تفسیر اوروں سے اقرب ہے‘‘۔ (بیان القرآن: ۶/ ۱۰)

مطلب یہ کہ اس کے مبنیٰ کا قرآن میں منصوص ہونا تو متیقن ہے، مگر یہ امر محض مظنون ہے کہ داود علیہ السلام نے اس کو مبنیٰ سمجھا ہو اور وہ مبنیٰ یہ قول ہے ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾۔ (حاشیہ بیان القرآن: ص۶/ ۱۰)

حضرت تھانویؒ کی اختیار کردہ توجیہہ کا ذکر خود لفظ قرآنی ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾ میں بھی موجود ہے اور اس کا ربط اوپر آیت {اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ} سے بھی قائم ہوجاتا ہے، اس لئے اس توجیہہ کا سب توجیہات سے الطف واولی ہونا بعد امعان نظر کے ثابت ہوتا ہے، **فللہ در حکیم الامت التھانویؒ ما ابھی دررہ وامعن نظرہ واللہ أعلم ۔**

منصوب نبوت کے احترام اور عظمت پیغمبرانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرتؒ نے آیات کا باہمی ربط اور حضرت داود علیہ السلام کی انابت واستغفار کرنے کے ساتھ غیر مستند روایات اور غلط توجیہات کی تردید بھی فرمادی۔ (بیان القرآن: مولانا عبدالشکور ترمذی: ص: ۴-۵)

انبیاء کرام کو بھی اتباع ہویٰ کی مخالفت کی تلقین:

مفسرین کے نزدیک یہ مشکل مقامات میں سے ہے، اسی لئے حضرت تھانویؒ نے بہت وضاحت کے ساتھ اس بحث کو ذکر کیا، حضرت شیخ المشائخ نے اس بحث کو انتہائی آسان انداز میں ذکر فرما کر عوام کو اس بحث میں الجھنے سے بچالیا۔

اللہ کی اتباع کے لئے ضروری ہے کہ ہویٰ کی اتباع کو چھوڑو ،لا تتبع الھوی .حضرت داود علیہ السلام کو حکم ہورہا ہے ہویٰ کی اتباع نہ کیجئے ۔ آپ کو ملک دیا جارہا ہے ،آپ کو نبوت دی جارہی ہے اس لئے اللہ کی اطاعت کریں ہویٰ کی نہیں۔ حضرت داود علیہ السلام سے ایک لغزش پر مواخذہ ہو گیا ، وہ یہ کہ ایک آدمی ان کے عبادت خانہ میں داخل ہو گیا ، کہا کیسے آنا ہوا؟ کہا کہ ہمارے پاس ایک دُنبی ہے اور ہمارے فریق کے پاس ننانوے ہیں، وہ میری اس ایک کو بھی لینا چاہتا ہے۔ تو انہوں نے کہا بھائی بہت ظالم ہے، اس قسم کی بات وہ کہہ گئے ،بعد میں پھر مواخذہ ہوا کہ آپ حاکم اور جج بن کر بیٹھے ہیں ،جج کی کرسی پر جب آپ بیٹھے ہیں اس صورت میں دونوں فریق کی طرف ایک نگاہ سے آپ کو دیکھنا چاہئے ،وہ ظالم ہو چاہے مظلوم، آپ نے چونکہ مظلوم کی طرف ترحم کی نگاہ سے دیکھا بس اللہ کی طرف سے گرفت ہو گئی۔ ﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (ص:۲۶) یعنی اے داود! ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور اپنے جی کی خواہش پر نہ چلو کہ وہ خواہش تجھے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔ آپ شریعت کے

پابند ہیں ، حکم الٰہی یہ ہے کہ جج کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی طرف ترحم کی نگاہ سے دیکھے، چونکہ انہوں نے دیکھا اس بناپر یہ مواخذہ ہوا۔

بہر حال ہم سب لوگوں کو اتباع ہویٰ چھوڑ نا ہے ، ایک بزرگ نے فرمایا: یا اللہ ! میں کیسے آپ تک پہنچوں ؟فرمایا "**دع النفس وتعال**" نفس کو چھوڑ واور آجاؤ، اتباع ہویٰ کو چھوڑ و ، اتباع نفس کو چھوڑ و اور آجاؤ، ہمارے اور تمہارے درمیان میں اتباع ہویٰ حائل ہے ، جو ہم تک پہنچنے نہیں دیتی ہے، اس بنا پر اس کی ضرورت ہے کہ ہم نفس کی اتباع چھوڑ دیں۔

بہر حال اس قسم کی طبیعت ہے کہ لوگوں کو جہاں تک ہوسکے تقریری اعتبار سے یا تحریری اعتبار سے نفع پہونچانا ہے دینی یا دنیوی، یہ بہت ضروری ہے، ایسی چیزوں کا مولوی صاحب بیان بہت ضروری ہے، میں تو بہت جگہ جاتا ہوں، بہت سے علماء کو بھی ان چیزوں کا خیال نہیں ہے، جیسے چل رہاہے جیسے شادی چل رہی ہے ، جیسے تہوار چل رہاہے، خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ بدعت ہو رہی ہے یا سنت کے خلاف چل رہے ہیں، سب کا مزاج بھی یہ نہیں ہے بلکہ نئے لوگوں کو تو سمجھانے کی ضرورت پڑتی ہے، بلکہ یہ چیز ایسی ہے اس سے گریز کرو،اس بنا پر اس زمانہ میں میں سمجھتا ہوں کہ بدعات سے آگاہ کرنا بہت ضروری ہے اور دیوبندیت کا جو ایک عقیدہ ہے، جوایک راستہ ہے اس کو بھی واضح کرنے کی بہت ضرورت ہے؛ ورنہ تو جیسے شادی بیاہ ہندو مسلم کی ہے سب برابر معلوم ہوتی ہے، بقول مولانا محمد عمر صاحب کہ اسی طریقہ سے دیوبندیت اور دوسرے لوگوں کے جلسہ بھی برابر ہی کے قریب قریب ہو گئے ہیں،اس بنا پر اس کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو صحیح طور سے دین کی اشاعت اور ترویج کی توفیق دے۔

اتباع ہوائے نفسانی کو چھوڑ کر اتباع سنت: یہ ایمان کی علامت ہے:

مولانا بہت کچھ ہو رہا ہے، دنیا میں شادی بیاہ دیکھ لیجیے، گھر کی بود و باش دیکھئے ، ان چیروں کی طرف تصور ہی نہیں ہے، نماز روزہ کا کچھ خیال ہو بھی جائے لیکن واتبعوا الشهوات میں اچھے اچھے لوگ مبتلا ہیں، جو جی میں آیا کہہ دیا لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به. (مشکاۃ: کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة) یہ حدیث ہے کتنی جامع حدیث ہے، مختصر ہے، سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، فرماتے ہیں کہ آدمی کامل مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کی ھوا اس چیز کے تابع نہ ہو جائے اس کی شہوت اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں، یہ ھوائے نفسانی کو چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو فرمابرداری کو اختیار کرنا، یہ ایمان کی حالت ہے اور یہ ایمانی کمال کی دلیل ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین